ماہنامہ
روحانی ڈائجسٹ
کراچی
اپریل ۲۰۱۴ء
نوجوان نمبر
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند
محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے
یہ جو بندہ کو خدا تک لے جاتا ہے
اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا ہے
پسند کی شادی نوجوانوں کا حق یا والدین سے بغاوت....؟
انٹرنیٹ کے خراب اثرات سے نوجوانوں کو کیسے بچایا جائے....؟
صنفِ مخالف کی کشش: شیطانی خیال ہے یا فطری تقاضہ....؟
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com

پڑھ تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم سے

پیغمبرانہ تعلیمات، روحانی و سائنسی علوم اور نظریہ رنگ و نور کا نقیب

ماہنامہ
روحانی ڈائجسٹ
کراچی

ممبر: آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

جلد: 36 شمارہ: 05

اپریل 2014ء / جمادی الثانی ۱۴۳۶ھ

فی شمارہ: 70 روپے

سرپرستِ اعلیٰ

ابدال حق قلندر بابا اولیاءؒ

چیف ایڈیٹر

خواجہ شمس الدین عظیمی

منیجنگ ایڈیٹر

ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی

پی ایچ۔ ڈی۔ کراچی یونیورسٹی

اعزازی معاون

سہیل احمد

سالانہ خریداری کی شرح

پاکستان (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک)۔۔۔۔ سالانہ 800 روپے

بیرونِ پاکستان کے لیے۔۔۔۔۔۔۔۔ سالانہ 70 امریکی ڈالر

خط کتابت کا پتہ

1-D, 1/7، ناظم آباد کراچی 74600

پوسٹ بکس 2213

فون نمبر: 021-36685469

فیکس: 021-36606329

ای میل / فیس بک / ویب سائٹ

roohanidigest@yahoo.com

digest.roohani@gmail.com

facebook.com/roohanidigest

www.roohanidigest.net

پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر: ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی طابع: روحانی ڈائجسٹ پرنٹر

مقام اشاعت: 1-D, 1/7، ناظم آباد کراچی 74600

اس ماہ بطورِ خاص......

ترجمہ: "وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ بنایا پھر لوتھڑا بنا کر پھر تم کو بچے (کی صورت میں) نکالا، پھر تم جوانی کو پہنچتے ہو پھر بوڑھے ہو جاتے ہو اور کوئی تو تم میں سے پہلے مر جاتا ہے اور تم وقت مقرر تک پہنچ جاتے ہو تاکہ تم سمجھو۔[سورۂ مومن: آیت 67]

قرآن مجید نے ایک اہم مظہر قدرت کو بڑے دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ آدمی اولاً ایک ضعف و کمزوری اور بے بسی کا نام ہے۔ پھر قوت (جوانی) آتی ہے اور قوت کے بعد پھر کمزوری یعنی بڑھاپا چھا جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں کچھ کرنے کا زمانہ ان دو کمزوریوں کا درمیانی مختصر وقفہ یعنی جوانی ہی ہے۔ یہی دن ہیں جب آدمی کو آخرت کا توشہ کما لینا چاہیے اور تاریخ بتاتی ہے کہ یہی وہ زمانہ ہے جب بڑی شخصیتوں کے بڑے کارنامے انجام پائے۔ اللہ نے اپنے بعض برگزیدہ بندوں کی جوانی کا ذکر بھی فرمایا ہے۔

ترجمہ: اور جب وہ (یوسف) اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو دانائی اور علم بخشا۔ [سورۂ یوسف: 22] اور جب موسیٰ جوانی کو پہنچے اور بھرپور (جوان) ہو گئے تو ہم نے ان کو حکمت اور علم عنایت کیا[سورۂ قصص:14] ہم نے ان (یحییٰ) کو لڑکپن میں دانائی عطا فرمائی تھی[سورۂ مریم:12]

دورِ جوانی اپنی تربیت اور تعمیر ذات کا بہترین زمانہ ہے، کیونکہ جوان کا صفحۂ دل سادہ ہوتا ہے، اس پر ابھی برائیوں اور ناپسندیدہ خصلتوں نے اپنا رنگ نہیں جمایا ہوتا، جوان میں خرابیاں اور بری عادتیں ابھی پختہ نہیں ہوئی ہوتیں، اور اس کے دل میں جلتی ہوئی فطرت کی شمع ابھی گل نہیں ہوئی ہوتی۔ جوانی اور نشاط اللہ کی عظیم نعمت ہے۔

اللہ کے آخری نبی، رسول مکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا کہ "پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو، یعنی بڑھاپے سے پہلے جوانی، بیماری سے پہلے تندرستی، تنگ دستی سے پہلے خوش حالی، مشغولیت سے پہلے فراغت اور موت آنے سے پہلے زندگی کی قدر و منزلت پہچان لو"۔[جامع ترمذی]

پیغمبر اسلام ﷺ فرماتے ہیں: "قیامت کے دن کوئی شخص ایک قدم نہیں اٹھائے گا مگر یہ کہ اس سے چار سوال پوچھے جائیں گے کہ زندگی کن کاموں میں گزاری، جوانی کی توانائی کن مشاغل میں خرچ کی، مال کن طریقوں سے حاصل کیا اور کن کاموں میں صرف کیا اور جو کچھ معلوم تھا اس پر کتنا عمل کیا....؟[جامع ترمذی]

آنحضرت نے عمر کے علاوہ جوانی کا بطور خاص ذکر فرمایا ہے اس سے جوانی کی قدر و قیمت معلوم ہوتی ہے۔

صدائے جرس

قرآن پاک نے اس بات کو بار بار فرمایا ہے کہ تفکر کرو، عقل و شعور سے کام لو، زمین پر پھیلی ہوئی اللہ کی نشانیوں کا کھوج لگاؤ۔ زمین میں رزق تلاش کرو، جدوجہد کرو.... اپنی تخلیق پر غور کرو کہ کس طرح وجود میں آئے کس طرح اللہ کریم نے حفاظت کے ساتھ تمہیں پرورش کیا۔ پروان چڑھایا۔ تمہارے اوپر جوانی کا دور آیا۔ تمہیں اللہ نے طاقت عطا کی، ایسی طاقت کہ تم اپنے ارادے اور اختیار کے ساتھ زمین پر دوڑنے لگے اور اسی طاقت اور اختیار کے ساتھ زمین کی کوکھ میں سے تم نے اپنے لئے وسائل تلاش کئے۔ دریاؤں میں کشتیاں چلا دیں۔ اللہ نے تم کو اتنی بڑی طاقت عطا کی کہ زمین پر پھیلے ہوئے وسائل تمہاری دسترس میں آگئے یہی بندہ جو ناقابل تذکرہ شئے تھا۔ پیدائش کے بعد اس قابل بھی نہ تھا کہ اپنے ارادے حرکت کر سکے۔ کروٹ بدل سکے یا بیٹھ سکے، مکھی اڑا سکے۔ اس گوشت پوست کے لوتھڑے کو اللہ نے اتنی سکت عطا کی کہ اس کے وجود سے اور اس کے اندر مخفی صلاحیتوں سے طرح طرح کی مصنوعات وجود میں آگئیں۔

آدمی اپنی کوشش، محنت جدوجہد اور صلاحیتوں کے مطابق ظاہری اسباب میں رہ کر کوئی علم سیکھتا ہے اور اس علم میں مادی وسائل بروئے کار آتے ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک آدمی لوہار بننا چاہتا ہے۔ اب اس کے سامنے تین چیزیں ہیں۔ ایک لوہا، دوسرے وہ صلاحیت جو لوہے کو مختلف شکلوں میں ڈھالتی ہے اور تیسرے صلاحیت کا استعمال۔ جب وہ اس صلاحیت کو استعمال کرتا ہے تو اس لوہے سے بے شمار چیزیں بن جاتی ہیں۔

کسی علم کو سیکھنے کے لئے ایک قدر مشترک Common Factor نیت ہے یعنی علم کس لئے سیکھا جا رہا ہے؟ اس علم کی بدولت جو چیزیں تخلیق پا رہی ہیں ان چیزوں میں تخریب کا پہلو نمایاں ہے یا اس کے اندر تعمیر پنہاں ہے۔ جس طرح لوہا ایک دھات ہے اس طرح صلاحیت بھی ایک ہے یعنی لوہے کو مختلف چیزوں میں ڈھالنا، لیکن یہ دیکھنا ضروری ہے کہ یہ چیزیں کس مقصد کے لئے بنائی گئی ہیں۔ اس کے اندر تعمیر ہے یا تخریب۔ لوہے کی

وحدات سے ایسی چیزیں بھی بنتی ہیں جن کے اوپر انسان کی فلاح و بہبود کا دارومدار ہے۔ مثلاً چرخہ، پھونکنی، توا، ریل کے پہیئے، ریل کے ڈبے، ہوائی جہاز اور دوسری بے شمار چیزیں۔ اور اگر نیت میں تخریب ہے تو یہی وحدات نوع انسانی کی تباہی کا پیش خیمہ بن جاتی ہے جیسے بم، میزائل، ٹینک وغیرہ۔

❀❀❀

قانون قدرت یہ ہے کہ جب کوئی بندہ جدوجہد اور کوشش کرتا ہے اور اس جدوجہد اور کوشش کا ثمر کسی نہ کسی طرح اللہ کی مخلوق کے کام آتا ہے تو وسائل میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ زمین پر اللہ نے جتنی بھی اشیاء تخلیق کی ہیں ان کے اندر بے شمار صلاحیتیں چھپی ہوئی ہیں۔ کوشش سے جب ان اشیاء کے اندر صلاحیتوں کو متحرک کر دیا جاتا ہے یا ان اشیاء میں محفوظ مخفی صلاحیتوں کا کھوج لگایا جاتا ہے تو ایجادات کے بے شمار راستے کھل جاتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ نے لوہا تخلیق کیا۔ من حیث القوم یا انفرادی طور پر جب لوہے کی صفات اور لوہے کے اندر کام کرنے والی صلاحیتوں کا سراغ لگایا جاتا ہے تو لوہے سے لوگوں کے لئے بے شمار فائدے حاصل ہو جاتے ہیں۔

سائنسی ترقی میں مشکل سے کوئی ایسی چیز ملے گی جس میں کسی نہ کسی طرح لوہے کا عمل دخل نہ ہو۔

علمائے باطن اولیاء اللہ فرماتے ہیں کہ انفرادی زندگی اور قومی زندگی لوح محفوظ پر نقش ہے۔ انفرادی حدود میں کوئی بندہ جب کوشش اور جدوجہد کرتا ہے تو اس بندہ کے اوپر انفرادی فوائد ظاہر ہوتے ہیں۔ قومی اعتبار سے ایک، دو، چار، دس بندے جب تک کوشش کرتے ہیں تو اس جدوجہد اور کوشش سے پوری قوم کو فائدہ پہنچتا ہے۔

"بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتے جب تک وہ خود اپنے اندر تبدیلی نہ لائے۔" (القرآن)

جو قومیں خود اپنی حالت بدلنے کے لئے کوشش کرتی ہیں ان کو ایسے وسائل فراہم کر دیئے جاتے ہیں جن سے وہ معزز اور محترم بن جاتی ہیں اور جو قومیں اپنی تبدیلی نہیں چاہتیں وہ محروم زندگی گزارتی ہیں۔

بندہ اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات کو اگر صحیح سمتوں میں استعمال کرتا ہے تو اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اگر غلط طرزوں میں استعمال کرتا ہے تو منفی نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ بندہ اللہ کے عطا کردہ اختیارات کو اسی طرح استعمال کرے کہ جس سے اس کی اپنی فلاح اور اللہ کی مخلوق کی فلاح کا سامان میسر ہو۔ اللہ خالق ہے، رب ہے اور ربوبیت کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ کے انعامات اور اکرامات اور اللہ کے پیدا کئے ہوئے وسائل سے ساری مخلوق فائدہ اٹھائے۔ اس بات کو اس طرح سمجھا جائے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب ریکارڈ ہے۔ اس ریکارڈ میں لوگوں کا عروج و زوال بھی لکھا ہوا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ قومیں اگر صحیح طرزوں میں عمل زندگی بسر کریں گی تو ان کو عروج نصیب ہو گا اور اگر غلط طرزوں میں

عملی زندگی بسر کریں گی تو غلام بنادی جائیں گی۔ ذلیل و خوار ہو جائیں گی۔

ترقی اور تنزل جب زیر بحث آتا ہے تو ذہن اس طرف متوجہ ہوتا ہے کہ آخر ترقی یا تنزل میں کون سے عوامل کار فرما ہیں۔ انفرادی یا اجتماعی جدوجہد کے نتیجہ میں ترقی نصیب ہوتی ہے اور انفرادی یا اجتماعی تساہل اور عیش پسندی کے نتیجے میں قومیں عروج کے بجائے زوال پذیر ہو جاتی ہیں۔

ترقی کے دو رخ ہیں۔ ترقی یا عزت و توقیر کی ایک حالت یہ ہے کہ کسی فرد یا کسی قوم کو دنیاوی عزت اور دنیاوی دبدبہ اور دنیاوی شان و شوکت نصیب ہو۔ ترقی کا دوسرا رخ جو فی الواقع حقیقی رخ ہے، اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ظاہری حالت میں رہتے ہوئے مخفی دنیا میں جس فرد یا قوم کی رسائی ہوتی ہے وہی اصلی ترقی ہے۔ بے شک وہ قومیں جنھوں نے علوم میں تفکر کیا اور جدوجہد کے بعد نئی نئی اختراعات کی ہیں وہ دنیاوی اعتبار سے ترقی یافتہ ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہی ترقی یافتہ قومیں سکون اور اطمینان قلب سے محروم ہیں۔ قلبی اطمینان اور روحانی سکون سے اس لئے محروم ہیں کہ حقیقت سے ان کا واسطہ یا تعلق نہیں ہے۔ حقیقت میں ذہنی انتشار نہیں ہوتا۔ حقیقت کے اوپر کبھی خوف اور غم کے سائے نہیں منڈلاتے، حقیقی دنیا سے متعارف لوگ ہمیشہ پر سکون رہتے ہیں۔ موجودہ دور بے شک ترقی کا دور ہے لیکن اس ترقی کے ساتھ ساتھ جس قدر صعوبتیں، پریشانیاں، بے سکونی اور ذہنی انتشار سے نوع انسانی دوچار ہوئی ہے اس کی نظیر پہلے کے دور میں نہیں ملتی۔ اس ترقی کے پیچھے انفرادی ہو یا قومی، ذاتی منفعت اور دولت پرستی ہے اور جب ترقی خالصتاً نوع انسانی کی فلاح و بہبود کے لئے ہوتی ہے تو قوموں کو اطمینان اور سکون نصیب ہوتا ہے۔

انفرادی یا اجتماعی ذہن کا تعلق طرز فکر سے ہے۔ طرز فکر میں اگر یہ بات ہے کہ ہماری کوشش اور اختراعات سے اللہ کی مخلوق کو فائدہ پہنچے گا تو یہ طرز فکر انبیاء کی طرز فکر ہے اور یہی طرز فکر اللہ کی طرز فکر ہے۔

❀❀❀

اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو تخلیقی صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ جو لوگ ان صلاحیتوں کو اپنی کوششوں سے منصہ شہود پر لے آتے ہیں، کامیاب انسان کہلاتے ہیں۔

اپنے معاملات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں کتنا اختیار دیا ہے اور ہم کہاں تک کوشش کر سکتے ہیں اس بارے میں قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور آدمی کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرے اور عنقریب اس کی کوشش اسے دکھائی جائے گی پھر اس کو پوری جزا دی جائے گی اور بے شک تمہاری انتہا اللہ ہی ہے"۔ (سورہ نجم 42)

یہ آیت مبارکہ اپنی تفسیر آپ ہے۔ واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ جو جتنی کوشش جدوجہد کرتا ہے اسے اتنا ہی ملتا ہے۔ کسی ادارے کا ڈائریکٹر جنرل اس ادارہ کے مزدور سے بلند درجہ اس لئے ہے کہ اس نے زیادہ تعلیم

حاصل کی، زیادہ تجربہ حاصل کیا اور زیادہ محنت کی جبکہ مزدور کی ذہنی سکت محدود رہی۔ لیکن مزدور تقدیر کو الزام نہیں دے سکتا کیونکہ دنیا کے تمام وسائل اُس کے لئے بھی موجود تھے۔

مولانا روم کا یہ مصرعہ شاید اسی جانب اشارہ کرتا ہے۔

جوئندہ پائندہ

یعنی جو قدم بڑھاتا ہے پالیتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہ اقوال ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔

یغوص البحر من طلب اللالی
ومن طلب العلی سہر اللیالی
ومن طلب العلی من غیر کدٍ
اضاع العمر فی طلب المحال

ترجمہ: جو شخص موتی چاہتا ہے وہ سمندر میں غوطہ لگاتا ہے اور جو شخص بلندی چاہتا ہے وہ راتوں کو جاگتا ہے اور جو شخص محنت کے بغیر بلند مقام چاہے اس نے ناممکن کی طلب میں اپنی عمر ضائع کر دی۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص قیمتی موتی کا طلبگار ہو تو وہ ساحل پر اپنی مطلوبہ چیز حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کو اپنا مطلوب پانے کے لئے سمندر کی گہرائیوں میں اترنا پڑے گا۔ اسی طرح جو شخص چاہتا ہو کہ اسے زندگی میں عزت اور بڑائی کا درجہ ملے تو اسے راتوں کو جاگنا پڑے گا۔ یعنی صرف معمول کی محنت اس کے لئے کافی نہیں ہوگی بلکہ معمول سے بڑھ کر محنت کرنا ہوگی۔ اس کو اس وقت عمل کرنا ہوگا جب دوسرے لوگ آرام کر رہے ہوں۔ زیادہ محنت ہی کے ذریعہ اس دنیا میں کوئی شخص زیادہ بڑا درجہ پا سکتا ہے جو شخص محنت و مشقت کے بغیر بلند مقام حاصل کرنا چاہے وہ اپنا وقت اور اپنی طاقت کو ضائع کر رہا ہے۔

❁❁❁

سلسلہ عظیمیہ کے امام حضور قلندر بابا اولیاءؒ اپنی تصنیف "لوح و قلم" میں تحریر کرتے ہیں:

"انسان بالطبع مصور، کاتب، درزی، لوہار، بڑھئی، فلسفی، طبیب وغیرہ وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے مگر اسے کسی خاص فن میں ایک خاص قسم کی مشق کرنا پڑتی ہے۔ اس کے بعد اُس کے مختلف نام رکھ لئے جاتے ہیں اور ہم اس طرح کہتے ہیں کہ فلاں شخص مصور ہو گیا، فلاں شخص فلسفی ہو گیا۔ فی الواقع وہ تمام صلاحیتیں اور نقوش اس کے ذہن میں موجود تھے۔ صرف اس نے ان کو بیدار کیا۔ استاد نے جتنا کام کیا وہ صرف صلاحیت کے بیدار کرنے میں ایک امداد ہے"۔

❁❁❁

اپنے تاثرات روحانی ڈائجسٹ کی ویب سائٹ اور فیس بک پیج پر بھی بھیج یا پوسٹ کر سکتے ہیں۔
ای میل: roohanidigest@yahoo.com
فیس بک: facebook.com/roohanidigest
ویب سائٹ: www.roohanidigest.net
بذریعہ ڈاک: D,1/7-1، ناظم آباد کراچی 74600۔

ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی کی ادارت میں شائع ہونے والا روحانی ڈائجسٹ اردو رسائل و جرائد میں اپنی ایک منفرد شان رکھتا ہے۔ مختلف موضوعات پر بہت معیاری تحریریں شامل اشاعت ہوتی ہیں لیکن

خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے۔

اس رسالے میں کمپوزنگ کی غلطیاں بھی بہت ہوتی ہیں۔ دوران مطالعہ لفظوں کی غلطیوں سے اچھے سے اچھا مضمون پڑھنے کا لطف بھی متاثر ہونے لگتا ہے۔ کمپوزنگ کی غلطیوں کے ساتھ ساتھ کئی صفحات کی طباعت بھی خراب ہوتی ہے۔ ازراہ کرم اس طرف توجہ دیجیے ورنہ....

لیکن.... بہر حال روحانی ڈائجسٹ تو ہم ہر ماہ خریدتے رہیں گے۔

(واصف اقبال۔ لاہور)

میں ایک ٹیچر ہوں۔ صحرا تھر کے تپتے ہوئے ریگزار میں جب کچھ وقت میسر آتا ہے تو روحانی ڈائجسٹ کا مطالعہ کرتا ہوں۔ تین سال سے اس رسالے کا مستقل قاری ہوں۔ میڈیا نے تھر کے مسائل کو دنیا کے سامنے اجاگر کیا ہے۔ مگر آج بھی یہاں کے لوگ بنیادی ضرورتوں جیسے پانی، خوراک، صحت وغیرہ کے لیے سرگرداں دکھائی دیتے ہیں۔ روحانی ڈائجسٹ نے صحت عامہ کے حوالے سے کئی سلسلے شروع کیے ہوئے ہیں جس میں گھر کا معالج، طبی مشورے اور اشرف باجی کے ٹوٹکے قابل ذکر ہیں۔ ان مفید طبی مشوروں اور ٹوٹکوں سے ہمارے بہت سے مسائل گھروں میں ہی بآسانی حل ہوجاتے ہیں۔ ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی کے آرٹیکل روحانی ڈاک سے ہمارے علاقے میں بہت سے لوگ فیض حاصل کر رہے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ آپ تھر پر بھی ایک آرٹیکل دیجیے۔ اس مضمون میں تھر کے مسائل کے ساتھ ساتھ اس کی خوبصورتی کو بھی اجاگر کیجیے۔

(رسول بخش۔ مٹھی، تھر)

روحانی ڈائجسٹ کا ہر شمارہ اپنے معیار اور مضامین کے انتخاب کے اعتبار سے بہترین ہوتا ہے۔ تازہ شمارہ ٹیلی پیتھی نمبر تو بہت زیادہ پسند آیا۔ متاثر کن اور پرکشش سرورق کے ساتھ ٹیلی پیتھی کے حوالے سے "عالم تمام حلقہ دام خیال ہے"، "ماورائی قوتوں کا ادراک"، "ماں کا ذہن پڑھنے والی انوکھی بچی"،

"تصوری میڈیم" اور "محبت اور ٹیلی پیتھی" بیش قیمت اور معلومات افزا تھے۔

(سمیع اللہ۔ پشاور)

روحانی ڈائجسٹ میں شائع کردہ ناول/کہانی آگیا بیتال پر تجسس واقعات کے ساتھ اصلاحی باتوں کا بہترین امتزاج ہے۔ اس ماہ کی قسط میں شاہ صاحب کے اس جملے کی گہرائی کا اندازہ ہوا "منفی سوچ حاوی ہونے لگے تو آدمی کا ذہن بیمار (Sick Mind) ہونے لگتا ہے۔" آگیا بیتال جوں جوں آگے بڑھ رہی ہے حیرت اور تجسس کے ساتھ مثبت سوچ کے حوالے سے ہماری معلومات بڑھتی جارہی ہیں۔

(احمد شفیق۔ سانگھڑ)

کئی برس مشرق وسطی کے صحراؤں میں گزارے۔ وجہ ظاہر ہے کہ غم روزگار ہی تھی۔ لیکن ایک رفیق ایسا بھی ہے جو، ان صحرائی شب و روز میں بھی ساتھ تھا اور اب بھی ہے اور وہ ہے روحانی ڈائجسٹ۔ ڈائجسٹ کے اکثر مضامین معیاری ہوتے ہیں۔ مجھے ہمیشہ سے ہی روحانی ڈاک پسند رہا ہے۔ صحرا ہو یا شہر ہر جگہ مجھے اپنے مسائل کا حل روحانی ڈاک کے ذریعہ بآسانی مل جاتا ہے۔

(محمد ارشد۔ کراچی)

ہمارے گھر پر آنے والے رسائل میں روحانی ڈائجسٹ بھی شامل ہے۔ میرے شوہر کو پڑھنے لکھنے کا جنون کی حد تک شوق ہے۔ روحانی ڈائجسٹ میں نوجوانوں، خواتین اور بزرگوں کے ساتھ ساتھ بچوں کے لیے دلچسپ اور مفید تحریریں شائع ہوتی ہیں۔

(عظمیٰ نیاز۔ اسلام آباد)

روحانی ڈائجسٹ میں فینگ شوئی پر مفید معلومات دی جارہی ہے۔

(افشین خلیل۔ کوئٹہ)

روحانی ڈائجسٹ میں Infertility کے بارے میں سلسلہ مضامین شروع کرکے آپ نے بہت اچھا کیا۔ ان مضامین کے ذریعہ نہ صرف معلومات مل رہی ہیں بلکہ سماجی رویوں کی بہتری میں بھی بہت مدد مل رہی ہے۔ میری بہن کے ساتھ بھی یہ مسئلہ تھا۔ ان کے شوہر اپنا ٹیسٹ کروانے پر تیار نہیں ہوتے تھے۔ روحانی ڈائجسٹ میں مضمون پڑھ کر وہ اپنا ٹیسٹ اور علاج کروانے پر تیار ہوگئے۔ Thank you RD

(رخسانہ شمیم۔ حیدرآباد)

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی کی تحریریں آسان اور عام فہم انداز میں قارئین کی رہنمائی کرتی ہیں۔ ان کی تحریروں میں سادگی کے ساتھ ساتھ بے انتہا کشش اور اثر ہے۔

(ذوالفقار علی۔ سکھر)

جنوری اور فروری کے شماروں میں ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی کی تحریریں بہت پسند آئیں لیکن حق الیقین کی کمی بھی بہت محسوس ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب سے گزارش ہے کہ اپنا کالم "حق الیقین" ہر ماہ ضرور لکھا کریں۔

(نازش فیروز۔ پشاور)

اللہ کا محبوب۔ روحانی ڈائجسٹ کا نیا سلسلہ بہت اچھی تحریر ہے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی تو ایک دنیا دیوانی ہے۔

خسرو نظام کے بل بل جائیے....

توقع ہے کہ روحانی ڈائجسٹ کے ذریعے عالم اسلام کے اس عظیم رکن کے حالات زندگی سے اچھی طرح آگہی ہوگی۔ امید ہے کہ روحانی ڈائجسٹ اولیاء اللہ کے عقیدت مندوں کی توقعات پوری کرنے کی کوشش کرے۔

(شاکر نظامی۔ کراچی)

کامیاب زندگی کے سبق

نوجوانوں کے لیے بطور خاص

ابنِ وصی

کلاس روم طلبہ اور طالبات سے بھرا ہوا تھا۔ ہر کوئی خوش گپیوں میں مصروف تھا، کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی، اتنے میں پرنسپل کلاس روم میں داخل ہوئے، کلاس روم میں سناٹا چھا گیا۔

پرنسپل صاحب نے اپنے ساتھ آئے ہوئے ایک صاحب کا تعارف کراتے ہوئے کہا یہ ہمارے کالج کے وزیٹنگ پروفیسر، پروفیسر انصاری ہیں، آپ مفکر دانشور اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ یہ آپ کو کامیاب زندگی گزارنے کے کچھ گر بتائیں گے۔ ان کے کئی لیکچر ہوں گے۔ جو اسٹوڈنٹس انٹرسٹڈ ہوں وہ ان کے لیکچر میں باقاعدگی سے شریک ہوں۔

❖1❖

کلاس روم میں سناٹا طاری تھا۔ طلبا کی نظریں کبھی پروفیسر کی طرف اٹھتیں اور کبھی بلیک بورڈ کی طرف۔ پروفیسر کے سوال کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔ سوال تھا ہی ایسا۔

وزیٹنگ پروفیسر انصاری نے ہال میں داخل ہوتے ہی بغیر ایک لفظ کہے بلیک بورڈ پر ایک لمبی لکیر کھینچ دی۔ پھر اپنا رخ طلبا کی طرف کرتے ہوئے پوچھا....

''تم میں سے کون ہے جو اس لکیر کو چھوئے بغیر اسے چھوٹا کر دے؟''....

''یہ ناممکن ہے۔''، کلاس کے ایک ذہین طالبعلم نے آخر کار اس خاموشی کو توڑتے ہوئے جواب دیا۔ ''لکیر کو چھوٹا کرنے کے لیے اسے مٹانا پڑے گا اور آپ اس لکیر کو چھونے سے بھی منع کر رہے ہیں۔'' باقی طلبا نے بھی گردن ہلا کر اس کی تائید کر دی۔

پروفیسر نے گہری نظروں سے طلبا کو دیکھا اور کچھ کہے بغیر مسکراتے ہوئے بلیک بورڈ پر اس لکیر کے نیچے ہی اس سے بڑی ایک اور لکیر کھینچ دی۔ اب اوپر والی لکیر کے سامنے یہ لکیر چھوٹی نظر آ رہی تھی۔

پروفیسر نے چاک ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا:

''آپ نے آج اپنی زندگی کا ایک بڑا سبق سیکھا ہے، وہ یہ ہے دوسروں کو نقصان پہنچائے بغیر، ان کو بدنام کیے بغیر، ان سے حسد کیے بغیر، ان سے الجھے بغیر ان سے آگے کس طرح نکلا جا سکتا ہے....''

آگے بڑھنے کی خواہش انسان کی فطرت میں شامل

ہے۔ اس خواہش کی تکمیل کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسرے کو چھوٹا بنانے کی کوشش کی جائے۔ مگر ایسی صورت میں انسان خود بڑا نہیں ہوتا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ دوسروں سے الجھے بغیر خود کو طاقتور اور بڑا بنانے پر توجہ دی جائے۔ دوسروں سے الجھے بغیر آگے بڑھنا، ترقی کا صحیح طریقہ ہے۔ یہ طریقہ فرد کے لیے بھی بہتر ہے اور قوموں کے لیے بھی۔ اس طریقے پر اجتماعی طور پر ہمارے پڑوسی ملک چین نے سب سے زیادہ عمل کیا ہے اور بہترین نتائج حاصل کیے ہیں۔

❖2❖

دوسرے دن کلاس میں داخل ہوتے ہی پروفیسر انصاری نے بلیک بورڈ پر ایک بڑا سا سفید کاغذ چسپاں کردیا۔ اس کے بعد انہوں نے اس سفید کاغذ کے درمیان میں مارکر سے ایک سیاہ نقطہ ڈالا۔ پھر اپنا رخ کلاس کی طرف کرتے ہوئے پوچھا:

"آپ کو کیا نظر آرہا ہے....؟"

سب نے ہی یک زبان ہو کر کہا" ایک سیاہ نقطہ "۔

طالب علم تعجب کا اظہار کر رہے تھے سر بھی کمال کرتے ہیں، کل لکیر کھینچی تھی آج نقطہ بنا دیا ہے....

پروفیسر نے مسکراتے ہوئے کہا" حیرت ہے! اتنا بڑا سفید کاغذ اپنی چمک اور پوری آب و تاب کے ساتھ تو تمہاری نظروں سے اوجھل ہے، مگر ایک چھوٹا سا سیاہ نقطہ تمہیں صاف دکھائی دے رہا ہے؟"

زندگی میں کیے گئے لاتعداد اچھے کام سفید کاغذ کی طرح ہوتے ہیں جبکہ کوئی غلطی یا خرابی محض ایک چھوٹے سے نقطے کی مانند ہوتی ہے۔ لوگوں کی اکثریت دوسروں کی غلطیوں پر توجہ زیادہ دیتی ہے لیکن اچھائیوں کو نظرانداز کردیتی ہے۔

آپ کی ساری زندگی کی اچھائیوں پر آپ کی کوئی ایک کوتاہی یا کسی غلطی کا ایک سیاہ نقطہ ان کو زیادہ صاف دکھائی دیتا ہے۔

آپ آدھا گلاس پانی کا بھر کر اگر 100 لوگوں سے پوچھیں گے، تو کم از کم 80 فیصد کہیں گے آدھا گلاس خالی ہے اور 20 فیصد کہیں گے کہ آدھا گلاس پانی ہے.... دونوں صورتوں میں بظاہر فرق کچھ نہیں پڑتا لیکن درحقیقت یہ دو قسم کے انداز فکر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ایک منفی اور دوسرا مثبت۔ جن لوگوں کا انداز فکر منفی ہوتا ہے وہ صرف منفی رخ سے چیزوں کو دیکھتے جبکہ مثبت ذہن کے لوگ ہر چیز میں خیر تلاش کرلیتے ہیں۔

ہماری زندگی کے معاملات میں لوگوں کے رد عمل گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ "لوگ کیا کہیں گے" جیسے روایتی جملے ہمیں ہمیشہ دوراہوں پر گامزن کردیتے ہیں۔ یہ دوراہی فیصلہ لینے میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اس صورتحال میں صرف نفسیاتی الجھن کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اس لیے آپ مستقبل میں کوئی بھی کام کریں، کوئی بھی راہ چنیں، تو یہ یاد رکھیں کہ آپ ہر شخص کو مطمئن نہیں کرسکتے۔

❖3❖

تیسرے دن پروفیسر نے اپنی کلاس کا آغاز کرتے ہوئے ایک گلاس اٹھایا، جس کے اندر کچھ پانی موجود تھا۔ انہوں نے وہ گلاس بلند کردیا، تاکہ تمام طلبا اسے دیکھ لیں۔

"سر کیا آپ وہی فلسفیانہ سوال تو نہیں پوچھنا چاہ رہے کہ گلاس آدھا خالی ہے یا آدھا بھرا ہوا ہے" ایک طالب علم نے جملہ کستے ہوئے کہا۔

پروفیسر نے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا

اور کہا" نہیں! آج میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کے خیال میں اس گلاس کا وزن کیا ہو گا....؟"

"پچاس گرام"، "سو گرام"، "ایک سو پچیس گرام"۔ سب اپنے اپنے انداز سے جواب دینے لگے۔

"میں خود صحیح وزن بتا نہیں سکتا، جب تک کہ میں اس کا وزن نہ کر لوں!...." پروفیسر نے کہا۔ لیکن میرا سوال یہ ہے کہ "کیا ہو گا اگر میں اس گلاس کو چند منٹوں کے لیے اسی طرح اٹھائے رہوں....؟"

"کچھ نہیں ہو گا!" طالب علموں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، اب یہ بتاؤ کہ اگر میں اس گلاس کو ایک گھنٹے تک یوں ہی اٹھائے رہوں تو پھر کیا ہو گا....؟" پروفیسر نے پوچھا۔

"آپ کے بازو میں درد شروع ہو جائے گا۔" طلباء میں سے ایک نے جواب دیا۔

"تم نے بالکل ٹھیک کہا۔" پروفیسر نے تائیدی لہجے میں کہا۔ "اب یہ بتاؤ کہ اگر میں اس گلاس کو دن بھر اسی طرح تھامے رہوں تو پھر کیا ہو گا....؟"

"آپ کا بازو شل ہو سکتا ہے۔" ایک طالب علم نے کہا۔ "آپ کا پٹھا اکڑ سکتا ہے" ایک اور طالب علم بولا، "آپ پر فالج کا حملہ ہو سکتا ہے۔ آپ کو اسپتال لازمی جانا پڑے گا!" ایک طالب علم نے جملہ کسا اور پوری کلاس قہقہے لگانے لگی۔

"بہت اچھا!" پروفیسر نے بھی ہنستے ہوئے کہا پھر پوچھا "لیکن اس دوران کیا گلاس کا وزن تبدیل ہوا....؟"

"نہیں۔" طالب علموں نے جواب دیا۔

"تو پھر بازو میں درد اور پٹھا اکڑنے کا سبب کیا تھا....؟" پروفیسر نے پوچھا۔ طالب علم چکرا گئے۔

"گلاس کا بہت دیر تک اٹھائے رکھنا، بہتر ہو گا کہ اب گلاس نیچے رکھ دیں!" ایک طالب علم نے کہا۔

"بالکل صحیح!...." استاد نے کہا۔

"ہماری زندگی کے مسائل بھی کچھ اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ آپ انہیں اپنے ذہن پر چند منٹ سوار رکھیں تو وہ ٹھیک لگتے ہیں۔ انہیں زیادہ دیر تک سوچتے رہیں تو وہ آپ کے لیے سر کا درد بن جائیں گے۔ انہیں اور زیادہ دیر تک تھامے رہیں تو وہ آپ کو فالج زدہ کر دیں گے۔ آپ کچھ کرنے کے قابل نہیں رہیں گے۔ دیکھیے.... اپنی زندگی کے چیلنجز (مسائل) کے بارے میں سوچنا یقیناً اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن.... اس سے کہیں زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ہر دن کے اختتام پر سونے سے پہلے ان مسائل کو ذہن سے اُتار دیا جائے۔ اس طریقے سے آپ کسی قسم کے ذہنی تناؤ میں مبتلا نہیں رہیں گے۔ اگلی صبح آپ تروتازہ اور اپنی پوری توانائی کے ساتھ بیدار ہوں گے اور اپنی راہ میں آنے والے کسی بھی ایشو، کسی بھی چیلنج کو آسانی سے ہینڈل کر سکیں گے۔ لہٰذا گلاس کو یعنی مسائل پر غیر ضروری سوچ بچار کو نیچے کر نا رکھنا یاد رکھیں۔"

❖4❖

پروفیسر نے کہا کہ کل ہر ایک طالب علم پلاسٹک کا ایک شفاف تھیلا اور ٹماٹر ساتھ لائے۔

جب طلباء تھیلا اور ٹماٹر لے آئے تو پروفیسر نے کہا کہ:

"آپ میں سے ہر طالب علم اس فرد کے نام پر جسے آپ نے اپنی زندگی میں معاف نہیں کیا، ایک ایک ٹماٹر چن لیں اور اس پر اس فرد کا نام اور تاریخ لکھ کر اسے اپنے پلاسٹک کے تھیلے میں ڈالتے جائیں۔"

سب نے ایک ایک کر کے یہی عمل کیا، پروفیسر نے کلاس پر نظر ڈالی تو دیکھا بعض طالب علموں کے

تھیلے خاصے بھاری ہو گئے۔

پھر پروفیسر نے سب طالب علموں سے کہا کہ:

"یہ آپ کا ہوم ورک ہے، آپ سب ان تھیلوں کو اپنے ساتھ رکھیں، اسے ہر جگہ اپنے ساتھ لیے پھریں۔ رات کو سوتے وقت اسے اپنے بیڈ کے سرہانے رکھیں، جب کام کر رہے ہوں تو اسے اپنی میز کے برابر میں رکھیں۔ کل ہفتہ، پرسوں اتوار ہے آپ کی چھٹی ہے، پیر کے روز آپ ان تھیلوں کو لے کر آئیں اور بتائیں آپ نے کیا سیکھا۔"

پیر کے دن سب طالب علم آئے تو چہرے پر پریشانی کے آثار تھے، سب نے بتایا کہ اس تھیلے کو ساتھ ساتھ گھسیٹے پھرنا ایک آزار ہو گیا۔ قدرتی طور پر ٹماٹروں کی حالت خراب ہونے لگی۔ وہ پلپلے اور بدبودار ہو گئے تھے۔

پروفیسر نے مسکراتے ہوئے کہا" اس ایکسر سائز سے کیا سبق سیکھا....؟"

سب طلبہ وطالبات خاموش رہے۔

"اس ایکسر سائز سے یہ واضح ہوا کہ روحانی طور پر ہم اپنے آپ پر کتنا غیر ضروری وزن لادے پھر رہے ہیں۔ ہمیں اندازہ ہوا کہ ہم اپنی تکلیف اور اپنی منفی سوچ کی کیا قیمت چکا رہے ہیں۔

ہم اکثر یہ سوچتے ہیں کہ کسی کو معاف کر دینا، کسی پر احسان کرنا اس شخص کے لیے اچھا ہے لیکن دوسرے کو معاف کر کے ہم خود اپنے لیے لاتعداد فوائد حاصل کرتے ہیں۔ جب تک ہم کسی سے ناراض رہتے ہیں، اس کے خلاف بدلہ لینے کے لیے سوچتے ہیں اس وقت تک ہم کسی اور کا نہیں بلکہ خود اپنا خون جلاتے ہیں۔ اپنے آپ کو اذیت اور مشقت میں مبتلا رکھتے ہیں۔ بدلے اور انتقام کی سوچ، گلے سڑے ٹماٹروں کی طرح ہمارے باطن میں بدبو پھیلانے لگتی ہے۔ معاف نہ کرنا ایک بوجھ بن کر ہمارے اعصاب کو تھکا دیتا ہے۔

❖5❖

"آج ہم نہیں پڑھیں گے...."

پروفیسر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ سارے طالب علم حیران و پریشان ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

"آپ دو دن ٹماٹروں کا تھیلا اٹھائے تھک گئے ہوں گے۔ اس لیے آج آپ کے لیے چائے کافی میری طرف سے...."

اسی دوران لیکچر ہال میں کالج کا چپڑاسی داخل ہوا اس کے ہاتھ میں کافی کے دو بڑے سے جگ تھے۔ ساتھ ہی بہت سے کپ تھے، پورسلین کے کپ، پلاسٹک کے کپ، شیشے کے کپ، ان میں سے بعض سادہ سے کپ تھے اور بعض نہایت قیمتی، خوبصورت اور نفیس....

پروفیسر نے تمام طالب علموں سے کہا کہ "سب اپنی مدد آپ کے تحت وہ گرما گرم چائے کافی آپ خود لے لیں۔"

جب تمام طالب علموں نے اپنے چائے اور کافی کے کپ ہاتھوں میں لے لیے تو پروفیسر صاحب گویا ہوئے۔

"آپ لوگ غور کریں.... تمام نفیس، قیمتی اور دیکھنے میں حسین کافی کپ اٹھا لیے گئے ہیں، جبکہ سادہ اور سستے کپوں کو کسی نے ہاتھ نہیں لگایا، وہ یوں ہی رکھے ہوئے ہیں۔"

"اس کا کیا مطلب سر"۔ ایک طالب علم نے پوچھا

"گویہ عام سی بات ہے کہ آپ اپنے لیے سب سے بہترین کا انتخاب کرتے ہیں لیکن یہی سوچ آپ کے کئی مسائل اور ذہنی دباؤ کی جڑ بھی ہے۔"

سارے طالب علم چونک اٹھے، "یہ کیا کہہ رہے ہیں سر اچھی چیز کا انتخاب تو اعلیٰ ذوق کی علامت ہے۔ یہ

مسائل کی جڑ کیسے....؟"

پروفیسر نے مسکراتے ہوئے کہا: "آپ سب کو حقیقت میں جس چیز کی طلب تھی، وہ چائے یا کافی تھی.... نہ کہ کپ.... لیکن آپ سب نے دانستہ طور پر بہتر کپوں کے لیے ہاتھ بڑھایا اور سب ایک دوسرے کے کپوں کو چور نگاہوں سے دیکھتے رہے۔"

میرے بچو.... نوجوانو.... یاد رکھو.... زندگی کا اصل حسن باطن سے پھوٹنے والی خوشیوں کی وجہ سے ہے۔ عالی شان بنگلہ، قیمتی گاڑی، دائیں بائیں ملازمین، دولت کی چمک دمک کی وجہ سے بننے والے دوست یہ سب قیمتی کپ کی طرح ہیں۔ اگر اس قیمتی کپ میں کافی یا چائے بدمزہ ہو تو کیا آپ اسے پئیں گے؟۔

اصل اہمیت زندگی، صحت اور آپ کے اعلیٰ کردار کی ہے۔ باقی سب کانچ کے بنے ہوئے نازک برتن ہیں، ذرا سی ٹھیس لگنے سے یہ برتن ٹوٹ جائیں گے یا ان میں کریک آجائے گا۔

یاد رکھیے! دنیا کی ظاہری چمک دمک کی خاطر اپنے آپ کو مت گرایئے۔ بلکہ زندگی کے اصلی جوہر کو ابھاریے۔

تمام تر توجہ صرف کپ پر مرکوز کرنے سے ہم اس میں موجود کافی یعنی زندگی سے لطف اندوز ہونے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا کپوں کو اپنے ذہن کا بوجھ نہ بنائیں.... اس کی بجائے کافی سے لطف اندوز ہوں۔"

6

پروفیسر صاحب نے کلاس کا آغاز کرتے ہوئے اپنی جیب سے ایک پنسل نکالی اور تمام طلبا کو دکھاتے ہوئے کہا:

" آج کا سبق آپ اس پنسل سے سیکھیں گے.... پنسل میں پانچ باتیں ایسی ہیں جو ہم سب کے لیے جاننی ضروری ہیں!....

"وہ کیا سر...." سب نے تجسس سے پوچھا

"پہلی بات: یہ پنسل عمدہ اور عظیم کام کرنے کے قابل اس صورت میں ہو سکتی ہے، جب وہ خود کو کسی کے ہاتھ میں تھامے رکھنے کی اجازت دے۔

دوسری بات: ایک بہترین پنسل بننے کے لیے وہ بار بار تراشے جانے کے تکلیف دہ عمل سے گزرتی ہے۔

تیسری بات: وہ ان غلطیوں کو درست کرنے کی اہل رکھتی ہے، جو اس سے سرزد ہو سکتی ہیں۔

چوتھی بات: یہ پنسل کا سب سے اہم حصہ ہمیشہ وہ ہوگا جو اس کے اندر یعنی اس کے باطن میں ہوتا ہے اور

پانچویں بات: پنسل کو جس سطح پر بھی استعمال کیا جائے، وہ لازمی اس پر اپنا نشان چھوڑ جاتی۔ چاہے حالات کیسے ہی ہوں۔"

"اب اس پنسل کی جگہ آپ اپنے کو لے لیں۔

آپ بھی عمدہ اور عظیم کام کرنے کے لیے قابل اسی صورت میں ہو سکتے ہیں، جب آپ خود کو اپنے استاد یا راہنما کے ہاتھوں میں تھامے رکھنے کی اجازت دیں۔

دوسری بات: آپ کو بار بار تراشے جانے کے تکلیف دہ عمل سے گزرنا پڑے گا۔ یہ مراحل دنیا میں زندگی کے مختلف مسائل کی صورت میں آپ کے سامنے آئیں گے، ایک مضبوط فرد بننے کے لیے آپ کو ان مسائل کا اچھے طریقے سے سامنا کرنا ہوگا۔

تیسری بات: یہ کہ اپنے آپ کو ان غلطیوں کو درست کرنے کے قابل بنائیں جو آپ سے سرزد ہو سکتی ہیں۔

چوتھی بات: ہمارا سب سے قیمتی اثاثہ ہمارے اندر ہے، ہمارا باطن ہے، ہمیں اسے کثافتوں اور آلائشوں سے بچانا ہے۔

پانچویں بات: آپ جس سطح پر سے بھی گزر کر جائیں، آپ اپنے نشان ضرور چھوڑ جائیں۔ چاہے حالات

کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔

اس یقین کے ساتھ زندگی بسر کریں کہ اس دنیا کو آپ کی ضرورت ہے، کیونکہ کوئی شے بھی فضول اور بے مقصد نہیں ہوتی۔

❖7❖

پروفیسر صاحب نے کلاس میں داخل ہوتے ہوئے اپنے طالب علموں پر نظر ڈالی اور کہا

"آج میں تمہیں زندگی کا نہایت اہم سبق سکھانے جارہا ہوں...."

وہ اپنے ہمراہ کانچ کی ایک بڑی برنی یعنی جار JAR لائے تھے، انہوں نے اس جار کو ٹیبل پر رکھا اور اپنے بیگ سے ٹیبل ٹینس کی گیندیں نکال کر اس برنی میں ڈالنے لگے.... اور تب تک ڈالتے رہے جب تک اس برنی میں ایک بھی گیند کی جگہ باقی نہ رہی....

پروفیسر صاحب نے طالب علموں سے پوچھا "کیا برنی پوری بھر گئی ہے....؟" "جی ہاں...." طالب علموں نے ایک ساتھ جواب دیا.....

پھر پروفیسر صاحب نے بیگ سے چھوٹے چھوٹے کنکر نکال کر اس برنی میں بھرنے شروع کردیے، وہ دھیرے دھیرے برنی کو ہلاتے بھی جارہے تھے۔ کافی سارے کنکر برنی میں جہاں جگہ خالی تھی سماگئے....

پروفیسر صاحب نے پھر سوال کیا: "کیا اب برنی بھر گئی ہے....؟"

طالب علموں نے ایک بار پھر "ہاں" کہا....

اب پروفیسر صاحب نے بیگ سے ایک تھیلی نکالی اور اس میں سے ریت نکال کر دھیرے دھیرے اس برنی میں ڈالنی شروع کردی، وہ ریت بھی اس برنی میں جہاں تک ممکن تھا بیٹھ گئی....

یہ دیکھ کر طلباء اپنی نادانی پر ہنسنے لگے....

پروفیسر صاحب نے ایک بار پھر سوال کیا

"کیا اب یہ برنی پوری بھر گئی ہے ناں....؟"

"جی!.... اب تو پوری بھر گئی ہے سر...." سب ہی نے ایک آواز میں کہا....

پروفیسر نے بیگ کے اندر سے جوس کے دو ڈبے نکال کر جوس اس برنی میں ڈالا، جوس بھی ریت کے بیچ تھوڑی سی جگہ میں جذب ہوگیا.... اب پروفیسر صاحب نے نہایت ہی گمبھیر آواز میں سمجھانا شروع کیا....

"اس کانچ کی برنی کو تم لوگ اپنی زندگی سمجھو، ٹیبل ٹینس کی گیندیں تمہاری زندگی کے سب سے اہم کام ہیں..... مثلاً طرزِ معاشرت، حصولِ معاش، تعلیم وتربیت، خاندان، بیوی بچے، نوکری، صحت وتحفظ وغیرہ.... چھوٹے کنکر تمہاری عام ضروریات اور خواہشات ہیں۔ گاڑی، بنگلہ، نوکر چاکر، موبائل، کمپیوٹر اور دیگر اسرافِ زندگی وغیرہ.... اور ریت کا مطلب ہے چھوٹی چھوٹی بے کار اور فضول باتیں، جھگڑے، آوارہ گردی، ہوائی قلعہ بنانا، ٹائم پاس کرنا، وقت کا ضیاع وغیرہ....

اگر تم نے کانچ کی برنی میں سب سے پہلے ریت بھری ہوتی تو ٹیبل ٹینس کی گیند اور کنکر کے لیے جگہ ہی نہیں بچتی یا صرف کنکر بھر دیے ہوتے تو گیند نہیں بھر پاتے، ریت ضرور آسکتی تھی....

ٹھیک یہی طریقہ کار زندگی پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ اگر تم فضول اور لایعنی چیزوں کے پیچھے پڑے رہو گے اور اپنی زندگی اسی کے چکر میں ختم کردو گے تو تمہارے پاس اہم باتوں کے لیے وقت نہیں رہے گا....

ایک کامیاب اور پرسکون زندگی گزارنے کے لیے یہ اہم سبق ہے۔ اب یہ تم خود طے کرلو کہ تمہیں اپنی کانچ کی برنی کس طرح بھرنی ہے"....

طالب علم بڑے غور سے پروفیسر صاحب کی باتیں سن رہے تھے، اچانک ایک طالبعلم نے پوچھا "سر! لیکن آپ نے یہ نہیں بتایا کہ جوس کے دو ڈبے کیا ہیں؟" ....

پروفیسر مسکرائے اور بولے "میں سوچ ہی رہا تھا کہ ابھی تک کسی نے یہ سوال کیوں نہیں کیا.... اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں ہم کتنے ہی مصروف کیوں نہ ہوں اور کس قدر ہی کامیابیاں کیوں نہ سمیٹ رہے ہوں لیکن اپنے گھر والوں، دوستوں کے ساتھ تعلق کی مٹھاس کی گنجائش ہمیشہ رکھنی چاہیے" ....

❖8❖

آج لیکچر کا آخری دن تھا، کلاس روم کے طلبہ میں چہ گوئیاں جاری تھیں، اتنے میں پروفیسر صاحب کلاس روم میں داخل ہوئے، کلاس روم کی بھنبھناہٹ آہستہ آہستہ گہری خاموشی میں بدلنے لگی۔ دیکھا کہ پروفیسر کے پیچھے ایک غبارے والا ڈھیر سارے سرخ رنگ کے غبارے لے کر کلاس روم میں داخل ہو رہا ہے....

پروفیسر کے اشارے پر غبارے والے نے ایک ایک کرکے سارے غبارے طلباء میں تقسیم کر دیئے....

"سر آج ویلنٹائن ڈے نہیں ہے...." ایک طالب علم نے جملہ کسا۔ "سر! کیا آپ کی سالگرہ ہے؟" ایک اور طالب علم بولا۔

پروفیسر نے مسکراتے ہوئے کہا:

"آپ میں سے ہر ایک کو مارکر کا استعمال کرتے ہوئے ان غباروں پر اپنا نام لکھنا ہے"۔ سب نے پروفیسر کی کہنے پر نام لکھ دیئے۔ اس کے بعد تمام غبارے جمع کرکے دوسرے کمرے میں ڈال دیے گئے۔ آپ پروفیسر نے تمام طالب علموں سے کہا کہ "اب سب غباروں والے کمرے میں جائیں اور اپنے اپنے نام والا غبارہ تلاش کریں، دھیان رہے کہ کوئی غبارہ نہ پھٹے اور آپ سب کے پاس پانچ منٹ ہیں۔"

ہر کوئی بدحواسی کے عالم میں ایک دوسرے کے ساتھ ٹکراتے ہوئے، دوسروں کو دھکیلتے ہوئے اپنے نام کا غبارہ تلاش کرنے لگا۔ ایک افراتفری کا سماں تھا۔ سارے غبارے ایک ہی رنگ کے تھے، پانچ منٹ تک کوئی بھی اپنے نام والا غبارہ تلاش نہ کرسکا.... یہ دیکھ کر پروفیسر انصاری نے کہا کہ

اب آپ کے پاس پانچ منٹ ہیں کوئی بھی غبارہ پکڑ لیں اور اس کے نام والے شخص کو دے دیں، دو تین منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ تمام افراد کے پاس اپنے اپنے نام والے غبارے تھے۔

پروفیسر انصاری کلاس سے مخاطب ہوتے ہوئے بولے:

"بالکل اسی طرح ہماری زندگی ہے، ہر کوئی بدحواسی کے عالم میں اپنے اردگرد خوشیاں تلاش کر رہا ہے یہ نہ جانتے ہوئے کہ وہ کہاں ہیں۔

نوجوانوں.... یاد رکھو... ہماری خوشی دوسروں کی خوشی میں پنہاں ہے، ان کو ان کی خوشی دے دیں تو آپ کو آپ کی خوشی مل جائے گی۔"

نوجوان کا دماغ

نوجوانی وہ وقت ہوتا ہے جب بچے جسمانی، نفسیاتی، معاشرتی اور ذہنی طور پر پختہ ہونے لگتے ہیں۔ ان تبدیلیوں کے لئے ایک ہی وقت مخصوص نہیں ہوتا بلکہ یہ انفرادی انداز میں واقع ہوتی ہیں۔ ایک خاص عمر پر پہنچنے کے بعد انسانی دماغ سے خاص قسم کے کیمیکلز خارج ہونا شروع ہو جاتے ہیں جنہیں ہارمونز کہا جاتا ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں میں یہ ہارمونز جسم پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ لڑکیوں میں ایسٹروجین Estrogen بننے لگتا ہے اور لڑکوں میں ٹیسٹوسٹیرون Testosterone پیدا ہونے لگتے ہیں۔ جس کی وجہ سے جسم کے خدوخال نمایاں ہوتے ہیں۔

مردوں میں جو ہارمونز صنفِ مخالف کی کشش کا باعث بنتا ہے اسے انڈروجن androgen کہتے ہیں، جبکہ عورتوں میں پروجیسٹرون progesterone نامی ہارمونز یہ کردار ادا کرتے ہیں۔ جیسے ہی اس ہارمون کے لیول خون میں بڑھتے ہیں جنس مخالف کی کشش میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

دورانِ بلوغت انسانی دماغ تکمیل کے مراحل میں ہوتا ہے۔ اس دوران ماحول کے اثرات بھی نوجوان کے ذہن پر طرح طرح کے اثرات ڈالتے ہیں۔ نتیجہ میں نوجوانوں کا رویہ بڑوں سے بہت مختلف ہوتا ہے۔

عمر کے اس خاص حصے میں رویے میں تبدیلی ایک فطری عمل ہے جس کی سب سے بڑی وجہ جسم میں ہارمونز کی افزائش کا ایک دم بڑھ جانا ہے۔ جس سے بچہ اپنے اندر بے انتہا توانائی محسوس کرتا ہے اور وہ دنیا کو مختلف زاویے سے دیکھنے لگتا ہے۔ اس میں تجسس بڑھ جاتا ہے۔ وہ ماں باپ اور بہن بھائیوں کے اثر سے باہر نکل کر دوستوں کے ساتھ زیادہ وقت گزارنا چاہتا ہے۔ ان جسمانی اور نفسیاتی تبدیلیوں کا ایک نمایاں اثر یہ ہوتا ہے کہ عمر کے اس حصے میں اکثر بچوں میں جلد غصے میں آجانے اور بحث میں الجھنے کا رجحان بڑھ جاتا ہے۔

برمیس

نوجوانی کا یہ دور ایک پر آشوب دور ہوتا ہے۔ اس عرصے میں نوجوانوں میں چند خطرناک رجحانات پرورش پاتے ہیں۔ مثلاً غفلت بھری ڈرائیونگ، نشہ کی لت، نیز جنس مخالف کی طرف حد سے زیادہ بڑھا ہوا رجحان۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دماغ میں تبدیلی آتی ہے۔ ایم آر آئی ٹیسٹ کے مطابق دوران بلوغت تبدیلی کا یہ عمل زیادہ تیز ہوتا ہے۔ یہاں پرجوش رویہ اور بغیر سوچے سمجھے خطرات میں کود

Children
Ages 8 to 13

Adolescents
14 to 17

Adults
18 to 30

بڑی عمر کے افراد کا دماغ ایک کام کو دماغ کے مختلف حصوں کے حوالے کر دیتا ہے۔

پڑنے کا میلان اس کی خاص علامات ہیں۔

نوجوان اور بڑی عمر کے افراد کے دماغ کے مابین فرق کو سمجھنے کے لئے کئی تحقیق ہوئی ہیں کہ ایک ہی طرح کی صورت حال میں نوجوان اور بڑی عمر کے دماغ کس طرح کام کرتے ہیں؟

نیورو کوگنیٹیو Neurocognitive لیبارٹری، پٹس برگ یونیورسٹی کی ڈائریکٹر بیاٹرز لونا Beatriz Luna کی تحقیق کے مطابق انسانی دماغ میں ایک حصہ پری فرنٹل کارٹیکس ہے جو منصوبہ بندی اور فیصلہ سازی کے امور کام انجام دیتا ہے۔ یہ حصہ بڑوں اور نوجوان میں مختلف طرح سے کام کرتا ہے۔ ناگوار حالات میں نوجوانوں کا یہ مذکورہ بالا حصہ بالغان کے مقابلے میں زیادہ سرگرمی سے کام انجام دیتا ہے۔ نوجوان اپنے دماغ کے بیشتر حصوں کو کام میں ہی نہیں لاتے ہیں۔ بالخصوص سخت حالات میں اپنا مناسب ری ایکشن بڑوں کی طرح ظاہر نہیں کر پاتے جس طرح ظاہر کرنا چاہیے۔ اگر کوئی نو عمر بڑی بڑی باتیں کرتا ہے تو اسکا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ بالغوں جیسا دماغ رکھتا ہے۔ مشکلات پیش آنے پر اسکا بچپن ظاہر ہونے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں۔ پری فرنٹل کارٹیکس کا دباؤ آنے پر زیادہ سرگرم ہونا اس وقت زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے جب مشکل بھی بڑی ہو۔ اب یہ حد سے زیادہ سرگرمی خود ایک مسئلہ بن جاتی ہے۔

کیلیفورنیا یونیورسٹی، سان ڈیاگو کی ماہر نفسیات سوسان ایف ٹیپریٹ Susan F. Tapret کے مطابق ایم آر آئی ٹیسٹ سے یہ بات بھی سامنے آئی

ہے کہ نوجوان پری فرنٹل کارٹیکس کو گویا اس طرح استعمال کرتے ہیں جیسے بھوکا کھانے پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ مشکل حالات میں اگر ایک اور مشکل کا اضافہ ہو جائے تو نوجوان نروس بریک ڈاؤن کے قریب پہنچ جاتے ہیں یا پھر انتہائی قدم اٹھا لیتے ہیں مثلاً اپنی جان لینا یا دوسرے کی جان لینا وغیرہ۔ اس کے برعکس بڑے ان حالات میں اس قسم کی کیفیت سے کم دوچار ہوتے ہیں۔

روز مرہ زندگی میں نوجوانوں کے ہاں پری فرنٹل کارٹیکس کا بے تحاشہ استعمال اس عضو کو ماند کر دیتا ہے جس کا لازمی نتیجہ کمزور فیصلہ سازی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ نوجوانوں کو غلط کام پر اُکسانا زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔ ماہرین کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ بیس سال کی عمر تک آتے آتے اکثر نوجوانوں کی فیصلہ سازی کی صلاحیت بہتر ہو جاتی ہے۔ تاہم یادداشت کو پختہ ہونے میں بیس سال سے زیادہ کا عرصہ لگتا ہے۔ ایک کام کو مختلف طریقوں سے انجام دینے کی صلاحیت نوجوانوں میں کم ہوتی ہے البتہ بڑے اس صلاحیت کے زیادہ حامل ہوتے ہیں۔ بڑی عمر کے افراد کا دماغ ایک کام کو دماغ کے مختلف حصوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ جس سے دماغی انرجی کم خرچ ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں نوجوانوں کا دماغ ایسا نہیں کر پاتا۔ بیس سال سے کم عمر افراد کو اگر زیادہ کام سونپ دیا جائے عین ممکن ہے کہ اکثر نوجوان اس کام کو ٹھیک طرح ہینڈل نہیں کر پائیں۔

انسانی دماغ میں ایک اور حصہ ڈورسولیٹرل پری فرنٹل کارٹیکس dorsolateral prefrontal

cortex ہے۔ جس کا کام اچانک ابھرنے والے جذبات کو کنٹرول کرنا ہے۔ ٹیسٹ سے ثابت ہوا ہے کہ دماغ میں موجود نیورون کے مابین غیر ضروری کنکشن ہوتا ہے۔ تاہم دورانِ بلوغت اس غیر ضروری کنکشن کو قدرتی طور پر مٹا دیا جاتا ہے۔ جس طرح پودوں کی بہتر نشوونما کے لیے ان کے پتوں ٹہنیوں کو چھانٹا جاتا ہے۔

چھ سال کی عمر کے بعد دماغ کی جسامت نہیں بڑھتی تاہم کھوپڑی کی تہہ موٹی ہو جاتی ہے۔ دماغ نوے فیصد تک بالغان کی طرح ہو جاتا ہے۔ دماغ کی مجموعی جسامت بلوغت کے عرصے میں یکساں رہتی ہے۔ جس طرح برقی آلات کو ایک تار سے منسلک کر دیا جاتا ہے اسی طرح قدرتی طور پر دماغ کے مختلف حصوں میں قدرتی وائرنگ کا عمل تخلیق پاتا ہے۔ یوں مختلف حصے آپس میں منسلک ہو جاتے ہیں اور مل جل کر کام کرتے ہیں۔

یہ تمام پروسس بلوغت کے عرصے میں انجام پاتا ہے۔ اور بیس سال کی عمر تک یہ عمل مکمل ہو جاتا ہے۔

شیطانی خیالات یا فطری تقاضے....؟

دور بلوغت میں قدم رکھنے والے لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے بطور خاص

عامر غنی

نوجوانی کا دور زندگی کا سب سے حسین اور توانائی اور جذبوں سے بھرپور دور ہوتا ہے لیکن یہی دور زندگی کا انتہائی نازک دور بھی ہے۔

دور بلوغت کے آغاز میں لڑکوں اور لڑکیوں کو جسمانی اور جذباتی طور پر کئی تبدیلیوں کا سامنا ہوتا ہے۔ تبدیلیوں کے اس دور میں لڑکوں اور لڑکیوں کو مناسب رہنمائی اور درست ہدایات کی ضرورت ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ دور بلوغت میں قدم رکھنے والی لڑکیوں کی تو ان کی والدہ یا بڑی بہنیں چند ضروری باتیں بتا دیتی ہیں لیکن لڑکوں کو ان کے والد یا بڑے بھائیوں کی طرف سے مناسب رہنمائی فراہم کرنا ہمارے معاشرے میں عام نہیں ہے۔

جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے والے لڑکوں کے لیے ہمارے معاشرے میں ایسی رہنمائی بالعموم لڑکوں کے دوست یا اسکول یا محلے کے سینئر ساتھیوں کی طرف سے ملتی ہے۔

جوانی کے دور میں لڑکوں کو والدین اور اساتذہ کی رہنمائی کتنی ضروری ہے اس حوالے سے آیئے ایک واقعہ پڑھتے ہیں۔

وہ اس دن بہت الجھا الجھا سا نظر آرہا تھا گو کہ وہ ایک لائق طالب علم تھا مگر اس وقت میتھ میٹکس کا ایک آسان سا سوال سمجھنے میں اسے بہت دشواری ہو رہی تھی۔ اس کی عمر سولہ سال کے لگ بھگ تھی اور وہ میرے گھر کے پچھواڑے پیپل کے درخت کے ساتھ والے مکان میں رہتا تھا۔ کبھی کبھار کوئی سوال سمجھ نہ آتا تو میرے پاس چلا آتا۔ اس روز جب بار بار سمجھانے کے باوجود وہ مجھے کنفیوژ ہی نظر آیا تو میرا ذہن الجھنے لگا اور کچھ غصہ بھی آنے لگا۔ اب میں نے غور کیا کہ اس کے ساتھ کوئی پرابلم ہے۔ میرے پوچھنے پر کہنے لگا

"لگتا ہے کہ مجھے کوئی خطرناک بیماری ہو گئی ہے....!" میں نے تفصیل معلوم کی تو اس نے بتایا کہ اسے رات سوتے میں شدید ہیجان انگیز خواب آئے اور پھر ایک خاص کیفیت کا سامنا کرنا پڑا۔ جذبات کی شدت اور ان کے اثرات سے اس کی آنکھ کھل گئی۔

اسے ایک ہفتے میں دو تین بار بدخوابی ہوئی تھی جس کی وجہ سے سخت پریشان تھا۔ دیگر معلومات کرنے پر انکشاف ہوا کہ اس کے بڑوں نے اس حوالے سے کوئی معلومات فراہم نہیں کی تھیں۔ ساری صورتحال سمجھ لینے کے بعد میں نے اسے بتایا کہ یہ کوئی بیماری نہیں ہے بلکہ دور بلوغت میں رونما ہونے والا ایک عام طبعی عمل ہے۔ اس میں پریشانی، گھبراہٹ یا فکرمندی کی کوئی بات نہیں ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ.... اس نے کچھ جھجکتے اور شرماتے ہوئے کہا کہ اس بات کا ذکر میں نے محلے

کے ایک لڑکے سے کیا تو اس نے مجھے بہت ڈرایا اور بتایا کہ جلدی جلدی ایسا ہوا تو تم بہت کمزور ہوجاؤ گے۔ تمہارے جسم میں درد رہنے لگے گا اور تمہارے گال پچک جائیں گے۔

مجھے اپنے شاگرد کی لاعلمی پر بہت ترس آیا۔ میں نے اسے تسلی دی اور اسے بتایا کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔

لیکن.... انتہائی قیمتی اجزاء کے جسم سے اس طرح ضائع ہوتے رہنے سے کمزوری تو ہوگی.... اس پر شدید پریشانی غالب تھی۔

میں سمجھ گیا کہ محلے کی کسی لڑکے کی فراہم کردہ غلط معلومات سے میرا شاگرد بہت زیادہ (Convinced) ہوچکا ہے اور اس وجہ سے پریشان اور فکر مند ہے۔

میں نے اسے بتایا کہ دیکھو بیٹا.... جب لڑکے بچپن سے نکل کر نوجوانی کے دور میں قدم رکھتے ہیں تو ان کے جسم میں کئی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ جسم میں کئی قسم کے ہارمونز کی پیداوار بڑھ جاتی ہے۔ ان ہارمونز کی وجہ سے لڑکوں کو صنف مخالف میں کشش محسوس ہونا شروع ہوتی ہے اور ان میں کئی قسم کے تقاضے سر اٹھاتے ہیں۔ ان تقاضوں کے بارے میں لڑکوں کو صحیح رہنمائی مل جائے تو وہ بہت آسانی سے ان تقاضوں پر قابو پالیتے ہیں۔ ایسا نہ ہو تو لڑکے کچھ خرابیوں میں بھی مبتلا ہوسکتے ہیں۔ موجودہ دور میں ہیجان بڑھانے والے ٹیلی ویژن پروگرام، ہیجان انگیز فلمیں، موبائل فون اور انٹرنیٹ پر مخرب الاخلاق مواد اور دوسری کئی باتوں کی وجہ سے نوجوانوں میں صحت متاثر ہونے کے امکانات بہت زیادہ ہوگئے ہیں۔

❖❖❖

جب بچہ یا بچی لڑکپن سے عالم شباب میں داخل ہوتے ہیں تو ان کی جسمانی ساخت اور اعضاء میں تبدیلی کا عمل شروع ہوجاتا ہے۔ جسم میں کئی قسم کے ہارمونز اپنا کام کرنا شروع کردیتے ہیں۔ جسمانی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ نئے جذبات اور احساسات بھی بیدار ہوتے ہیں۔ یہ تمام جسمانی اور احساساتی تبدیلیاں اس عمر کا تقاضا اور آمد شباب کی نشانی ہیں۔

بلوغت کے دور میں داخل ہونے والے لاکھوں کروڑوں لڑکے مناسب رہنمائی نہ ملنے کی وجہ سے شاید اسی طرح پریشان اور فکر مند ہوتے ہیں۔ جوان ہوتے ہوئے لڑکوں کو نئے پیدا ہونے والے جسمانی تقاضوں اور ذہنی و نفسانی کیفیات سے پیشگی آگاہ کردینا چاہیے۔ اب اگر لڑکوں کو بروقت درست رہنمائی اور صنفی معاملات و تولیدی صحت کے بارے میں مناسب تعلیم نہ دی جائے تو انہیں کئی طرح کے مسائل کا سامنا ہوسکتا ہے۔

بلوغت کے دور میں داخل ہونے والے بچوں میں جنسی تقاضہ ابھرنے لگتا ہے۔ ان کے تولیدی اعضاء میں

تبدیلیاں آتی ہیں خاص طور پر صبح سو کر اٹھنے پر یا رات سوتے ہوئے یہ تقاضہ زیادہ شدت سے ابھرتا ہے۔

دورِ جوانی کے آغاز میں بعض لڑکوں میں خود اپنی صنف سے رغبت بڑھتی ہے یہ کیفیت کچھ عرصہ رہ کر طبعی اور فکری راہ پر آجاتی ہے تاہم کچھ لڑکوں میں یہ کیفیت شدت اختیار کر سکتی ہے۔ اس دوران برے لڑکوں کی صحبت ملنے کی وجہ سے بعض غلط کام بھی رونما ہوسکتے ہیں۔

والدین کو اپنے نوجوان ہوتے بیٹے کے دوستوں جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔ والدین کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ لڑکے کا اٹھنا بیٹھنا اپنی عمر سے زیادہ بڑے لڑکوں یا تجربہ رکھنے والے مردوں کے ساتھ نہ ہو۔ جن گھروں میں مرد ملازم ہوں مثلاً خانساماں، ڈرائیور یا مالی وغیرہ ان سے نوجوان ہوتے بچوں کے دوستانہ تعلقات والدین کی نظروں میں رہنے چاہئیں۔ اس عمر کے لڑکوں کو کسی غیر مرد کے ساتھ تنہا نہ چھوڑیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ مرد لڑکے کے ساتھ جذباتی باتیں کرکے اسے جنسی ہیجان میں مبتلا کردے۔

وہ کتنی خوبصورت لڑکی ہے....؟

والدین کو یہ بات ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ لڑکے بھی "زیادتی" کا نشانہ بن سکتے ہیں۔ ایسی زیادتی کا نشانہ بننے والے کئی لڑکے شدید خوف وہراس میں مبتلا ہوجاتے ہیں جبکہ بعض لڑکے اس عمل میں دلچسپی لینے لگتے ہیں۔

صدمے کے اثرات ہوں یا اس میں دلچسپی محسوس ہونے لگے دونوں ہی نقصان دہ ہیں۔

کئی نوعمر لڑکے نوجوانی میں ابھرنے والے تقاضوں اور صنف مخالف میں کشش کو شیطانی وسوسے یا شیطانی خیالات قرار دیتے ہیں۔ ایسے نوجوان ان فطری خیالات کو گناہ سمجھتے ہیں۔ نوجوانی میں ان خیالات کی شدت ہو تو ایسے نوجوان شدید احساس گناہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ ان خیالات کی شدت پر وہ شرمندگی محسوس کرتے ہیں۔ مناسب رہنمائی نہ ملنے پر ایسے نوجوان بقائے نسل کا ذریعہ بننے والے ایک فطری عمل کو کوئی بہت برا کام سمجھنے لگتے ہیں۔ اس بارے میں سوچنا بھی پارسائی کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ایسے بعض لڑکے شادی کے بعد صنفی تعلقات کے قیام میں بھی دشواری محسوس کرتے ہیں۔ وہ قدرت کے بنائے ہوئے نظام پر عمل کرنا اور ان سے لذت حاصل کرنا بھی گناہ سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ یہ بلاوجہ کا احساس گناہ میاں بیوی کے فطری تعلقات میں کئی رکاوٹوں کا سبب بن جاتا ہے۔ اس احساس گناہ کئی نفسیاتی اور معاشرتی مسائل جنم لے سکتے ہیں۔ اس سوچ کو بھی مناسب رہنمائی کے ذریعے درست کرنے کی ضرورت ہے۔

نہیں نہیں! یہ تو شیطانی خیال ہے...!

کوئی نوعمر لڑکا تقاضہ کی شدت اور ہیجان کی زیادتی کا ذکر اپنے دوستوں سے کرتا ہے تو بعض دوست اسے ''لذت اندوزی'' کا مشورہ دیتے ہیں اور

اس لذت کے حصول کے مختلف طریقے بھی بتاتے ہیں۔ اکثر نوعمر لڑکے ان طریقوں پر عمل کر کے لذت اندوزی کا سامان کرتے ہیں بعض لڑکے مختصر مدت کے لیے اور بعض لڑکے کئی کئی سال یہ عمل جاری رکھتے ہیں۔ ایسے اکثر لڑکے بعد میں اپنی جسمانی کمزوری کا سبب اپنی ان حرکتوں کو قصوروار قرار دیتے ہیں۔

والد، بڑے بھائی یا خاندان کے دوسرے بڑے حضرات اگر نوعمر لڑکوں کو اس دور کے نئے تقاضوں اور ان پر رد عمل کے بارے میں مناسب تعلیم دے دیں تو نوعمر لڑکے کئی غلط کاموں سے اور جسمانی و نفسیاتی کئی مسائل سے بچ سکتے ہیں۔

اخلاقی معاملات:

برصغیر کے تقریباً ہر خطے میں عورت کو مردوں کی جانب سے عدم احترام کی شکایت ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ پاکستان میں بھی عورت کو امتیازی سلوک کا سامنا ہے۔ اکیلی عورت کا ڈرائیو کرنا، پبلک ٹرانسپورٹ میں سفر، بس اسٹاپ یا کسی مقام پر بس یا کسی اور ٹرانسپورٹ کے انتظار میں کھڑا ہونا، پیدل اکیلے جانا بعض اوقات انتہائی دشوار ہو جاتی ہے۔ اکیلی لڑکی کو دیکھ کر بعض لڑکے اس کے ارد گرد منڈلانے لگتے ہیں۔ کوئی سیٹی بجاتا ہے، کوئی کچھ اور آواز لگاتا ہے، کوئی نازیبا اشارے کرتا ہے، کوئی اپنی موٹر سائیکل یا کار میں لفٹ کی پیشکش کر دیتا ہے، کوئی ان میں سے کوئی کام تو نہیں کرتا مگر اپنی چبھتی ہوئی نظروں سے دور تک اس کا تعاقب کرتا ہے۔

لڑکوں کو عورت کا احترام سکھانا والدین کی ذمہ داری ہے۔ ماں اور بہنوں کو اس حوالے سے خاص طور پر اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ انہیں اپنے نوجوان بیٹوں اور بھائیوں کو بتانا چاہیے کہ راہ چلتی کسی لڑکی یا عورت کی طرف میلی نظر نہ ڈالیں اور کوئی ایسی حرکت نہ کریں جو عورت کے لیے ذہنی اذیت، خوف اور پریشانی کا سبب بنتی ہو۔

راستوں پر، بس اسٹاپ پر، پبلک ٹرانسپورٹ میں اور دیگر مقامات پر لڑکیوں اور عورتوں کو بعض لڑکوں اور مردوں کی جانب سے جن اذیت ناک باتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان کی ذمہ داری بہت حد تک ان لڑکوں کے والدین کی بھی بنتی ہے۔ اگر اولاد خصوصاً ماں اپنے لڑکوں کو اپنے گھر کے علاوہ دوسری عورتوں کا احترام بھی سکھائے تو ایسی صورت حال پیش ہی نہیں آئے گی۔ عورتوں کو دیکھ کر آوازیں کسنا، نازیبا حرکتیں کرنا ان عورتوں کے لیے تکلیف کا باعث تو ہے ہی لیکن ساتھ ہی یہ اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ ایسا کرنے والے لڑکوں، مردوں کا اخلاقی معیار انتہائی پست ہے اور اخلاقی تربیت کی سب سے زیادہ ذمہ داریاں ماں اور باپ پر عائد ہوتی ہے۔

❀

ملے گا منزلِ مقصود کا اُسی کو سُراغ
وہی زمانے کی گردش پر غالب آتا ہے!

سمیرا بیگ

ہمارے ایک دوست بہت اچھے تیراک ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ نوجوانی کے دنوں میں انہیں سوئمنگ سیکھنے کا بہت شوق تھا۔ انہوں نے ایک سوئمنگ پول میں ممبر شپ لے لی۔ وہاں کے ایک تیراک نے بتایا کہ Life buay (حفاظتی ٹیوب) پہن کر پانی میں اتر جاؤ۔ لوہے کی ریلنگ مضبوطی سے تھام لو اور پاؤں پانی پر مارتے رہو۔ جب پیروں سے پانی دھکیلنے کی مشق ہو جائے تو پھر ہاتھوں سے یہی مشق کرو۔

وہ لائف بوائے پہن کر پانی میں چلے گئے اور یہی مشق کرتے رہے۔ ایک دن گزرا پھر دوسرا دن۔ یہاں تک کہ پورے پندرہ دن گزر گئے لیکن میں سوئمنگ کی الف ب تک نہ سیکھ سکا۔

جب بھی تیرنے کے لئے ہاتھ چھوڑتے ڈوبنے کا خوف آگھیرتا لہٰذا فوراً لوہے کی ریلنگ پکڑ لیتے۔ ایک روز میں نے سوئمنگ انسٹرکٹر کو اپنی مشکل بتائی تو انہوں نے کہا۔

"تم تیراکی اس وقت تک نہیں سیکھ سکتے جب تک ڈبکیاں نہ کھاؤ"۔ یہ کہہ کر انسٹرکٹر نے ان کی حفاظتی ٹیوب اتار لی اور انہیں پوری قوت سے پانی میں دھکا دے دیا۔ وہ پول کے عین درمیان میں جا گرے جہاں سہارے کے لئے کوئی چیز موجود نہ تھی۔ بدحواسی میں الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔

ایک دو مرتبہ پانی ناک کے ذریعے جسم میں بھی چلا گیا۔ جب ڈوبنے کے آثار ہوئے تو انسٹرکٹر نے ایک تیراک کو اشارہ کیا اس نے سہارا دے کر اوپر اٹھایا اور پھر واپس چلا گیا۔ انسٹرکٹر کچھ روز تک یہی کرتے رہے اس طرح میں نے کچھ ہی روز میں سوئمنگ سیکھ لی۔

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

ہماری عملی زندگی بھی گہرے پانی کی طرح ہے اور ڈبکیاں وقتی ناکامیاں اور دشواریاں ہیں۔ زندگی کے بحرِ بے کنار میں تیراکی کے لئے ہمیں ڈبکیاں تو کھانی ہی پڑیں گی۔ اگر ہم ان ڈبکیوں سے گھبرا گئے تو کبھی بھی کامیاب تیراک نہیں
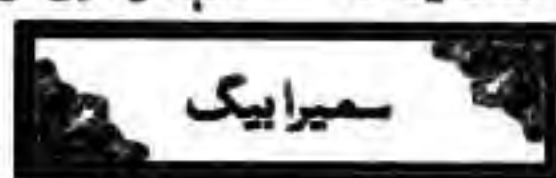
بن سکتے۔ مشکلات اور ناکامیاں ہماری زندگی میں انجکشن کی مانند حملہ آور ہوتی ہیں جن سے ہمیں تکلیف تو ضرور ہوتی ہے لیکن ہم کامیابی تک پہنچنے کا سلیقہ سیکھ لیتے ہیں۔

جب ہم اپنے آس پاس نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں یہ احساس ہوتا ہے کہ دنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی صورت محرومی، ناکامی، مشکلات اور مصائب سے گزرتا رہتا ہے۔ بعض دفعہ تو ایک چھوٹے سے حادثے سے کسی کی زندگی کا رُخ ہی بدل جاتا ہے۔ مثلاً کوئی حادثہ، امتحان میں ناکامی، کیریئر کی پریشانی، بے روزگاری، غربت وغیرہ وغیرہ۔ موجودہ دور میں پاکستانی نوجوان کئی ایسی پیچیدہ صورت حال کا سامنا کر رہا ہے۔ جس سے نکلنے کی کوئی راہ اسے سجھائی نہیں دے رہی ہے۔ وہ گھپ اندھیرے میں سوائے ٹاک ٹوئیاں مارنے کے، کسی تبدیلی کا حصہ بننے کے لیے تیار نہیں۔ مہیب اندھیرے.... ہر شے میں بناوٹ نے خیالات کو منتشر کر رکھا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاکستانی نوجوان یکسو نہیں ہیں۔ ان میں برداشت کی قوت ختم ہو چکی ہے۔ معاشرتی، معاشی، سیاسی اور اخلاقی بحران کسی مگرمچھ کی طرح منہ کھولے اس نسل کی راہ میں رکاوٹیں بن رہے ہیں۔ بہت سے لوگ تو اس محرومی کی وجہ سے خودکشی کی حد تک چلے جاتے ہیں۔ مگر نہ تو اس طرح ان کی محرومی ختم ہوتی ہے اور نہ ہی ایسے بندے کو اچھے لفظوں میں یاد کرتے ہیں۔ قابلِ تحسین کارنامہ تو یہ ہے کہ ان تمام محرومیوں سے نجات کے لئے انسان اعلیٰ اوصاف کو استعمال میں لائے۔ اگر اپنی محرومی کو مجبوری سمجھ لیا جائے تو ہماری باقی صلاحیتیں بھی دب کر رہ جائیں گی۔ غور کریں تو ہمارے سامنے ایسی بہت سی مثالیں آجائیں گی کہ بہت سے لوگوں نے اپنی محرومی کو مجبوری نہیں بننے دیا۔

فیس بک کے نام سے کون واقف نہیں، جو آج کی سب سے بڑی سوشل نیٹ ورکنگ سائٹ ہے۔

اس منفرد ویب سائٹ کے خالق 29 سالہ مارک ایلیٹ ذکربرگ ہیں انہوں نے یہ کارنامہ 2004 میں اس وقت انجام دیا تھا جب وہ ہارورڈ یونیورسٹی کے ذیلی ادارے ہارورڈ کالج میں زیرِ تعلیم تھے۔ بنیادی طور پر مارک ذکربرگ نے نفسیات کے شعبے میں داخلہ لیا تھا تاہم کمپیوٹر پروگرامنگ ان کا اولین شوق تھا۔ دورانِ تعلیم مارک ذکربرگ اور اس کے دوستوں کو خیال آیا کہ کالج کے طالب علموں کو اپنے ہم نصاب طالب علموں سے رابطہ اور دیگر سرگرمیوں کے لیے ڈیٹا بیس آفس کے چکر لگانے پڑتے ہیں چنانچہ ایک ایسی ویب سائٹ بنائی جائے جس میں تمام اسٹوڈینٹ کا ڈیٹا ہو اور وہ ایک دوسرے سے آن لائن منسلک رہیں، چنانچہ مارک ذکربرگ اور اس کے دوستوں نے مل کر "فیس میش" نامی ویب سائٹ کی ابتداء ایک کمرے سے کی، دیکھتے ہی دیکھتے دو ہفتوں میں کالج کے آدھے سے زیادہ طالب علم اس ویب سائٹ سے منسلک ہو گئے، اب مسئلہ ان لوگوں تک رسائی کا تھا جو اس کالج کو خیرباد کر چکے تھے اور اپنی زندگی میں مصروف تھے، اس مقصد کے لیے انہوں نے کالج کے ڈیٹا بیس میں گھس کر ان کی معلومات حاصل کیں، کالج انتظامیہ نے اس بات کا سخت نوٹس لیا اس حرکت پر مارک ذکربرگ کو کالج سے نکال دیا گیا اور اس کی ویب سائٹ پر بھی پابندی لگا دی گئی۔

کالج چھوٹنے کے بعد مارک ذکربرگ نے "فیس بک" کے ایک نئے نام سے اس ویب سائٹ کو دوبارہ بنایا اور اس بار اس نے صرف اپنے سابقہ کالج ہی نہیں بلکہ ہارورڈ یونیورسٹی سے منسلک تمام کالجوں کے طالب علموں سے رابطہ کیا، رفتہ رفتہ پورے اسٹیٹ اور پھر پورے امریکہ کی یونیورسٹی کے طالب علم اس سے منسلک ہوتے گئے، یہاں

تک کہ آسٹریلیا، برطانیہ اور دیگر یورپی ممالک کے طالب علم اس ویب سائٹ کا حصہ بنتے گئے۔

ابتدا میں اس ویب سائٹ کا استعمال صرف یونیورسٹی کے طالب علموں تک محدود تھا تاہم فیس بک کی مقبولیت اتنی بڑھی کہ ویب سائٹ کا نیٹ ورک ہر خاص و عام کے لیے کھول دیا گیا اور 2006ء کے آخر تک اس کا نیٹ ورک پوری دنیا تک پھیلا دیا گیا۔

آج فیس بک کے صارفین کی تعداد ایک ارب سے تجاوز کر گئی ہے، اس کے بانی مارک ذکر برگ کا شمار دنیا کے نوعمر ترین ارب پتیوں میں ہوتا ہے۔ مارک ذکر برگ کی مجموعی دولت تیرہ اعشاریہ پانچ ارب ڈالر ہے۔ یہی نہیں سال 2011ء میں اسی ہارورڈ کالج میں مارک ذکر برگ کو بحیثیت چیئرمین اور چیف ایگزیکٹو "فیس بک کارپوریشن" خطاب کرنے کے لئے مدعو کیا گیا تو ان کی سابق مادر علمی کے طالب علموں نے ان کا استقبال ایک سپر ہیرو کے طور پر کیا.....

ایسا ہی ایک نام ولیم ہنری گیٹس کا ہے۔

مائیکرو سافٹ کارپوریشن کے مالک اور دنیائے کمپیوٹر کے نابغہ روزگار شخص بل گیٹس کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں، بل گیٹس اور ان کے دوست پال ایلن ہارورڈ کالج ہی کے طالب علم تھے، یہ دونوں دوست اوائل عمری ہی سے کمپیوٹر پروگرامنگ اور سافٹ ویئر کی دنیا میں کھوئے رہتے تھے چنانچہ ہارورڈ کالج میں جانے کے بعد بھی بل گیٹس اور ان کے دوست کمپیوٹر پروگرامنگ میں مصروف رہے۔ ان دونوں نے اپنی تعلیم پر توجہ کم کر دی اور نتیجے کے طور پر بل گیٹس کو اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر ہارورڈ کالج کو خیر آباد کہنا پڑا۔ آج بھی ہارورڈ یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر بل گیٹس کے نام کے آگے "نامکمل گریجویشن طالب علم" کی سطر لکھی ہوئی ہے۔ ان دونوں دوستوں کی کوششوں سے 1975ء میں مائیکرو سافٹ کے نام سے شروع کیا جانے والا ادارہ بعد ازاں مائیکرو سافٹ کارپوریشن میں تبدیل ہو گیا یہ ادارہ کمپیوٹر سافٹ ویئر اور آپریٹنگ سسٹم کے حوالے سے گزشتہ چار دہائیوں سے اپنی دھاک جمائے ہوئے ہے۔

مشہور سائنسدان آئن اسٹائن کو ہائی اسکول میں کلاس سے استاد نے یہ کہہ کر نکال دیا تھا کہ تم کبھی نہیں پڑھ سکتے۔ آئن اسٹائن نے معمولی تعلیم کے ساتھ فوج میں کلرک کی ملازمت اختیار کر لی۔ ملازمت کے دوران ہی اس نے نظریہ اضافیت پیش کیا۔ اس کے نظریئے پر ماہرین چند سالوں تک غور و فکر ہی کرتے رہے آخر ہائی اسکول کے ناکام شخص کو پی ایچ ڈی کی اعزازی ڈگری دے دی گئی۔

نیوٹن کے بارے میں بھی یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ بھی تعلیمی دور میں اوسط درجہ کا طالب علم تھا لیکن ان دونوں افراد کی غیر معمولی تفکر کی صلاحیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

تعلیمی دور میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ نہ کرنا تخلیقی صلاحیتوں کی عدم موجودگی کا ثبوت ہرگز نہیں ہے۔ گزشتہ پچاس سال کے دوران غیر معمولی یادداشت کے حامل بچوں یا طالب علموں کے ایک درجن سے زائد واقعات موجود ہیں جن کو غیر معمولی آئی کیو کی بدولت قبل از وقت تعلیمی ڈگری یا اسناد دی گئیں۔ ان کا غیر معمولی آئی کیو اپنی جگہ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے بچے عملی زندگی میں نمایاں کیوں نظر نہیں آتے۔

اسی طرح ایڈیسن دنیا کا ایک عظیم سائنسدان گزرا ہے۔ جس نے تقریباً ڈھائی ہزار سے زیادہ ایجادات کیں۔ حقیقتاً وہ ایک کان سے بہرہ تھا۔ اس کے معاشی حالات اتنے خراب تھے کہ وہ اپنے گھر کے پچھلے حصے میں سبزیاں

بوتا اور اُسے بازار میں فروخت کرتا اور صبح ٹرینوں میں اخبار بیچتا تھا..... اس نے اپنی غریبی اور محرومی کو کبھی اپنے کام کے آڑے نہیں آنے دیا۔ اس نے تقریباً ڈھائی ہزار ایسی ایجادات دنیا کو دیں جو آج بھی ہماری زندگی کو باسہولت اور آسان بنائے ہوئے ہیں۔ اس نے اپنی پوری زندگی جدوجہد میں گزار دی۔ اس کے پاس ناکامیوں پر افسوس کرنے کا بھی وقت نہیں تھا۔ وہ کہتا تھا کہ انسان اپنی محنت سے ہر مقام حاصل کر سکتا ہے۔

اینڈریو جانسن پیشے کے لحاظ سے ایک درزی تھا وہ پڑھا لکھا بھی نہیں تھا۔ بچپن میں ہی اس کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اس نے ایک درزی کے یہاں کام شروع کر دیا۔ اس کی دکان پر محنت کشوں کا رش لگا رہتا تھا۔ وہ ہر جگہ محنت کشوں کے لئے اپنی آواز بلند کرتا تھا۔ جلد ہی وہ مزدور یونین کا لیڈر بن گیا، پھر میئر منتخب ہو گیا۔ پھر اسٹیٹ اسمبلی اور کانگریس کا ممبر بنا اور اپنی کوششوں سے اسٹیٹ گورنر اور سینیٹر بن گیا مگر ابھی اس کی منزل اور آگے تھی آخر کار وہ اپنی کوششوں سے امریکہ کا نائب صدر اور اس کے بعد امریکہ کے صدر کے منصب تک جا پہنچا۔

1826ء میں فرانس کے ایک نابینا بچے لوئیس بریل نے نابینا بچوں کے اسکول میں داخلہ لیا۔ اسے اسکول میں تعلیم حاصل کرنے میں بہت سی دشواریاں محسوس ہوئیں۔ اس نے دیکھا کہ ان دشواریوں کی وجہ سے بچے علم حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اس نے اپنی کوششوں سے پڑھائی کا ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا جس میں الفاظ کو ابھارا گیا تھا جس کی مدد سے نابینا افراد انگلیوں کی مدد سے پڑھنا سیکھتے تھے۔ اس کی اس انقلابی ایجاد نے دنیا کے لاکھوں لوگوں کو زندگی کی دوڑ میں شامل کر دیا۔

ہماری زندگی میں بہت سی مجبوریاں ایسی بھی ہوتی ہیں جنہیں ہم دور کرنے پر قادر نہیں ہوتے اور ان سے ٹکر بھی نہیں لے سکتے، تو پھر ہمارے خیال میں ان پر افسوس کرنا بھی بے کار ہے۔ اگر ہمیں اپنی زندگی کی مایوسیوں سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے تو ہمیں سب سے پہلے زندگی کے پر فریب خیال، غیر دانشمندانہ فکرات سے نجات حاصل کرنی ہوگی۔ زندگی کو حقیقت کی آنکھوں سے دیکھنا پڑے گا۔ خوابوں کی زندگی سے دور جانا ہوگا اور عملی زندگی کا آغاز کرنا ہوگا۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ کوئی مجبوری آپ کے پیروں کی بیڑی ثابت نہیں ہوگی۔ آپ زندگی کے اس ہار جیت کے کھیل میں دونوں صورتوں میں مطمئن اور مسرور رہیں گے۔ بقول اقبال

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر !
نیا زمانہ، نئے صبح و شام پیدا کر
مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر

مذکورہ بالا مثالوں پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ دشواریاں کتنی ہی کیوں نہ ہوں ہمیں صرف آگے بڑھنے کی جستجو ہی کرنی چاہئے۔ کامیابی اور ناکامی زندگی کا حصہ ہیں۔ کوئی بھی کامیابی ناکامیوں یا مشکلات کے بغیر حاصل نہیں کی جا سکتی۔ عام طور پر جو لوگ ناکامی و مصائب سے دوچار ہوں وہ دو طرح سے رد عمل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ناکامی کا منفی اثر قبول کرتے ہیں یا ناکامی سے سبق حاصل کرتے ہیں۔

ماہر نفسیات کے نزدیک ایسے افراد جو کہ مسائل اور مشکلات میں ثابت قدم رہتے ہیں اور اس کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں وہ کندن بن کر نکلتے ہیں۔ عزت، دولت اور شہرت ان کے قدم چومتی ہے۔ لیکن جو لوگ اس کھیل کے درمیان میں سے ہی بھاگ جاتے ہیں وہ ساری زندگی کفِ افسوس ملتے رہتے ہیں۔

بعض لوگ مشکلات کے وقت وہی روش اختیار کر لیتے ہیں جو شیر خوار بچے کی ہوتی ہے یعنی رونا، چیخنا اور غصے میں آ جانا۔ کچھ لوگ دوسرے لوگوں کو موردِ الزام گرداتے ہیں، کچھ تقدیر کو۔ بقول شاعر

کبھی تقدیر کا ماتم، کبھی دنیا کا گلہ
منزلِ عشق میں ہر گام پہ رونا آیا

نوجوانوں کی ایک تعداد ایسی بھی نظر آتی ہے جو کسی کام میں ناکام رہتے ہیں تو بالکل ہمت ہار بیٹھتے ہیں۔ کوشش اور جدوجہد کو ترک کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور ان پر جمود طاری ہو جاتا ہے۔ بعض لڑکیاں کھانا بدمزہ پکاویں یا سالن تھوڑا سا جل جائے تو بہت دلبرداشتہ ہو جاتی ہیں اور کہتی ہیں میں آئندہ کھانا ہی نہیں پکاؤں گی۔ بہت سے افراد ناکامیوں سے اتنے ڈپریس ہوتے ہیں کہ کام کرنے کا حوصلہ ہی ختم ہو جاتا ہے پھر کسی کام میں ہاتھ ڈالتے ہوئے گھبراتے ہیں۔

دوسرا طبقہ ایسے افراد پر مشتمل ہے جو ناکامی کو ایک سبق سمجھتے ہیں۔ کام کے دوران دباؤ کے شکار ضرور ہوتے ہیں لیکن ان میں آگے بڑھنے کی اسپرٹ مزید بڑھ جاتی ہے۔ یہ جذبہ جنون کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور بالآخر کامیابی ان کے قدم چومتی ہے۔ ایسے ہی نوجوانوں کے لیے اقبال نے کہا ہے

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں
نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
امیدِ مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں
نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

جب کوئی لڑکا مکینک کا کام سیکھنے کسی ورکشاپ میں جاتا ہے تو عموماً اسے "چھوٹے" کا عہدہ ملتا ہے۔ اس چھوٹے کا دائرہ کار ابتدائی چند سالوں تک عموماً چائے لانے، ورکشاپ کی صفائی کرنے، مختلف اوزار لانے لے جانے اور نٹ بولٹ کھولنے بند کرنے تک محدود ہوتا ہے۔ ان چند سالوں میں اگر کوئی نیا چھوٹا آ جائے تو پرانے چھوٹے کی ترقی ہو جاتی ہے اور مکینک کے ساتھ اسے بھی کام کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اس طرح تین سے پانچ سال میں وہ اوسط درجہ کا مکینک بن پاتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ یہ تکالیف کیوں برداشت کر لیتا ہے؟ وہ چائے لانے سے انکار کر کے یہ کیوں نہیں کہتا کہ یہ میرا کام نہیں ہے مجھے صرف میرا مطلوبہ ہنر سکھایا جائے؟ .... محض اس لئے کہ اسے نظر آتا ہے کہ یہ چھوٹے، معمولی اور غیر اہم کام کامیابی کی وہ سیڑھیاں ہیں جن پر چڑھ کر میں کامیاب مکینک بن سکتا ہوں۔ آگے بڑھنے کا حوصلہ، ہنر سیکھنے کی امید اس کی جدوجہد میں پختگی پیدا کرتی ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ خود ایک ماہر مکینک بن جاتا ہے۔ اگر وہ ابتداء ہی میں چھوٹی چھوٹی پریشانیوں، جھڑکیوں اور معمولی کاموں سے گھبرا جائے اور گھر بیٹھ جائے تو وہ کبھی بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

ناکامی، محرومی، مصائب، مشکلات ایک پیمانہ ہے جس سے ہم اپنے استقلال اور عزم کو ناپتے ہیں۔ ناکامی ایک ایسا شفاف آئینہ ہے جو ہماری خامیوں کو آنکھوں کے سامنے روشن کر دیتا ہے۔ ایسا میزان ہے جس پر ہم درست اور غلط کا تناسب معلوم کر سکتے ہیں۔ اس تمام گفتگو سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ غلطی، ناکامی، مشکلات، دشواری اور رکاوٹ کامیابی میں حائل ضرور ہو سکتی ہیں اور یہ بھی ممکن ہے آپ کی رفتار میں حارج ہونے کی کوشش کریں لیکن جب آپ کی نظر کامیابی پر رہتی ہے تو اس رکاوٹ سے آپ نکلا ہو جاتے ہیں اور اس سے سیکھتے ہوئے کامیابی کی جانب قدم بڑھاتے ہیں۔

.... کیا آپ کو معلوم ہے آپ کا نوجوان بیٹا انٹرنیٹ پر کیا کرتا ہے؟

.... کیا انٹرنیٹ کی وجہ سے اس کی پڑھائی تو متاثر نہیں ہو رہی۔

.... آپ کے لاکھ بلانے پر نظر انداز تو نہیں کرتا یا کسی کام سے روکنے پر آگ بگولا تو نہیں ہو جاتا؟

.... رات کو دیر تک جاگ کر کمپیوٹر پر تو نہیں بیٹھتا یا پھر کلائیوں اور گردن میں نسوں کے کھنچ جانے کے درد کی علامت تو نہیں؟

.... کیا وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں رہنے کو ترجیح دیتا ہے، گھر والوں کے ساتھ کھانا کھانے کے لیے بھی کمرے سے باہر نہیں نکلتا یا پھر کھانا کمپیوٹر پر کام کرتے ہوئے تو نہیں کھاتا؟

.... انٹرنیٹ خراب ہونے کی صورت میں بے چین اور چڑچڑا تو نہیں ہوتا؟

.... اگر ان تمام صورتوں میں سے ایک بھی اثر کسی نوجوان میں پایا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہے اس کے والدین کو اس پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے...

انٹرنیٹ کے خراب اثرات

سے نوجوانوں کو کیسے بچایا جائے....؟

نبیل عباسی

اگر کوئی بیٹا یا بیٹی اپنے ماں باپ سے کہے کہ وہ دو چار گھنٹوں کے لئے کسی دلچسپ شہر کی سیر کرنے جا رہا ہے اور والدین کو اس شہر کے بارے میں تحقیق کرنے پر پتا چلے کہ اس انوکھے شہر میں نئے لوگ، بیشمار نئی جگہیں اور ان کی توقعات سے بڑھ کر ہر موضوع پر عجائب گھر ہیں تو.... والدین کا اس پر رد عمل کیا ہو گا؟

شاید، والدین سب سے پہلے یہ اطمینان کریں گے کہ ان کی اولاد ایک بڑے اور نئے شہر کے حالات کا اکیلے سامنا کر سکتی ہے؟ نئے شہر میں خطرناک مقامات پر تو نہیں جائے گی؟ وہ اس انجانی جگہ سے کب تک واپس آجائے گی؟

یہ انوکھا شہر بلکہ انوکھی دنیا ہے انٹرنیٹ کی!....

انٹرنیٹ کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ علم و تحقیق کا ذخیرہ ہے۔ آج انٹرنیٹ لاکھوں کمپیوٹر اور مختلف نوعیت کے مواد سے بھرے کروڑوں ویب پیجز پر

مشتمل ایک ایسے شہر کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ کوئی بھی شخص اپنی انگلیوں کی ذرا سی جنبش سے معلومات کے ایک وسیع سمندر سے مستفید ہو سکتا ہے۔ اب یہ ہم پر موقوف ہے کہ اس سے ہم کیا اور کون سا علم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر ترقی کے پیچھے نہ نظر آنے والے نقصانات بھی ہوتے ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ لیکن جہاں انٹرنیٹ کے آنے سے فائدہ ہوا ہے وہیں اس کے غلط استعمال سے کئی نقصانات بھی ہو رہے ہیں۔ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ ایک کار آمد شے کا غلط استعمال بھی بڑھتا جا رہا ہے۔

انٹرنیٹ کو بعض مفاد پرست لوگوں نے محض سستی تفریح اور فحاشی پھیلانے کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ فحش ویب سائٹس انٹرنیٹ کی دنیا کا ایک تاریک پہلو ہے.... جن کے ذریعے بیہودہ مواد اور فحاشی کا زہر بچوں اور نوجوان نسل کے اندر ڈالا جا رہا ہے۔ انٹرنیٹ پر کروڑوں کی تعداد میں فحش ویب سائٹس میں موجود ہیں، اکثر سرو مز مفت ہیں جن میں سے ننانوے فیصد امریکہ اور مغربی ممالک سے چل رہی ہیں، انہیں فلٹر کرنے یا روکنے کے بارے میں کوئی سوچ بچار نہیں کی گئی۔ یہ فحش ویب سائٹس بالخصوص بچوں اور نوجوانوں کے اخلاق کے لیے انتہائی زہریلی ہیں۔

انٹرنیٹ پر اکثر نوجوان لڑکے اور لڑکیاں چیٹنگ میں بھی مصروف نظر آتے ہیں۔ منچلے نوجوان اور دل پھینک عاشقوں کے لیے چیٹنگ بہت بڑی سہولت ہے۔ آج کے نوجوان اپنے دوستوں، سہیلیوں سے ٹیلیفون نمبر یا ایڈریس مانگنے کے بجائے یہ پوچھتے ہیں کہ تم فیس بک، ٹویٹر یا واٹس اپ پر ہو۔

زندگی میں ان ویب سائٹس کے بڑھتے ہوئے عمل دخل کے حوالے سے پینسلوانیا یونیورسٹی نے ایک تحقیقاتی رپورٹ شائع کی ہے۔ اس تحقیق کے مطابق سوشل میڈیا ویب سائٹس استعمال کرنے سے ذہن پر دباؤ بڑھ جاتا ہے، ذاتی تعلقات کمزور ہوتے ہیں اور نیند پوری نہیں ہوتی جس سے مسائل میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

اگر سوشل میڈیا کا استعمال مناسب انداز میں نہ کیا جائے تو یہ انسان کے دماغ پر حاوی ہو جائیں گے۔ اس جائزے کو عملی شکل دینے کے لیے پینسلوانیا کی سائنس اور ٹیکنالوجی یونیورسٹی کے ہیر ہبرگ کالج میں ایک ہفتے کے لیے سوشل نیٹ ورک ویب سائٹ تک رسائی روک دی گئی۔ اس کا اصل مقصد یہ سمجھنا تھا کہ یہ ویب سائٹس اور دیگر ذرائع کس طرح ان کی تعلیم اور روزمرہ زندگی پر کس طرح اثر انداز ہو رہے ہیں۔ پابندی کے اس ایک ہفتے کے دوران ان کا حال بالکل ایک تمباکو نوش کی لت کی طرح کا تھا۔

آج کے دور میں بھلا انٹرنیٹ اور موبائل ٹیلی فون کون استعمال نہیں کرنا چاہے گا؟ انٹرنیٹ تو نوجوانوں میں اتنا مقبول ہے کہ ترقی یافتہ، ترقی پذیر اور غریب ریاستوں تک میں نوجوان نسل کو نیٹ جنریشن کہا جاتا ہے۔ اعتدال کی حد میں رہتے ہوئے کسی بھی شے کا استعمال اسے مفید بناتا ہے، اور اگر اس حد کو عبور کر لیا جائے تو پھر بھی شے نقصان دہ ٹھہرتی ہے۔ دنیا بھر میں بالخصوص نوجوانوں کی بڑی تعداد ایسی ہے جو ہمہ وقت انٹرنیٹ کی دنیا میں کھوئی رہتی ہے۔

نوجوانوں میں انٹرنیٹ کے بڑھتے ہوئے جنون کو ماہرین صحت نشے سے تعبیر کرنے لگے ہیں اور انٹرنیٹ کے اس نشے کو طبی بگاڑ (clinical disorder) قرار دے رہے ہیں۔ ماہرین کے مطابق یہ نوجوان اس جادوئی دنیا میں اس قدر کھوئے رہتے ہیں کہ ورچوئل

ورلڈ اور حقیقی دنیا کے مابین فرق بھول جاتے ہیں۔ طبی ماہرین کسی بھی صارف کے بہت زیادہ آن لائن رہنے کو، جسے حقیقتاً فرد خود بھی کنٹرول نہ کر سکے، انٹرنیٹ کے پیتھالوجیکل استعمال کا نام دیتے ہیں۔ حال ہی میں ایک سروے میں انٹرنیٹ کے زیادہ استعمال اور ذہنی صحت کے مسائل کا طویل عرصے تک تفصیلی مشاہدہ کیا گیا۔ اس مطالعے میں حصہ لینے والے ایک ہزار سے زائد ٹین ایجرز کی اوسط عمر پندرہ برس تھی۔ اس مطالعے سے ثابت یہ ہوا کہ نشے کی حد تک انٹرنیٹ استعمال کرنے والے نوجوانوں میں، کم وقت کے لیے آن لائن رہنے والے تیرہ سے انیس برس تک کی عمروں کے لڑکوں اور لڑکیوں کے مقابلے میں ڈپریشن کا شکار ہو جانے کا خطرہ بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ایسے افراد کی صحت بھی خراب رہنے لگتی ہے۔ ان کا رویہ جارحانہ ہو جاتا ہے اور ان میں کئی دیگر نفسیاتی مسائل بھی پیدا ہونے لگتے ہیں۔

بات محض انٹرنیٹ پر موجود فحش مواد، اس تک بلاروک ٹوک رسائی تک محدود نہیں۔ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا حد سے تجاوز استعمال اور الیکٹرانک میڈیا کے ساتھ حد سے زیادہ وقت گزارنے کے سبب ہمارے معاشرتی رویے اور اقدار بھی متاثر ہو رہی ہیں۔ اس تبدیلی کی ایک قیمت ہم ادا کر رہے ہیں اور باقی ہماری آئندہ آنے والی نسلیں ادا کریں گی۔ ان جوان ہوتے بچوں کے والدین کو اکثر یہ شکایت رہتی ہے کہ بچے ان کا کہنا نہیں مانتے اور ان کی بات پر زیادہ توجہ نہیں دیتے۔

شاید آپ نے محسوس کیا ہو کہ کمپیوٹر سے چپکے رہنے اور راتوں کو دیر تک جاگنے والے لڑکے لڑکیوں کا رویہ زندگی کے بیشتر معاملات میں بہت مختلف اور کچھ عجیب سا ہو جاتا ہے۔ زندگی کے دوسرے کاموں کے سلسلے میں ان پر ایک عجیب سی سستی اور کاہلی کا غلبہ رہتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر وہ غصے اور چڑچڑاہٹ میں مبتلا دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ان کے کھانے پینے کے معمولات میں بے قاعدگی آنے لگتی ہے۔ دوسروں کے ساتھ ان کے رویے میں خوش خلقی، کشادہ دلی، نرمی اور گرمجوشی نہیں رہتی۔ اپنے ایک دو بہت ہی خاص اور قریبی افراد کو چھوڑ کر باقی سب کے ساتھ ان کا رویہ کچھ ایسا ہو جاتا ہے جیسے وہ بادل نا خواستہ انہیں بس برداشت کر رہے ہیں۔

آج کے دور میں ہمیں انٹرنیٹ کو قبول کرنا پڑے گا۔ لیکن اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کے منفی پہلوؤں کے بارے میں خود بھی جانیں اور دوسروں کو بھی آگاہ کریں۔

بچے قوموں کا مستقبل اور سرمایہ ہوتے ہیں۔

ماہرین کے مطابق، ٹین ایجر بچوں پر سختی سے زیادہ کارآمد ان کی بہتر تربیت ہے، تاکہ وہ انٹرنیٹ کو بہتر طور پر استعمال کر سکیں اور والدین کو چاہئے کہ جب بچے انٹرنیٹ استعمال کریں تو وہ بچوں کے ساتھ رہیں، تاکہ وہ خود بھی انٹرنیٹ کا استعمال سیکھیں اور اپنے بچوں کی بہتر رہنمائی کر سکیں۔

والدین انٹرنیٹ کے فوائد و نقصانات سے پہلے خود آگاہ ہوں اور اس کے بعد اپنی اولاد کو بھی اس کے فوائد اور نقصانات سے آگاہ کریں۔ ہو سکے تو خود فیس بک یا سوشل ویب سائٹ کا استعمال کر کے بیٹے یا بیٹی کی فرینڈ لسٹ میں شامل ہو جائیں۔ نظر رکھیں آپ کے بیٹے یا بیٹی کی فرینڈ لسٹ میں کون ہے اور کہیں لوگوں کو Random ایڈ تو نہیں کر رہا ہے، ان ہی لوگوں کو ایڈ کر رہا ہے جن کو جانتا ہو.... بچے کے دوستوں کی

جب کبھی توقعات پوری نہ ہوں تو نوجوانوں میں اضطراب، رنج یا صدمے جیسی کیفیات کا سامنا بھی ہو سکتا ہے۔ کوئی مسئلہ درپیش ہو تو اصلاح احوال کے لیے پہلے خود اپنے رویوں کا جائزہ لینا چاہیے۔ مسائل ومشکلات سے نجات کے لیے عملی کوششوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں پورے یقین اور اخلاص کے ساتھ دعا کرنا چاہیے۔

انسان کی زندگی بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے تین ادوار پر مشتمل ہے۔ ہر دور کے تقاضے اور ضروریات الگ الگ ہیں۔ نوجوانی کے تقاضوں میں جوش وولولہ، عزم کا اظہار، اعلیٰ، کچھ کر دکھانے کا جذبہ، صنف مخالف میں کشش، اپنی اہمیت کا احساس وغیرہ شامل ہیں۔

نوجوانی کے دور میں طاقت ور اور خوبصورت نظر آنے کی خواہش میں بہت شدت ہوتی ہے۔ زندگی کے اس دور میں کچھ نوجوان ہر کام میں تیزی اور جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہیں تو کچھ نوجوان چھوٹی چھوٹی ناکامیوں پر افسردہ اور مایوس ہونے لگتے ہیں۔ اس دور میں کئی نوجوان اپنے وقت کا مثبت استعمال کرکے، والدین اور اساتذہ کا ادب احترام کرکے عملی زندگی میں اعلیٰ اقدار کی بنیادیں رکھ رہے ہوتے ہیں تو کچھ نوجوان فضول کاموں میں وقت ضائع کرکے، نشہ کی لت میں پڑ کر، والدین اور اساتذہ کے ساتھ بدتمیزی کا رویہ اختیار کرکے اپنے اور دوسروں کے لیے مشکلات اور پریشانیوں کا سامان کررہے ہوتے ہیں۔

روحانی ڈائجسٹ کے "نوجوان نمبر" میں نوجوان لڑکے لڑکیوں کے چند اہم مسائل کے حل کے لیے دعائیں بھی تحریر کی جارہی ہیں۔

اعصاب وقوتِ ارادی:

قوی اعصاب اور مضبوط قوت ارادی سے مشکل سے مشکل کام کر گزرنے اور ناسازگار حالات پر غالب ہونے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ کمزور قوت ارادی اور اعصاب سے احساس کمتری، ذہنی انتشار، خود اعتمادی میں کمی، ذمہ داریوں سے بے زاری ہونے لگتی ہے.....

❁....احساس کمتری یا ذہنی انتشار:

صبح شام اکتالیس مرتبہ سورہ آل عمران کی آیت نمبر2

اللّٰہُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ O

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر پانی پر دم کر کے پئیں اور دعا کریں۔

❁....خود اعتمادی کی کمی:

صبح شام اکیس اکیس سورہ انعام کی آیت نمبر63

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ O

سات سات مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلیں۔

❁....احساس برتری:

بعد نماز عشاء اکیس مرتبہ سورہ الشمس (91) کی آیت نمبر 7تا9

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا O فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا O قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا O

سات سات مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلیں اور دعا کریں۔

بُری صحبت:

سن بلوغت میں نوجوان زندگی کے نئے انداز سے آشنا ہوتے ہیں ۔ان میں تمنائیں اور امنگیں پیدا ہوتی ہیں۔ اپنے ہونے کا احساس اور کچھ کر دکھانے کا جذبہ حرکت اور کوشش پر ابھارتا ہے۔

اس دور میں خدانخواستہ بری صحبت مل جائے تو فطری جذبات کا اظہار مثبت طریقوں کے بجائے خود سری اور بدتمیزی سے ہونے لگتا ہے۔ بعض نوجوان بے راہروی میں بھی پھنس جاتے ہیں۔

❁....خود سری اور بدتمیزی:

اولاد میں سے خدانخواستہ کوئی بدتمیزی اور نافرمانی کا مرتکب ہونے لگے تو والدہ یا والدہ رات سونے سے پہلے سورہ شوریٰ (42) کی آیت نمبر28

وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ O

تین تین مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر تصور کر کے دم کر دیں اور دعا کریں۔

ذمہ داریوں سے فرار:

عشاء کی نماز کے بعد اکتالیس مرتبہ سورہ آل عمران کی آیت نمبر92

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ڛ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ O

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر دعا کریں۔

❁....والدین کی نافرمانبرداری:

رات کو جب بیٹا یا بیٹی گہری نیند میں ہو تو اس کے سرہانے اتنی آواز میں کہ آنکھ نہ کھلے ایک مرتبہ

سورہ فاتحہ (الحمد شریف) پڑھ دیا کریں۔ یہ عمل ایک ماہ تک جاری رکھیں۔

❁ .... نشہ کی لت:

رات سونے سے پہلے 101 مرتبہ سورہ بقرہ کی آیت 169-168

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ○

گیارہ گیارہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر نشہ کی عادت سے نجات کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں۔

سن بلوغت کے چند مسائل

بلوغت کے دور میں نوجوان میں کشش مخالف کے جذبات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ مناسب رہنمائی نہ ہونے کے باعث کئی مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔

❁ .... خود کو ضائع کرنا یا بد خوابی:

رات سونے سے پہلے اکتالیس مرتبہ سورہ ہود 11 کی آیت نمبر 3 کا ابتدائی حصہ

وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔

❁ .... جنسی خواہشات کا غلبہ:

زیادہ سے زیادہ وقت باوضو رہا جائے لیکن وضو قائم رکھنے کے لیے طبیعت پر جبر نہ کیا جائے اگر وضو ٹوٹ جائے تو دوبارہ کرلیں۔

پانچ وقت نماز کی پابندی کریں۔

عشاء کی نماز کے بعد اکتالیس مرتبہ سورہ آل عمران کی آیت نمبر 191

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلیں اور دعا کریں۔

کثرت سے یا حیُ یا قیوم کا ورد کرتے رہیں۔

❁ .... لڑکے میں نسوانیت:

روزانہ عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد مصلّے پر بیٹھے بیٹھے تین سو مرتبہ سورہ حشر (59) کی آیت نمبر 24

هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ ۖ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۚ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○

پڑھ کر دونوں ہاتھوں پر دم کرلیں اب دونوں چہرے اور تمام جسم پر پھیرلیں۔ یہ عمل نوے روز تک جاری رکھیں۔

❁ .... نروس نیس۔ شرمیلاپن:

صبح اور شام اکیس اکیس مرتبہ سورہ سجدہ (32) 6 اور 7 کا ابتدائی حصہ

ذَٰلِكَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ○ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر پانی پر دم کرکے پئیں اور دعا کریں۔

نفسیاتی مسائل:

حد سے زیادہ لاڈ پیار، احساس تنہائی وعدم تحفظ، عملی کوششوں میں کوتاہی، ناکامیاں، خود کو

حقیر سمجھنا، ذہنی انتشار و دباؤ کے سبب کئی نفسیاتی بیماریاں جنم لے سکتی ہیں۔

❁.... تاریک پہلو دیکھنا:

رات سونے سے پہلے اکتالیس مرتبہ سورہ مائدہ 05 کی آیت نمبر 8 کا آخری حصہ

اعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ
اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلیں اور دعا کریں۔

ناامیدی اور اداسی:

صبح شام اکیس اکیس بار سورہ انفال (08) کی آیت نمبر 2

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ
وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ
زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝

تین تین بار درود شریف کے ساتھ پڑھ کر پانی پر دم کر کے پئیں اور دعا کریں۔

❁.... مایوسی سے نجات:

صبح اور شام اکیس اکیس مرتبہ سورہ بقرہ کی آیات 153 اور 173

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

تین تین مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلیں اور دعا کریں۔

❁.... ذہنی دباؤ۔ ڈپریشن:

صبح شام اکیس اکیس مرتبہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا رَبُّ
الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ
رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۝

تین تین مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر دم کرلیں اور ہاتھ دعا کی طرح تین مرتبہ اپنے چہرے پر پھیر لیں۔

حصول علم:

نوجوان کے مسائل میں پڑھائی میں دل نہ لگنا، حافظہ کی کمزوری، امتحان کے وقت نروس ہوجانا، محنت کے باجود اچھے نمبروں کا نہ آنا جیسے مسائل بھی شامل ہیں۔

❁.... پڑھائی میں دل نہیں لگتا:

صبح اور شام اکیس اکیس مرتبہ سورہ الشعراء 26 کی آیت نمبر 83

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝

تین تین مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں۔

❁.... حافظہ کی کمزوری:

صبح شام اکیس بار سورہ انعام کی آیت نمبر 153 میں سے صبح شام اکیس اکیس مرتبہ

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ عَلَيْنَا حِكْمَتَكَ وَانْشُرْ عَلَيْنَا
رَحْمَتَكَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ۝

تین تین مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر ایک ایک چمچ شہد پر دم کر کے پئیں اور اپنے اوپر اوپر بھی دم کر دیں اور دعا کریں۔

❁.... امتحان میں کامیابی:

عشاء کی نماز کے بعد تین سو مرتبہ سورہ بقرہ کی آیت 179 کا درمیانی حصہ

يَا أُولِي الْأَلْبَابِ

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر تین گھونٹ پانی پر دم کر کے پئیں۔ یہ عمل اُس وقت تک جاری رکھیں جب تک نتیجہ نہ آجائے۔

امتحان میں اللہ تعالیٰ کامیابی عطا کریں تو چار رکعت نفل شکرانہ کے ادا کریں اور حسبِ استطاعت خیرات بھی کریں۔

❄ .... محنت کے باوجود نمبروں کا کم آنا:

عشاء کی نماز کے بعد اکتالیس مرتبہ

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا ۝

اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر دعا کریں۔

❄ .... امتحان کے وقت گھبراہٹ:

صبح اور شام اکیس اکیس مرتبہ سورہ ہود (11) کی پہلی آیت

الٓرٰ كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ
مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ ۝

تین تین مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر ایک ایک ٹیبل اسپون شہد پر دم کر کے بیٹے کو پلائیں اور اس پر دم بھی کر دیں۔

❄ .... حصول علم میں رکاوٹیں:

صبح اور شام اکتالیس اکتالیس مرتبہ سورہ ہود 11 کی آیت 123 میں سے

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ
الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ

تک گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلیں اور رکاوٹیں ختم ہونے کی دعا کریں۔

معاشی مسائل:

تعلیمی کیریئر مکمل ہونے کے بعد معاش کا مرحلہ آتا ہے۔ کچھ نوجوان ملازمت اختیار کرتے ہیں۔ کچھ کاروبار کی طرف جاتے ہیں۔

اعلیٰ تعلیم اور قابلیت کے باوجود ملازمت نا ملنا یا کاروبار میں خسارہ یا کاروبار نہ جمنا جیسے مسائل نوجوان کی ذہنی اور جسمانی صحت کے لیے نقصان دہ ہو سکتے ہیں۔

❄ .... ملازمت:

عشاء کی نماز کے بعد اکتالیس مرتبہ سورہ ہود 11 کی آیت نمبر 6

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا
وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ
كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر بابرکت روزگار کے حصول کے لیے دعا کریں۔ مقصد پورا ہونے تک یہ عمل جاری رکھیں۔

❄ .... کاروبار میں برکت وترقی:

عشاء کی نماز کے بعد اکتالیس مرتبہ سورہ ذاریات (51) کی آیت نمبر 58

إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر کاروبار میں برکت و ترقی کے لیے دعا کریں۔

❄ .... مخالفین کا سامنا:

رات سونے سے پہلے 101 مرتبہ سورہ یوسف 12 کی آیت 64 کا آخری حصہ

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج

ٹین ایجرز کے ذہنی، نفسیاتی اور طبی مسائل کا حل

مشکور الرحمٰن

فارسی کا مشہور شعر ہے کہ

خشت اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

"اگر معمار پہلی اینٹ غلط اور ٹیڑھی رکھ دے تو چاہے دیوار ستاروں تک بھی بلند کر دی جائے وہ آخیر تک ٹیڑھی ہی رہتی ہے"

ٹین ایجرز Teenagers یا Adolescent یا بچپن اور Childhood اور جوانی Adulthood کے درمیان کا عبوری عرصہ ہوتا ہے۔ بچپن اور جوانی زندگی کے درمیان کا یہ مرحلہ مستقبل کی بنیاد بنتا ہے، بچے قوم کا سرمایہ اور نوجوان قوم کے معمار ہوا کرتے ہیں۔

انسانی زندگی کے یہ دو ادوار تربیت کے لیے انتہائی اہم ہوتے ہیں، اس زمانے میں اگر صحیح تربیت نصیب ہو جائے، اچھے ہمنشین مل جائیں اور بہتر ماحول میسر آجائے تو یہ ایک نوجوان کے لیے بہتر مستقبل کا آغاز ہوتا ہے، اگر خدانخواستہ اس بچپن وجوانی کے دور میں صحیح تربیت نہ ہو سکے، غلط ماحول ملے اور برے دوستوں کا ساتھ ہو جائے تو یہ خطرے کی پہلی گھنٹی ہوتی ہے۔

نوبلوغت یا نوشباب کی عمر لڑکوں اور لڑکیوں میں مختلف ہوتی ہے۔ W.H.O کے مطابق یہ عمر 10 سال سے شروع ہو جاتی ہے۔ بچپن کے دور کو خیرباد کہہ کر جب لڑکے اور لڑکیاں نوبلوغت کی عمر میں داخل ہوتے ہیں تو ان میں بڑی اہم نفسیاتی Psychological اور حیاتیاتی Biological تبدیلیاں شروع ہو جاتی ہیں۔

یہاں نوبلوغت Puberty کی اصطلاح کا فرق ذہن نشین کر لیں۔ بلوغت سے مراد وہ خالص جسمانی تبدیلی ہے جو کسی نوبالغ کو حیاتیاتی طور پر بالغ بناتی ہے جبکہ نوبلوغت ایک عبوری دور کا نام ہے جو بعض لوگوں میں بلوغت کے بعد بھی جاری رہ سکتا ہے۔ نوبلوغت کا دور مختلف نفسیاتی اثرات مرتب کرتا ہے۔ بلوغت کا عمل پوری دنیا میں اور دونوں اصناف میں تقریباً یکساں ہے، خواہ ان کا تعلق کسی قوم یا معاشرے سے کیوں نہ

ہو۔ نوبلوغت کو معاشرتی بلوغت بھی Social Puberty کہا جاتا ہے یعنی بچپن کا دور ختم ہو رہا ہے اور اب بلوغت کے دور کی ابتدا ہونے والی ہے۔

11،12 سال کی عمر:

یہ وہ دور ہوتا ہے جب اکثر خاندانوں میں لڑکیوں سے کہا جاتا ہے "اب تم بڑی ہو گئی ہو لہٰذا اپنے لباس کا خیال رکھو"۔ ان کا لباس بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس دوران انہیں خود بھی جسمانی تبدیلیوں کا احساس ہونے لگتا ہے، لیکن بعض حالات میں اپنے اندر ہونے والی تبدیلیوں کا ساتھ دینا بھی ان کے لئے خاصا مشکل محسوس ہوتا ہے۔ اس دور میں رہنمائی کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ ماہرین کے مطابق بعض اعتبار سے لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کو نوبلوغت کی عمر میں تقریباً یکساں مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن نوبلوغت کی عمر دونوں کے لئے مختلف مفہوم رکھتی ہے۔ لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کی نوبلوغت کا دور تقریباً دو سال پہلے شروع ہو جاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ لڑکی کو لڑکے کے مقابلے میں دو سال پہلے ہی بعض صنفی مسائل سے نمٹنے کی ذمہ داری قبول کرنا پڑتی ہے جبکہ بعض حالات میں اکثر لڑکیاں ذہنی طور سے اس ذمہ داری کو پورا کرنے کی اہل نہیں ہوتیں۔

نوبلوغت کی عمر میں جسم میں موجود اینڈو کرائن گلینڈز Endocrine Glands پر موثر بننا شروع کر دیتے ہیں۔ جس سے نوجوانوں کے جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی ارتقاء کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اس عمر میں کچھ طب سے منسلک کچھ مسائل بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ مثلاً اس عمر میں عموماً لڑکوں کی بھوک کھل جاتی ہے جبکہ لڑکیوں میں بھوک نہ لگنے کی شکایت اور غذائی رغبت میں کمی عام دیکھی گئی ہے۔ غذائی عدم توازن کی وجہ سے بعض لڑکیوں کا جسم کمزور اور لاغر ہو جاتا ہے اور اکثر طبیعت مالش کرتی ہے۔ اس کیفیت کو طبی اصطلاح میں Anorexia کہا جاتا ہے اور اس کا اہم سبب Emotional Disorder ہے۔ لہٰذا اس عمر میں لڑکیوں کو اسکولوں میں غذا کی اہمیت، غذا کے استعمال میں بدنظمی کے مضر اثرات کے متعلق ضرور آگاہ کیا جانا چاہئے۔ گھر پر والدین کو اس عمر کے لڑکے لڑکیوں کی متناسب غذائی ضرورت کا خیال رکھنا چاہیے۔

نوجوانی کے اس دور میں جو جسمانی اور نفسیاتی تبدیلی رونما ہو رہی ہوتی ہیں ایک نوبالغ ان کا تبدیلیوں کے بارے میں معلومات چاہتا ایک فطری رویہ ہے۔ وہ دنیا کو جس انداز سے دیکھتا ہے یا دیکھنا چاہتا ہے اس ضمن میں رہنمائی چاہتا ہے۔ اپنے ارد گرد کی دنیا کے بارے میں ڈسکس کرنا چاہتا ہے لیکن دیکھا یہی گیا ہے کہ اکثر والدین اور بچوں کے درمیان ذہنی طور پر فاصلہ پیدا ہونے لگتا ہے۔ باپ روزگار کی مصروفیت کی وجہ سے توجہ نہیں دے پاتے تو مائیں گھر کے کاموں میں الجھی رہتی ہیں۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سے نوجوان اپنے گھر میں بھی دوستانہ ماحول سے محروم رہتے ہیں۔ ان کے محسوسات اور ان کے اندر رونما ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں انہیں اکثر اساتذہ سے بھی کوئی رہنمائی نہیں ملتی۔ بعض نوجوان اپنے سے ذرا عمر میں بڑے کلاس فیلوز سے ڈسکس کرتے ہیں لیکن انہیں عموماً غلط راستہ ہی دکھایا جاتا ہے یا پھر تصویر کا صرف ایک ہی پہلو ان کے سامنے آتا ہے۔ ایسے میں بہت سے نوجوان خصوصاً لڑکیاں تنہائی پسند ہو جاتی ہیں اور بعض تو خود کو غیر محفوظ محسوس کرنے لگتی ہیں۔ یہ کیفیت مسلسل

طاری رہے تو بعض لڑکیوں کے پیٹ میں درد، دل اچاٹ رہنا، نیند کا نہ آنا اور سر درد کی شکایات پیدا ہو سکتی ہیں۔ بعض نوجوان لڑکے ان مشکلات کا تدارک سگریٹ، پان، گٹکا یا پھر کسی نشہ آور اشیاء کا استعمال کے ذریعے کرنے لگتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں منشیات کا استعمال ان نوجوانوں میں عام ہے جو کسی نہ کسی لحاظ سے شکستہ خاندان سے وابستہ ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ماحول، موقع اور بے راہرو دوستوں کے میل جول سے بھی نشہ آور اشیاء یا پھر پان سگریٹ کا استعمال بڑھتا ہے۔ اسکول میں جا ہے جا سختی سے جب کسی نوجوان لڑکے کا دل پڑھائی سے اچاٹ ہو جاتا ہے تو پھر وہ ضد میں بھی غلط اور بے راہرو لڑکوں کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے لگتا ہے۔

نوجوانی کے اس دور میں قدم رکھتے ہوئے لڑکوں اور لڑکیوں کو سب سے زیادہ والدین کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ عام طور پر دیکھا یہ گیا ہے کہ لڑکیوں کو اس ضمن میں ان کی مائیں رہنمائی فراہم کر دیتی ہیں چنانچہ اکثر لڑکیاں اپنی ماؤں کے مشوروں کی روشنی میں ان مراحل سے بآسانی گزر جاتی ہیں۔ لیکن عموماً نوجوان لڑکے اس طرز کی رہنمائی سے محروم رہتے ہیں۔ یہ رہنمائی انہیں اپنے والد یا بڑے بھائی سے ملنی چاہئے تھی، لیکن ہمارے ہاں اکثر مرد حضرات اپنے نوجوان ہوتے لڑکوں کو بعض بنیادی باتیں بتاتے ہوئے جھجکتے ہیں اور وقت گزر جاتا ہے..... وقت کو ٹالنے کا یہ رویہ بعض کو خاصا مہنگا بھی پڑ سکتا ہے، مناسب ہوگا کہ والدین بچوں سے دوستانہ رویہ رکھیں اور بچے کو مناسب رہنمائی فراہم کریں اگر بچہ والدین کو اپنا ہمدرد تصور کرے گا تو وہ ان سے ہی پوچھے گا۔ جب بچہ پوچھے تو اس کو اس طرح جواب دینا چاہئے جسے وہ بآسانی سمجھ سکے اور اتنی ہی معلومات بہم پہنچانا چاہئے جتنی اس کی عمر کے حساب سے ضروری ہو اور جسے اس کا ذہن قبول کر سکے۔

13، 14 سال کی عمر:

13 سے 14 سال کی عمر کا دورانیہ جوش و جذبہ، خواہشات اور کمال کو چھو لینے کی امنگوں سے بھرپور ہوتا ہے۔ ایسے بچے جو ابھی بالغ تو نہیں ہوئے لیکن جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ چکے ہیں، اپنے آپ کو منوانے کی کوشش کرتے ہیں اور ہر خواہش، ہر امنگ کو پورا کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اس خوبصورت اور زندگی کے یادگار دور کو ماہرین نفسیات تشخص کی تلاش کا دور کہتے ہیں۔ ماہرین نفسیات کے خیال میں اس دور میں ٹین ایجرز کے سامنے سب سے اہم مسئلہ اپنے آپ کو دریافت کرنا اور اپنی حیثیت کا تعین کرنا ہے اس کے بعد دوسروں کے ساتھ ربط ضبط استوار کرنا ہے۔ یہ تمام باتیں بعض لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے پریشان کن بھی ہو سکتی ہیں اسکول جانے والے لڑکوں کو اسی دور میں مستقبل کے لئے کسی ایک شعبہ کا انتخاب بھی کرنا ہوتا ہے۔ اس دور میں والدین اور بچوں کے لئے ایک اہم مرحلہ اس وقت درپیش ہوتا ہے جب بچہ نویں کلاس میں داخل ہوتا ہے۔ "بورڈ کے امتحان کا خوف" بعض لڑکوں اور لڑکیوں کے اعتماد کو نقصان پہنچا سکتا ہے، دیکھا گیا ہے کہ آٹھویں کلاس تک پوزیشن لینے والے بعض لڑکے اور لڑکیاں نویں جماعت کے امتحانات میں کسی خاص کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر پاتے، اس دور میں والدین اور اساتذہ کو اپنی ذمہ داری پوری توجہ سے ادا کرنی چاہیے۔

اس عمر میں بعض نوجوان لڑکے لڑکیاں ماحول اور دیگر مسائل کی وجہ سے خیالی دنیا میں کھوئے رہتے ہیں

لیکن عمل میں اکثر انتہائی سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ بعض والدین انہیں ابھی محض بچہ ہی تصور کرتے ہیں۔ ایسے بچوں کو اساتذہ کی جانب سے بھی اکثر کوئی نفسیاتی امداد نہیں ملتی چنانچہ ان کا یہ قیمتی دور محض خیالی دنیا میں گزر جاتا ہے۔ ایسے نوجوان چند سال بعد جب عملی زندگی میں قدم رکھتے ہیں تو بعض اوقات انہیں زیادہ مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے، بعض نوجوان معاشرہ سے باغی ہوجاتے ہیں اور بعض مزید بے عمل بن جاتے ہیں۔

بلوغت کے دور میں قدم رکھنے والے اکثر بچوں اور بچیوں میں ہارمونز کے زیر اثر صنف مخالف کی جانب کشش کا پیدا ہونا ایک قدرتی امر ہے۔ نوبالغ جوں جوں بلوغت کی طرف قدم بڑھاتے ہیں، ان کے ذہنوں میں اس حوالے سے پسندیدگی کے جذبات بھی ابھر سکتے ہیں۔ نوعمری کے ان پسندیدگی کے خیالات کو سنجیدگی کے ساتھ نہیں لینا چاہیے۔

اکثر لڑکیاں لڑکوں کی نسبت شرمیلی، محتاط اور متذبذب ہوتی ہیں لیکن اس کے باوجود بعض لڑکیاں بھی عارضی پسندیدگی کے جذبات میں پھنس جاتی ہیں۔ یہ جذبات ہوا کے تیز جھونکے کی طرح آتے ہیں اور گزر بھی جاتے ہیں۔ والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس نازک دور میں وہ اپنے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں اعتماد پیدا کریں، انہیں اچھے طریقے سے قائل کرنے کی کوشش کریں کہ وہ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد جب کسی مقام پر قدم جمالیں گے تو انشاء اللہ زندگی کا اچھا ساتھی بھی انہیں مل جائے گا۔

تمام والدین کی یہ اولین ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کی ذہنی اور اخلاقی تربیت کے لئے ہر ممکن کوشش کریں کیونکہ بچپن کی عادتیں مشکل سے پیچھا چھوڑتی ہیں۔

اس عمر کے بچوں کے والدین کو یہ ضرور دیکھنا چاہیے کہ ان کے نوجوان لڑکے سنسان گھڑیوں Odd Hours میں کہاں ہوتے ہیں؟ یعنی دو سے چھ بجے شام تک.... اور ان کے دوستوں کا حلقہ کس قسم کا ہے؟....

اس دور کے مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لئے والدین کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو ابتداء سے سچ بولنا سکھائیں اور خود بھی اس پر عمل کریں کیونکہ سچ ہی سے تمام اچھائیوں کا سفر شروع ہوتا ہے اور جھوٹ سے تمام برائیاں جنم لیتی ہیں.... اپنے بچوں پر اعتبار بھی کریں اور ان کے اعتبار کو قائم رکھنے کے لئے اپنے اندر بھی تبدیلی لائیں، یہ اعتبار بچپن سے قائم رہا تو لڑکپن کے اس دور میں نہ تو آپ کے بچوں کو آپ سے جھوٹ بولنا پڑے گا اور نہ ہی آپ شک اور وسوسوں میں مبتلا ہوں گے....

لڑکپن کے اس دور میں اکثر ٹین ایجرز کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ جب میں مطالعہ شروع کرتا یا کرتی ہوں تو مجھے بار بار چکر آتے ہیں۔ اکثر نوبالغ پڑھائی کے دوران اس طرح کے بعض مسائل کا سامنا کرتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے اندر تعلیم سے عدم دلچسپی اور عدم توجہی پیدا ہونے لگتی ہے۔ کئی ذہنی مسائل کی وجہ سے ان کی یکسوئی کم ہونے لگتی ہے اور خصوصاً پڑھائی کے دوران تو بعض طلباء کا ذہن مستقل منتشر رہتا ہے۔ بہت سے نوجوان اپنے بعض دوستوں کے مشورہ سے سکون آور ادویات کا استعمال بھی کرنے لگتے ہیں۔ ڈاکٹری مشورے کے بغیر ان ادویات کا استعمال نہ صرف نقصان دہ ہے بلکہ ان کا زیادہ استعمال ان کا عادی بھی بنا دیتا ہے۔

حافظے کی خرابی کی شکایت اکثر ان نوعمروں کو رہتی ہے جو اس صلاحیت کا صحیح استعمال نہیں کرتے۔ مثلاً

مطالعہ تو کر رہے ہیں، مگر توجہ کسی اور جانب ہے۔ یہ بے توجہی اور عدم دلچسپی، دونوں مل کر کسی بھی سبق کو ذہن نشین نہیں ہونے دیتیں۔ جس چیز کی ذہن میں اہمیت نہ ہو تو حافظہ اسے قبول نہیں کرتا۔

سب سے پہلے پڑھائی کے وقت کسی کام کا نہ سوچیں۔ کوشش کے باوجود کوئی مسئلہ حد درجہ پریشان کر رہا ہو تو اپنی توجہ کسی اور جانب مبذول کرنے کی کوشش کریں۔ درختوں کو دیکھیں، پھول پودوں کی جانب توجہ دیں۔ جب بھی آپ تھکاوٹ اور کمزوری محسوس کریں، تو اپنی کتابیں بند کر دیں، اپنے دوست یا گھر کے فرد کے ساتھ کچھ وقت ہلکی پھلکی گفتگو کریں۔ پارک میں جائیں اور چہل قدمی کریں۔ کوئی ہلکا مشروب یا چائے بھی پی جا سکتی ہے۔ اب اپنی پڑھائی دوبارہ شروع کر دیں۔

فرصت کے اوقات میں سیر و تفریح، کھیل کود، دوستوں سے ملاقات، اچھی کتابوں کا مطالعہ، اخبار بینی کریں اور گھریلو کاموں میں والدین کی مدد کریں۔ رات کو جلدی سو جائیں تا کہ صبح جلدی اٹھ سکیں۔ نوعمر لڑکے خصوصاً اس پر عمل کریں گے تو بدخوابی سے محفوظ رہ سکیں گے، معدہ خراب نہیں ہوگا، پیٹ میں گیس نہیں ہوگی۔ صبح دیر تک سوتے رہنے سے سستی، کاہلی اور بدن کی اکڑاہٹ پیچھا نہیں چھوڑتی۔ انگریزی محاورے کے مطابق جلدی سونا صبح جلد بیدار ہونا آدمی کو صحت مند، دولت مند اور عقل مند بناتا ہے۔

15،16،17 سال کی عمر:

یہ دور انتہائی دلکش اور آزادی کا دور ہوتا ہے۔ اس دور کے نوجوان میں جوش اور تیزی کی کچھ نہ کچھ جھلک ضرور دکھائی دیتی ہے۔ اس دور میں کوئی سر جھکائے نہایت خاموشی سے خیالوں کی دنیا میں گم ہے۔ کوئی بہترین لباس زیب تن کئے بار بار بالوں کو سنوارتے ہوئے تیز قدموں سے چلتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ لیکن کچھ نوجوان ایسے بھی دیکھنے کو ملتے ہیں جو گویا کچھ مایوسی اور غم و فکر کی تصویر بنے دنیا و مافیہا سے بے خبر بیٹھے ہوتے ہیں۔ کچھ ٹولیوں کی شکل میں چوراہوں اور پارکوں میں براجمان نظر آتے ہیں، جہاں قہقہے گونجتے ہیں، جوش اور ولولوں سے بھرپور جملے سنائی دیتے ہیں.... لیکن کچھ کی دیوانگی محض مخالف صنف کے لئے ہوتی ہے۔

اس عمر کے نوجوانوں کی تربیت کے لیے اساتذہ کا کردار نہایت اہم ہے۔ اساتذہ ان نوجوانوں کو اس بات کا یقین دلائیں کہ یہ جوش اور جنون قدرت کی عطا کردہ توانائیاں ہیں۔ چنانچہ نوجوانی کے اس جوش کو مثبت اور تعمیری کاموں کی طرف موڑ دیا جائے تو اس کے اثرات ان کی پوری زندگی پر مرتب ہوتے ہیں۔

عمر کے اسی دور میں اسکول کی تعلیم مکمل ہوتی ہے اور کالج میں داخلہ ہوتا ہے۔ کالج کی زندگی اسکول کے معمولات سے مختلف ہوتی ہے اسکول کے ڈسپلن کی پابندیوں سے اچانک آزادی کے دور میں داخل ہونا اکثر کے لئے ایک دلکش تجربہ ہوتا ہے۔ جبلی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے جسمانی طور پر کچھ تبدیلیاں بھی ساتھ ہی ساتھ واقع ہو رہی ہوتی ہیں، ان کے تحت ہی صنف مخالف میں کشش محسوس ہونے لگتی ہے اور یہ سب ایسا غیر فطری بھی نہیں، چنانچہ اس کشش سے ہر نوجوان متاثر ہوتا ہے، کچھ اس سفر میں دور نکل جاتے ہیں اور کچھ سمجھدار ہوتے ہیں یا انہیں رہنمائی مل جاتی ہے تو چند قدم چل کر لوٹ آتے ہیں۔

نوجوانوں کو چاہیے کہ اپنی ہمت اور طاقت کو قائم

رکھیں اور اُسے ایسی قوت میں بدل دیں جو کہ انہیں ایک سرگرم، پرجوش اور کامیاب انسان کی شکل میں ڈھال سکے۔

اس عمر میں اکثر لڑکیاں لڑکوں کے مقابلہ میں زیادہ سنجیدہ اور صابر ہوتی ہیں لیکن وہ مدح وستائش یا سرزنش کا بہت زیادہ اثر لے لیتی ہیں۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ لڑکیاں بردباری اور ٹھہراؤ پر مبنی رویوں کی جانب مائل ہوتی ہیں، برخلاف اس کے لڑکے اکثر جوش اور سرگرمی دکھانے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اکثر لڑکیاں بڑے لوگوں یا استادوں کی نصیحت و رہبری کو بغیر کسی اعتراض کے قبول کرلیتی ہیں لیکن بہت سے لڑکے سوالات کیے بغیر دوسروں کی رہنمائی کو قبول نہیں کرتے۔

اس عمر کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے والدین کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے لڑکے یا لڑکی کی آرزوئیں اور سرگرمیاں پہلے گھر اور اسکول کی چہار دیواری تک محدود تھیں، اب ان کی دنیا وسیع ہوگئی ہے۔ باہر کی دنیا مظاہر ان کے لئے زیادہ جاذب نظر و توجہ ہوگئے ہیں۔ ایسے ماں باپ جو اپنے لڑکے یا لڑکیوں کو خاندانی روایات کے محدود دائرہ میں قید رہنے پر مجبور کرتے۔ ان نوجوانوں کے دل میں گھر اور خاندان کی حدود سے آگے کی دنیا کو دریافت کرنے کا جو جذبہ پایا جاتا ہے اُسے دبانے کی کوشش کرتے ہیں، تو در حقیقت وہ ان پر ظلم کرتے۔ بہتر یہ ہوگا کہ والدین اپنی اولاد کی جائز خواہشات کو تسلیم کریں اور تسلیم کرلیں کہ ان کے ذہنی و سماجی اُفق کا پھیلاؤ ایک فطری امر ہے۔ اس پھیلاؤ کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کی بجائے اس پر مناسب نظر رکھیں اور بچہ کو احساس دلائیں کہ وہ آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچائے۔ یہ چیز ان کی ذہنی نشوونما میں مدد دے گی اور نفسیاتی خواہشات کی نگہداشت کرے گی نوجوان لڑکے اور لڑکیاں جب یہ دیکھتے ہیں کہ ان کے ماں باپ اور سرپرست ان کی خواہشات اور آرزوؤں کو سننے کے لئے تیار و آمادہ ہیں تو ان پر اعتماد کرتے ہیں، اور بجائے اس کے کہ اپنے معاملات کو ان سے چھپائیں اور نادان دوستوں، سہیلیوں کی رہنمائی میں اپنے تقاضوں کو سمجھنے یا ان کی تکمیل کی کوشش کریں، اپنے والدین کی نصیحتوں اور ان کی اچھی باتوں پر بخوشی عمل بھی کرتے ہیں۔

گھر میں ایسا ماحول تشکیل دینے کی بھی ضرورت ہے جہاں رشتوں کا تقدس اور احترام ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ خصوصاً نوجوان لڑکوں کے ذہن میں یہ بات نقش ہو جائے کہ عورت کا ہر روپ قابلِ احترام ہے اور ایسا عموماً ان گھرانوں میں ہوتا ہے جہاں شوہر اپنی شریکِ حیات کی قدر کرتے ہیں۔

کالج کے نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی بھرپور توجہ تعلیم پر ہی مرکوز رکھیں۔ نصاب کی کتابوں کے علاوہ اخبار کا مطالعہ بھی کریں تاکہ حالاتِ حاضرہ سے واقفیت ہوتی رہی۔ لائبریری سے منسلک رہنا ان کی ذہنی استعداد میں اضافہ کے لئے ازحد ضروری ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہ مشاہیر عالم کی سوانح حیات پڑھیں تاکہ ان کے اندر بھی آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا جذبہ پیدا ہو اور مشکلات کا سامنا کرنے کی جرأت پیدا ہو۔ ادب سائنس، تاریخ کی کتابیں پڑھنے سے ان کے ذہن میں وسعتِ فکر و نظر پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے حوصلہ بھی بلند ہوں گے۔

یہ دور تبدیلیوں کا دور ہوتا ہے۔ تیز رفتار نشوونما

کے اس دور میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں توانائی سے بھرپور ہوتے ہیں، جسمانی سرگرمیوں کے ساتھ مناسب نشوونما کے لئے کیلوریز، پروٹین، وٹامنز اور معدنیات کی ضرورت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ اکثر نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی کھانے پینے کی عادات عموماً بے ربط اور غیر منظم ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے بیشتر اس بات سے بھی آگاہ نہیں ہوتے کہ انہیں صحت مند اور فعال رہنے کے لئے کس قسم کی غذاؤں کی ضرورت ہے۔ طبی ماہرین کے مطابق بہت سے نوجوان لڑکے وٹامن اے، فولک ایسڈ اور پروٹین ضروری مقدار سے بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ جس کے باعث وہ صحت کے بعض مسائل میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

ٹین ایجرز کے لئے درکار غذائیت اور کیلوریز کی مقدار یکساں نہیں ہوتی بلکہ اس کا انحصار ان کی جسمانی سرگرمیوں اور کھیل کود کے مشاغل پر ہوتا ہے۔ اکثر نوجوانوں میں کھانے پینے کی عادات غیر صحت مند دیکھی گئی ہیں، خصوصاً لڑکیوں کی حالانکہ انہیں اپنے چہرے کی خوبصورتی کا بہت زیادہ خیال رہتا ہے۔ ایک تحقیق کے مطابق تین چوتھائی لڑکیاں خون کی کمی اور ان میں سے نصف تعداد کیلشیم کی کمی میں مبتلا ہے۔

طبی ماہرین کی ریسرچ کے مطابق ٹین ایجرز کی خوراک متوازن ہونی چاہیے تاہم اضافی پروٹین، کیلوریز وٹامنز اور معدنیات کی ضروریات پوری کرنے کے لئے انہیں دودھ اور دودھ کی مصنوعات ضرور استعمال کرنی چاہئیں۔ توانائی سے بھرپور غذا اور مشروبات کے ساتھ تازہ سبزیاں اور پھل بھی زیادہ مقدار میں کھانا چاہیے۔ ٹین ایجرز کو چاہیے کہ وہ فاسٹ فوڈ اور سافٹ ڈرنکس کا زیادہ استعمال نہ کریں۔

متوازن خوراک اگر کافی مقدار میں استعمال نہ کی جائے تو نہ صرف ان کی افزائش پر اثر پڑے گا بلکہ ان میں یاد کرنے کی صلاحیتیں، ذہنی کارکردگی، جسمانی صلاحیتیں اور سماجی سرگرمیوں پر منفی اثر پڑ سکتا ہے۔

اکثر ٹین ایجرز میں یہ بات دیکھی گئی ہے کہ وہ ہر معاملہ میں اپنے بڑوں سے مختلف طور طریقہ اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بعض تو غذا کے سلسلے میں بھی اپنی انفرادیت برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اکثر نوجوان پسندیدگی کی بنیاد پر مختلف تجربات بھی کرتے ہیں، پھر سالہا سال تک ان کے اثرات میں جکڑے رہتے ہیں، اس قسم کے تجربات کو دل لبھانے والے تجربات بھی کہا جا سکتا ہے۔ بعض دفعہ زندگی سے لطف اندوز ہونے کا جنون دل کو خوش کرنے کے بجائے گویا خطرات سے دوستی کرنے پر بھی اکساتا ہے مثلاً تیز رفتاری سے موٹر سائیکل چلانا، ایک پہیہ پر موٹر سائیکل چلا کر اپنی اور دوسروں کی زندگی کو خطرہ میں ڈالنا.... وغیرہ وغیرہ۔

وقت گزاری کے لیے خطرے کا سامنا کرنے کی بجائے تعمیری کاموں کو اپنی زندگی کا مقصد بنا کر بھی نئے نئے تجربات کئے جا سکتے ہیں اور زندگی سے لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے۔ ان تجربات کے دوران جہاں زندگی کے بعض تعجب خیز پہلو سامنے آتے ہیں، وہیں بہت سے لمحات بھی اہم ہو جاتے ہیں اور سب سے اہم بات یہ کہ ان تجربات سے آپ اپنی بہت سی خامیوں پر بھی قابو پانے لگتے ہیں جسے یقیناً آئندہ زندگی کے لئے بہتری کی جانب ایک قدم کہا جا سکتا ہے۔

❄

پسند کی شادی

نوجوانوں کا حق یا والدین سے بغاوت

نائمہ عبداللہ

شادی چار لفظوں کا مجموعہ! بظاہر چھوٹا سا لفظ مگر بڑا معنی خیز، جاندار اپنے اندر ایک عجب طلسم و اسرار چھپائے ہوئے، گویا کشش کا ایک ہالہ ہے جو ہر جوان لڑکے اور لڑکی کو اپنے دائرے میں گھسیٹ لیتا ہے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے سنجیدہ سے سنجیدہ طبع افراد بھی شادی کا نام آتے ہی مسکرا دیتے ہیں یا شرما جاتے ہیں۔ ہر جوان لڑکا اور لڑکی اس لفظ کے سہارے سپنوں کی حسین دنیا میں کھو جاتے ہیں۔

شادی تحفظ کا احساس دلاتا ایک ایسا رشتہ ہے جس میں سب سے زیادہ اپنائیت کا احساس پنہاں ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ والدین کا طے کردہ رشتہ زیادہ کامیاب ہے یا محبت کی شادی....؟

ابھی تک ہمارا معاشرہ جوائنٹ فیملی یعنی مشترکہ خاندان کی صورت میں ہے۔ ہم مل کر رہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ الگ نہ ہونا پڑے۔ اس پس منظر میں ہمیں زندگی کے کئی اہم فیصلے مل کر اور والدین کی رضا مندی سے کرنا چاہئیں۔

ہم نے چند حضرات و خواتین سے ارینج میرج اور محبت کی شادی کے بارے میں دریافت کیا تو ان کی رائے یہ تھی۔

✿.... شائستہ ارینج میرج کے بارے میں کہتی ہیں۔ میری شادی سو فیصد ارینجڈ ہے حتیٰ کہ میں نے شاہد کو اور انہوں نے مجھے شادی کے روز ہی دیکھا تھا۔ ہم دونوں کے گھرانے مشرقی روایات کے پابند ہیں اس لیے نہ شادی سے قبل ہماری ملاقات ہوئی اور نہ ہی بات چیت ہوئی تھی!

اب میں نے اپنے بچوں کو آزادی دی ہوئی ہے کہ اگر ان کی کوئی پسند ہو تو وہ مجھے بتا دیں کیونکہ اب زمانہ بدل چکا ہے۔ ہماری نئی نسل آزادی چاہتی ہے ان کی سوچ، جذبات اور گفتگو ہم

سے قدرے جدا ہے۔

⊛.... فیاض اختر کی شادی کو پچیس سال گزر چکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں آج کل جو اندھا Love نظر آتا ہے میں اس کے سخت خلاف ہوں مخلوط تعلیمی اداروں نے پیار محبت کا مفہوم ہی بدل دیا ہے اور رہی سہی کسر انٹرنیٹ پر چیٹنگ نے پوری کردی ہے۔ انٹرنیٹ پر ایسی بے شمار Web Sites ہیں جہاں شادیوں کے لیے لڑکے لڑکیوں کے بائیو ڈیٹا موجود ہیں۔ کم عقل بچیاں بس بہکاوے میں آجاتی ہیں اور خود کو تباہ کر بیٹھتی ہیں۔

والدین کو چاہیے کہ اپنے بچوں کی تمام تر ایکٹیویٹیز پر نظر رکھیں۔

⊛.... رمشا بیگم کہتی ہیں ماشاء اللہ میری شادی کو اڑتیس سال پورے ہورہے ہیں۔ ان اڑتیس سالوں میں مجھے ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑا لیکن ایک گر جو میں اپنے پلو سے باندھ کر میکے سے رخصت ہوئی تھی وہ یہ تھا کہ "چپ" رہ کر ہر مشکل کا مقابلہ کرنا ہے۔

آج کل بچیاں خود کو بہت Bold سمجھتی ہیں ذرا ذرا سی باتوں کو رائی کا پہاڑ بنا دیتی ہیں۔ ہمیشہ وہی عورت کامیاب رہتی ہے جو بولنے سے پہلے تولتی ہے اور خاص طور پر شوہر کے خراب موڈ کے وقت! تو بات زیادہ اثر کرتی ہے ورنہ بسا بسایا گھر تباہ ہونے میں دیر نہیں لگتی۔

ارینجڈ میرج کے بارے میں فائزہ حسن کہتی ہیں۔ میں ارینجڈ میرج کے حق میں ہوں۔ دراصل ارینج میرج ساری ذمہ داریاں مثلاً لڑکے کے بارے میں بنیادی معلومات، سسرال والوں کے رویوں کے بارے میں اور گھر بار، نوکری کے متعلق چھان پھٹک کا ذمہ والدین کے سر ہوتا ہے اور کوئی بھی والدین اپنی اولاد کا برا نہیں چاہتے اور جبکہ عموماً کم عمر لڑکے لڑکیاں محبت میں مبتلا ہو کر والدین کی مرضی کے قطعی خلاف شادی کر لیتے ہیں۔ جب چند ماہ بعد آٹے دال کا بھاؤ پتہ چلتا ہے تو سارا نشہ ہرن ہو چکا ہوتا ہے۔

⊛.... کاشف احمد کی شادی کو دس سال ہو چکے ہیں۔ ان کی ارینج میرج ہے وہ کہتے ہیں والدین اور بہن بھائی سب مل کر رہتے ہیں میری شادی والدین اور سب بہن بھائیوں کی پسند ورضامندی سے ہوئی۔ ہم میاں بیوی کو جوائنٹ فیملی سسٹم میں تحفظ کا احساس رہتا ہے۔ وہ کہتے ہیں اگر خاندان کے افراد اچھے مزاج کے ہیں تو جوائنٹ فیملی سے بہتر اور کوئی سسٹم ہو ہی نہیں سکتا۔ میں جوائنٹ فیملی کا حصہ ہوں۔ جوائنٹ فیملی دراصل انسان کے اخلاق کی تربیت کرتی ہے اکٹھے اور مل جل کر رہنے میں جو لطف اور Attraction ہے وہ علیحدہ رہنے میں نہیں! اگر چھوٹی چھوٹی باتیں نظر انداز کردی جائیں تو اکٹھے رہنے کا اصل لطف میسر آتا ہے۔

⊛.... ارحم علی کا کہنا ہے کہ کسی زمانے میں لو میرج کو برا سمجھا جاتا تھا لیکن میں جب بھی اور آج بھی یہی سوچتا ہوں کہ اگر لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں تو اس میں برائی کیا ہے....؟ والدین کو چاہیے کہ محض اس وجہ سے رشتوں میں کیڑے نہ نکالیں کہ وہ ان کی بیٹی یا بیٹے کی پسند ہے۔ میرے نزدیک لو اور ارینجڈ دونوں اچھے ہیں۔ رشتوں کی پائیداری کا انحصار لو یا ارینجڈ پر نہیں بلکہ انسانی عادات، سوچ اور رویوں پر منحصر ہے اس میں قسمت

کا بھی بہت بڑا عمل دخل ہے۔

❁.... کلثوم کہتی ہیں میری لو میرج تھی میرے شوہر اور میں یونیورسٹی میں اکٹھے ہی پڑھتے تھے اس کے بعد بینک میں بھی ساتھ ہی کام کیا۔ مجھے نہیں یاد کہ ہمیں شادی کے لیے کسی مسئلے یا پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ میری خوش قسمتی ہے کہ عرفان جیسے قابل اور پیار کرنے والے شوہر ملے ہیں۔

❁.... فاخرہ کہتی ہیں میری لو میرج تھی۔ میں نے اپنی مرضی اور خوشی سے شادی کی تھی لیکن اس میں گھر والوں کی خوشی بھی شامل تھی۔ میں اور میرے شوہر ایک ساتھ کام کرتے تھے، ایک دوسرے کو پسند کیا پھر شادی کا سوچا۔ والدین نے بھی ہماری پسند کو قبول کرلیا۔ بس میں تو یہی کہوں گی کہ والدین بیٹیوں کے لیے اچھا بر تو ڈھونڈ لیتے ہیں لیکن آگے سب قسمت کے کھیل ہیں۔

ارینج اور لو میرج دونوں ہی بہتر ہیں۔ وقت اور حالات کے اعتبار سے کبھی لو میرج اور کبھی ارینج میرج کامیاب رہتی ہے۔

شادی ایسا فعل ہے جس میں جبر اور زبردستی نہیں کی جاسکتی جب اسلامی شرع میں اس بات کی اجازت دی گئی ہے تو والدین کا بھی یہ فرض ہے کہ اپنے بچوں کی شادی ان کی مرضی کے بغیر نہ کریں کیونکہ زندگی والدین کو نہیں بلکہ ان کی اولاد کو گزارنی ہے لیکن کچھ ماں باپ اولاد کی پسند کی شادی کو انا کا مسئلہ بنا کر ان کی زندگی کو تاریکیوں کے حوالے کردیتے ہیں۔

جیسے کہ دیکھنے میں آیا ہے کہ لڑکوں کی حد تک تو سب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ لڑکا اپنی پسند و ناپسند کا اظہار کرسکتا ہے۔ چاہے والدین کو لڑکی حسب نسب، حسن و سلیقہ میں کتنی ہی پسند کیوں نہ آجائے لڑکا اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرسکتا ہے مگر اکثر اوقات لڑکی کے معاملے میں معیار سرے سے تبدیل ہو جاتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں بعض گھرانوں میں رشتہ طے کرتے ہوئے لڑکی سے رائے طلب کرنے کا انداز کچھ اس طرح ہوتا ہے کہ فلاں لڑکے کا رشتہ تمہارے لئے آیا ہوا ہے اور ہم تمہاری شادی وہاں کرنا چاہتے ہیں۔ اب لڑکی کا جواب نفی میں ہو یا اثبات میں اس کا رشتہ وہیں طے کردیا جاتا ہے جہاں والدین چاہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ لڑکی کی شادی کا فیصلہ مکمل طور پر والدین کی پسند کا مرہون منت ہے خواہ اس پسند کی نوعیت کیسی ہی کیوں نہ ہو....؟ جبکہ بعض والدین تو بیٹی سے پوچھنا بھی گوارہ نہیں کرتے اور سارے معاملات طے کرنے کے بعد بیٹی کو آگاہ کردیتے ہیں کہ تمہاری شادی فلاں سے طے کردی گئی ہے۔ بہت سے علاقوں میں تو یہ حال ہے کہ جواں سال لڑکی کی شادی نابالغ یا سن رسیدہ بوڑھے سے کردی جاتی ہے مگر لڑکی کو رائے زنی کا موقع تک نہیں دیا جاتا اور بیٹی کی رائے زنی کو بے شرمی، بے حیائی اور نافرمانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض علاقوں میں تو بیٹی کو قتل کے قصاص کے طور پر دشمن قبیلے میں بیاہ دیا جاتا ہے۔ اب وہ چاہے لڑکی کے ساتھ کیسا ہی سلوک کریں کوئی ہمدردی کرنے والا نہیں ہوتا اور ایسے گھر میں اس سے ہمدردی کرے گا بھی کون....؟ جبکہ وہ لڑکی قاتل کی قریبی رشتے دار ہو۔

یہ تو حال رہا دیہی علاقوں میں لڑکیوں کی شادی کا.... ہمارے بہت سے شہری گھرانوں میں بھی لڑکی کی رائے معلوم کرنے کا مطلب صرف اپنے فیصلے پر

ہاں میں جواب حاصل کرنا ہوتا ہے۔ لڑکی انکار کردے تو اسے بھی کم و بیش اتنے ہی سخت و تلخ رویوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جتنا کہ دیہات یا پسماندہ قصبات کی لڑکی کو۔ خاندان بھر میں وہ لڑکی زبان دراز مشہور ہو جاتی ہے اور زبان درازی کا ٹھپہ شادی ہونے کے بعد بھی اس پر لگا رہتا ہے۔ اگر کوئی لڑکی کسی سہیلی یا بہن کے ذریعے اپنا مطمع نظر واضح کرنے کی کوشش کرے تو اسے یہ کہہ کر خاموش کردیا جاتا ہے کہ شریف گھرانوں کی لڑکیاں والدین کی نافرمانی نہیں کیا کرتیں۔ اگر لڑکی کا احتجاج شدت اختیار کرلے تو اس کو ذہنی اور بعض صورتوں میں جسمانی طور پر تارچر بھی کیا جاتا ہے۔

شادی کی کامیابی کے لیے درج ذیل عوامل کا خیال رکھا جائے تو رشتے کامیاب ہوسکتے ہیں۔

رشتے والدین ہی طے کریں مگر رشتے طے کرنے سے پہلے اولاد کی پسند بھی معلوم کریں اور اولاد کی مرضی کو پیش نظر رکھیں۔

شرعی اعتبار سے فریقین کی مرضی شامل ہو اور کسی کے ساتھ جبر یا زیادتی نہ ہو رہی ہو کیونکہ اگر رشتہ دل سے قبول نہ کیا گیا ہو تو ایسی شادی کامیاب نہیں ہوتی۔ شادی سے پہلے فریقین کا اچھی طرح جائزہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ دونوں گھرانوں کے ماحول اور مزاجوں میں یکسانیت پائی جاتی ہے یا نہیں۔

لڑکے اور لڑکی کو اپنی پسند اور ناپسند کا اظہار اپنے والدین کے سامنے کردینا چاہیے یا کسی کے ذریعے اپنی بات والدین تک پہنچا دینا چاہیے۔

شادی کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا بھی اہم ہوتا ہے کہ دونوں خاندان مالی اور سماجی لحاظ سے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں ان میں بہت زیادہ فرق نہ ہو۔

شادی کو عدم مطابقت سے بچانے کے لیے کبھی بھی غلط بیانی سے کام نہیں لینا چاہیے بلکہ دونوں فریقین کو چاہیے کہ صحیح حقائق و صورتحال ایک دوسرے کو بتاویں۔

بقیہ: نوجوانوں کے مسائل....

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلیں اور حاسدوں کے شر اور شرارتوں سے حفاظت کے لیے دعا کریں۔

❁.... سستی و کاہلی۔ کام میں دل نہ لگنا:

صبح شام اکتالیس مرتبہ سورہ حم السجدہ (41) کی آیت نمبر 36

وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○

گیارہ گیارہ بار درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلیں اور دعا کریں۔ کم از کم چالیس روز تک یہ عمل کریں۔

ملازمت نہیں کام ڈھونڈیے

ایک سچے واقعے میں چھپا بے روزگار نوجوانوں کے لیے راہنما مشورہ۔

مہمان کالم

جاوید چوہدری

نوجوان کی آنکھوں میں آنسو آگئے، تو اس نے پلکوں پر رومال رکھ لیا۔ چند لمحوں کے لیے ماحول پر خاموشی چھاگئی۔ کوئی اور ہوتا تو اس کی بھی یہی حالت ہوتی۔ ایک لمحے کے لیے سوچیے کہ آپ نے اچھے نمبروں سے ایم بی اے کیا ہے اور آپ صحت مند اور خوبصورت جوان ہیں، لیکن ملازمت کے لیے جہاں درخواست دیں، آپ کو صاف جواب مل جاتا ہے۔ بتائیے آپ پر کیا گزرتی، آپ کا ردعمل کیا ہوتا....؟ اس عالم سے گزرنے والا یہ نوجوان اسی لیے بری طرح داخلی ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔

میں نے اسے بغور دیکھا اور پھر بولا "میں تمھیں ایک کہانی سنانا چاہتا ہوں۔"

اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں تحیر اور بے بسی تھی۔ میں بولنے لگا۔

"جنوبی افریقہ کے شہر کیپ ٹاؤن کی طبی یونیورسٹی کو طب کی دنیا میں ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ دنیا کا پہلا بائی پاس آپریشن اسی یونیورسٹی میں ہوا تھا۔ اس یونیورسٹی نے تین سال قبل ایک ایسے سیاہ فام شخص کو ماسٹر آف میڈیسن، کی اعزازی ڈگری دے رہے ہیں جس نے سب سے زیادہ سرجنوں کو تربیت دی ہے۔ جو ایک غیر معمولی استاد اور ایک حیران کن سرجن ہے اور جس نے طبی سائنس اور انسانی دماغ کو حیران کر دیا۔

"اس اعلان کے بعد پروفیسر نے ہیملٹن کا نام لیا۔ سبھی لوگوں نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔ یہ اس یونیورسٹی کی تاریخ کا سب سے بڑا استقبال تھا۔

نوجوان چپ چاپ میری باتیں سنتا رہا۔ میں کچھ لمحے خاموش رہا اور پھر بات کا آغاز کیا

"ہیملٹن جنوبی افریقہ کے ایک دور دراز گاؤں، سینٹانی میں پیدا ہوا۔ اس کے والدین چرواہے تھے۔ وہ بکری کی کھال پہنتا اور سارا سارا دن پہاڑوں پر ننگے پاؤں پھرتا رہتا۔ بچپن میں اس کا والد بیمار ہو گیا، لہٰذا وہ بھیڑ بکریاں چرانا چھوڑ کر کیپ ٹاؤن آگیا تاکہ کمائی کرکے گھر بھیجے۔

"ان دنوں کیپ ٹاؤن یونیورسٹی میں تعمیرات جاری تھیں، وہ یونیورسٹی میں مزدور بھرتی ہو گیا۔ اسے دن بھر کی محنت مشقت کے بعد جتنی رقم ملتی وہ گھر بھجوا دیتا اور خود چنے چبا کر کھلے میدان میں سو جاتا۔ وہ برسوں مزدور کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ تعمیرات کا سلسلہ ختم ہوا، تو اسے یونیورسٹی میں بطور مالی ملازمت مل گئی۔"

اسے ٹینس کورٹ کی گھاس کاٹنے کا کام ملا۔ وہ روز مقررہ جگہ پہنچتا اور گھاس کاٹنا شروع کر دیتا۔ وہ تین

برس تک یہ کام کرتا رہا۔ پھر اس کی زندگی میں ایک عجیب موڑ آیا اور وہ طبی سائنس کے اس مقام تک پہنچ گیا جہاں آج تک کوئی دوسرا شخص نہیں پہنچا تھا۔ یہ ایک نرم اور گرم صبح تھی۔"

نوجوان سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، وہ اس داستان میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ میں نے بیان جاری رکھا

"اسی یونیورسٹی کے ایک ڈاکٹر، پروفیسر رابرٹ جوئز زرافے پر تحقیق کر رہے تھے۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ جب زرافہ پانی پینے کے لیے گردن جھکاتا ہے، تو اسے غشی کا دورہ کیوں نہیں پڑتا....؟ انہوں نے آپریشن والی میز پر ایک زرافہ لٹایا اور اسے بے ہوش کر دیا لیکن جوں ہی آپریشن شروع ہوا، زرافے نے گردن ہلا دی۔ چنانچہ انہیں ایک ایسے مضبوط شخص کی ضرورت پڑی جو دوران آپریشن زرافے کی گردن جکڑ کر رکھے۔

"پروفیسر تھیٹر سے باہر آئے، سامنے ہیملٹن گھاس کاٹ رہا تھا۔ پروفیسر نے دیکھا کہ وہ صحت مند جوان ہے۔ انہوں نے اسے بلایا اور زرافے کی گردن پکڑنے کا حکم دیا۔ ہیملٹن نے گردن پکڑ لی۔ آپریشن آٹھ گھنٹے جاری رہا۔ اس دوران ڈاکٹر چائے اور کافی پینے کے لیے وقفے کرتے رہے لیکن ہیملٹن زرافے کی گردن تھامے کھڑا رہا۔

"آپریشن ختم ہوا تو وہ چپ چاپ باہر نکلا اور گھاس کاٹنے لگا۔ دوسرے دن پروفیسر نے اسے دوبارہ بلا لیا، وہ آیا اور زرافے کی گردن پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر یہ اس کا معمول بن گیا۔ وہ یونیورسٹی آتا، آٹھ دس گھنٹے آپریشن تھیٹر میں جانوروں کو پکڑتا اور پھر ٹینس کورٹ کی گھاس کاٹنے لگتا۔ وہ کئی ماہ یہ دونوں کام کرتا رہا۔ اس نے اضافی کام کا معاوضہ طلب کیا نہ ہی شکایت کی۔

"پروفیسر رابرٹ جوئز ہیملٹن کی استقامت اور اخلاص سے متاثر ہوا۔ اس نے اسے مالی سے، لیب اسسٹنٹ، کا عہدہ دے دیا۔ یوں ہیملٹن کی ترقی ہو گئی۔ وہ اب یونیورسٹی آتا، آپریشن تھیٹر پہنچتا اور سرجنوں کی مدد کرتا۔ یہ سلسلہ بھی برسوں جاری رہا۔

"وہ ڈاکٹر برنارڈ کا کام غور سے دیکھتا رہتا۔ ان آپریشنوں کے دوران وہ نائب سے ایڈیشنل سرجن بن گیا۔ اب ڈاکٹر آپریشن کر لیتے، تو ٹانکے کا فریضہ اسے سونپ دیتے۔ وہ انتہائی شاندار ٹانکے لگاتا۔ اس کی انگلیوں میں صفائی اور تیزی تھی۔ اس نے ایک دن میں پچاس پچاس مریضوں کے ٹانکے لگائے۔ رفتہ رفتہ وہ سرجنوں سے زیادہ انسانی جسم کو سمجھنے لگا چنانچہ بڑے ڈاکٹروں نے جونیئر ڈاکٹروں کو سرجری سکھانے کی ذمہ داری اسے سونپ دی۔

"ہیملٹن اب نوخیز ڈاکٹروں کو آپریشن کی تکنیک سکھانے لگا۔ آہستہ آہستہ وہ یونیورسٹی کی اہم شخصیت بن گیا۔ حالانکہ وہ طبی سائنس کی اصطلاحات سے ناواقف لیکن دنیا کے بڑے بڑے سرجنوں سے بہتر سرجن تھا۔

1970ء میں اس کی زندگی میں تیسرا اہم موڑ آیا، اس سال جگر پر تحقیق شروع ہوئی، تو اس نے دوران آپریشن جگر کی ایسی شریان کی نشاندہی کی جس کے باعث جگر کی منتقلی آسان ہو گئی۔

اس نشاندہی نے طبی سائنس کے بڑے بڑے دماغوں کو حیران کر دیا۔ آج بھی جب دنیا کے کسی کونے میں کسی مریض کے جگر کا آپریشن ہوتا اور وہ آنکھ کھول کر روشنی دیکھ لے، تو اس کامیاب آپریشن کا ثواب براہ

راست ہیملٹن کو جاتا ہے، اس کا محسن ہیملٹن ہوتا ہے۔

یہاں پہنچ کر میں سانس لینے کے لیے رک گیا۔

نوجوان میری باتوں غور سے سن رہا تھا۔ گہرا سانس لے کر میں پھر بولنے لگا "ہیملٹن نے یہ مقام اخلاص اور استقامت سے حاصل کیا تھا۔ وہ پچاس برس کیپ ٹاؤن یونیورسٹی سے وابستہ رہا اور اس دوران اس نے کبھی چھٹی نہیں کی۔ وہ کئی برس تک رات تین بجے گھر سے نکلتا، چودہ میل چل کر ہوا یونیورسٹی پہنچتا اور ٹھیک چھ بجے آپریشن تھیٹر میں داخل ہو جاتا۔ لوگ اس کی آمد کے وقت سے اپنی گھڑی ٹھیک کرتے تھے۔ ان پچاس برسوں میں اس نے کبھی تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ کیا نہ کبھی اوقات کار کی طوالت اور سہولتیں میں کمی کا شکوہ۔

"آخر اس کی زندگی میں ایسا وقت آیا جب اس کی تنخواہ اور مراعات یونیورسٹی کے وائس چانسلر سے بھی زیادہ ہو گئیں۔ اسے وہ اعزاز ملا جو آج تک طبی سائنس کے کسی شخص کو نہیں ملا.... وہ طب کی تاریخ کا پہلا ان پڑھ استاد بن گیا۔ وہ پہلا ان پڑھ سرجن ہے جس نے زندگی میں تیس ہزار سرجنوں کو عملی تربیت دی۔ وہ 2005ء میں فوت ہوا، تو اسے یونیورسٹی میں دفن کیا گیا۔ یونیورسٹی سے کامیاب ہو کر نکلنے والے سرجنوں کے لیے اب لازم قرار دیا گیا ہے کہ ڈگری لینے کے بعد اس کی قبر پر جائیں، تصویر بنوائیں اور پھر اس کے بعد عملی زندگی میں داخل ہوں۔"

میں رکا اور نوجوان سے پوچھا "تم جانتے ہو اس نے یہ مقام کیسے حاصل کیا....؟"

نوجوان نے نفی میں سر ہلایا، تو میں مسکراتے ہوئے بولا "صرف ایک ہاں سے، اسے زرافے کی گردن پکڑنے کے لیے آپریشن تھیٹر بلایا گیا تھا۔ اگر وہ انکار کر کے یہ کہتا کہ میں مالی ہوں، میرا کام زرافوں کی گردنیں پکڑنا نہیں، تو مرتے دم تک مالی ہی رہتا۔ یہ اس کی ایک ہاں اور آٹھ گھنٹے کی اضافی مشقت تھی جس نے اس کے لیے کامیابی کے دروازے کھول دیے اور وہ سرجنوں کا سرجن بن گیا۔"

نوجوان خاموشی سے یہ داستان سن رہا تھا۔ میں نے اسے بتایا "ہم میں سے زیادہ تر لوگ زندگی بھر ملازمت تلاش کرتے رہتے ہیں حالانکہ ہمیں کام تلاش کرنا چاہیے۔"

نوجوان نے بغور میری طرف دیکھا، میں نے کہا "ہر ملازمت جانچنے کی کسوٹی ہوتی ہے۔ یہ ملازمت صرف اسی شخص کو ملتی ہے جو کسوٹی پر پورا اترے۔ اس کے برعکس کام کوئی کسوٹی نہیں ہوتی۔ میں اگر چاہوں، تو چند منٹ میں دنیا کا کوئی بھی کام شروع کر سکتا ہوں اور کوئی طاقت مجھے یہ قدم اٹھانے سے روک نہیں سکتی۔ ہیملٹن یہ راز پا گیا تھا لہٰذا اس نے ملازمت کے بجائے کام کو فوقیت دی۔ یوں اس نے طبی سائنس کی تاریخ بدل دی۔ ذرا سوچو، اگر وہ سرجن کی ملازمت کے لیے درخواست دیتا تو کیا وہ سرجن بن سکتا تھا....؟ کبھی نہیں، لیکن اس نے کھرپہ پیچھے رکھا، زرافے کی گردن تھامی اور سرجنوں کا سرجن بن گیا۔"

میں نے رک کر اسے غور سے دیکھا اور پھر ہر لفظ تولتے ہوئے کہا:

"تم اس لیے بے روزگار اور ناکام ہو کہ تم ملازمت تلاش کر رہے ہو، کام نہیں، جس دن تم نے ہیملٹن کی طرح کام شروع کر دیا تم نہ صرف بڑے اور کامیاب انسان بن جاؤ گے بلکہ نوبل انعام حاصل کر لو گے۔"

❄

چھے چھکا بتّیس

6 × 6 = 32

اشفاق احمد

اب مجھے ٹھیک سے یاد نہیں کہ وہ کس کا عہد حکومت تھا لیکن کسی بادشاہ کا دور تھا۔ پتا نہیں وہ آمریت کا بادشاہ تھا یا جمہوریت کا بادشاہ تھا یا بادشاہت ہی کا بادشاہ تھا لیکن تھا بہت منہ زور اور مطلق العنان حاکم۔ مگر اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ اپنی مرضی کی زندگی بسر کرتا تھا اور رعایا کو تنگ نہیں کرتا تھا۔ عوام جس طرح چاہیں رہیں، جیسی چاہیں زندگی گزاریں، جن حالوں سے گزریں وہ ان میں دخل نہیں دیتا تھا۔ بس عوام سے پرے رہ کر ہر حال میں خوش تھا!

اس بادشاہ کے دور میں ہمارے یہاں اکنامکس کے ایک پروفیسر تھے۔ یہ تھے تو ایک مضافاتی کالج کے استاد لیکن ان کی دانش کا شہرہ دور دور تک پہنچا ہوا تھا۔ اقتصادیات کا مشکل سے مشکل مسئلہ چنے کی گھیل کی طرح چھیل کر ہتھیلی پر رکھ دیتے تھے اور شک وشبہ کا چھلکا پھونک مار کر اڑا دیتے تھے۔ میں نے ایک مرتبہ خود ان سے اقتصادیات کے تکلیف دہ اور ٹیڑھے سوال پوچھے تھے اور پر سکون دل اور مفرح دماغ لے کر واپس گھر آیا تھا۔

میں نے ان سے پوچھا تھا کہ جب لوگوں کے پاس بہت پیسہ ہو جاتا ہے اور وہ بے حد امیر ہو جاتے ہیں اور ان کے شہروں، علاقوں اور ملکوں میں دولت کی افراط ہو جاتی ہے تو وہ غریب کیوں ہو جاتے ہیں

پروفیسر صاحب چھ ضرب چھ کو چھتیس کے بجائے بتیس سمجھتے تھے اور چھ چھکے چھتیس کہنے کے بجائے چھ چھکے بتیس ہی کہتے تھے۔ انہیں پختہ یقین تھا کہ چھ ضرب چھ چھتیس نہیں ہوتے بلکہ بتیس ہوتے ہیں اور جو لوگ انہیں چھتیس سمجھتے ہیں وہ غلط سمجھتے ہیں اور حماقت کا اظہار کرتے ہیں!..... جب ان پروفیسر سے چھ چھکے بتیس ہونے کا ثبوت مانگتے تو وہ کہتے "میں اس کی کوئی وجہ بیان نہیں کر سکتا، عین اس طرح جس طرح ہم سارے ریاضیاتی قاعدوں اور کلیوں کی کوئی وجہ بیان نہیں کر سکتے۔ جب ان کے اس دعوے پر پروفیسروں نے انہیں منطق پر عام سوال حل کرنے کے لیے دیے اور انہوں نے، ان کے سامنے، بڑی آسانی کے ساتھ سارے سوالوں کے جواب چھ ضرب چھ بتیس مان کر نکال دیے تو پروفیسروں کی سٹی گم ہو گئی۔

اور اس علاقے کو افراط زر کا مارا ہوا علاقہ کیوں مشتہر کیا جاتا ہے اور دوسرے ملکوں کے شہریوں کو اس "افراط زر زدہ" علاقے سے دور رہنے کی ہدایت کیوں کی جاتی ہے....؟

پھر میں نے ان سے یہ بھی پوچھا تھا کہ دنیا کے مانے ہوئے سو ماہرین اقتصادیات دنیا کو مہنگائی سے بچا سکتے ہیں....؟

کیا قرض لینا ایک چھوت کی بیماری ہے جو عام شہریوں کو اپنی حکومت سے لگ جاتی ہے....؟ اور کیا معیار زندگی بلند ہونے سے انسان میں درندگی کی صفات پھر سے پیدا ہو جاتی ہیں....؟ اور وہ لوٹ کر پھر پتھر اور وحشت کے زمانے کی طرف مراجعت کر جاتا ہے....؟

پروفیسر صاحب نے مجھے سامنے بٹھا کر ایک طویل مگر دلچسپ اور خیال انگیز لیکچر دیا اور میرے کچے ذہن کی دھونسی ہوئی چھت سے بہت سے جالے دور کر دیے!

پروفیسر ساحتی بہت ہی خوش گوار، رحم دل، سادہ مزاج اور ذہین استاد تھے جن کا اپنے ساتھی استادوں اور ہمعصر لیکچرروں سے ایک الگ تعلق تھا اور وہ ہر مسئلے پر بڑی گہرائی کے ساتھ غور کرنے کے عادی تھے۔ اس غور و فکر نے ان کی فردیت میں ایک عجیب طرح کی شان استغنا پیدا کر دی تھی اور وہ مشکل سے مشکل حالات سے اسکاؤٹوں کی طرح سیٹی بجاتے ہوئے گزر جاتے تھے۔

پروفیسر ساحتی کے مائیکرو اقتصادیات پر لکھے ہوئے تحقیقی مقالے زیادہ تر غیر ملکی پرچوں میں چھپتے تھے اور ان کے انگریزی مضامین کا یورپ کی دوسری زبانوں میں ساتھ ہی ترجمہ ہو جاتا تھا۔ ہر سال کم از کم ایک مرتبہ ان کو ملک سے باہر ضرور جانا پڑتا۔ کبھی کسی سیمینار میں شرکت کے لیے، کبھی اپنے ایکسٹینشن لیکچروں کے سلسلے میں اور کبھی کسی ملک کی حکومتی دعوت پر جو اپنے مالی شعبہ اور اقتصادی سیٹ اپ میں تبدیلی کی خواہاں ہوتی تھی۔ اسی طرح اپنے ملک کی مختلف یونیورسٹیوں میں جب کہیں اور جہاں کہیں کسی اقتصادی ورکشاپ کا قیام ہوتا، اس کے افتتاح کے لیے پروفیسر صاحب کو ضرور زحمت دی جاتی۔

پروفیسر ساحتی میں یوں تو ایک اسکالر کی ساری خوبیاں موجود تھیں اور وہ اپنے مضمون کے علاوہ دوسرے موضوعات پر بھی حاوی تھے اور اپنے ساتھیوں کی بڑے کھلے دل سے راہنمائی کرتے تھے اور ان کے ساتھی ان کو نوبل لاریٹ کا درجہ دیتے تھے لیکن اس سارے تبحر علمی اور دانش برہانی کے باوجود ان میں سے ایک ایسی چھوٹی سی کمی تھی جس نے ان کے سارے ہمعصر استادوں، تمام ملنے والوں اور گھر کے ہر شخص کو الجھن میں مبتلا کر رکھا تھا بلکہ اگر الجھن کے بجائے انہیں شرمندگی میں مبتلا کر رکھا تھا کہیں گے تو زیادہ مناسب ہو گا۔

پروفیسر صاحب چھ ضرب چھ کو چھتیس کے بجائے بتیس لکھتے تھے اور چھ چھکے چھتیس کہنے کے بجائے چھ چھکے بتیس ہی کہتے تھے۔ انہیں پختہ یقین تھا کہ چھ ضرب چھ چھتیس نہیں ہوتے بلکہ بتیس ہوتے ہیں اور جو لوگ انہیں چھتیس سمجھتے ہیں وہ غلط سمجھتے ہیں اور حماقت کا اظہار کرتے ہیں!

اس مسئلے پر کئی مرتبہ ان کی ریاضیات کے پروفیسروں سے بحث بھی ہوئی اور فزکس کے

استادوں کے ساتھ جھگڑا بھی ہوا۔ شماریات والوں نے بھی احتجاج کیا اور کمپیوٹر سائنس والوں نے بھی مختلف کمپیوٹروں پر انہیں بار بار ملٹی پلائی کرکے دکھایا لیکن ان کی تسلی نہ ہوئی۔ تسلی ہونا تو ایک طرف، انہوں نے اس ایکولیشن کو تسلیم ہی نہیں کیا۔

لیکن جب ان کے مد مخالف گروہ نے پروفیسر ساحتی سے چھ چھکے بتیس ہونے کا ثبوت مانگا تو انہوں نے کہا "میں اس کی کوئی وجہ بیان نہیں کرسکتا، عین اس طرح جس طرح ہم سارے ریاضیاتی قاعدوں اور کلیوں کی کوئی وجہ بیان نہیں کرسکتے۔ لیکن میں اپنے اس پہاڑے کے زور پر سارے سوالوں کے صحیح جواب نکال سکتا ہوں اور آپ کی تشفی کرسکتا ہوں۔" ان کے اس جواب دعوے پر پہلے تو ان کے ساتھ پروفیسروں نے انہیں اپنی مہانی کی منطق پر عام سوال حل کرنے کے لیے دیے اور جب انہوں نے، ان کے سامنے، بڑی آسانی کے ساتھ سارے سوالوں کے جواب چھ ضرب چھ بتیس مان کر نکال دیے تو پروفیسروں کی سٹی گم ہوگئی۔ پھر ان لوگوں نے پروفیسر ساحتی کو کچھ مشکل اور پیچیدہ سوال دیے اور جب انہوں نے وہ بھی اپنے حساب سے حل کرکے دکھادیے تو پھر انہیں فکر پڑی اور یہ معاملہ فزکس کے پروفیسروں تک پہنچادیا گیا۔ فزکس کے پروفیسروں نے کشش، رفتار، روشنی اور ولاسٹی کے سوال لے کر کہا "ساحتی صاحب ذرا دھیان رکھنا، ذرا سی بھی غلطی ہوگئی تو شٹل نے زمین پر گرجانا ہے اور ہزاروں جانوں کا نقصان ہوجانا ہے۔"

پروفیسر ساحتی نے مسکرا کر کہا "کوئی بات نہیں جی، اللہ فضل کرے گا۔ اللہ مہربانی کرے گا۔" پھر انہوں نے چھ ضرب چھ کو بتیس مان کر حرکیات کے ایک پیچیدہ مسئلے کو جو حل کرنا شروع کیا تو پندرہ بیس منٹ میں مفروضے کے ریوڑ کے گرد گڈریے کی طرح چکر لگا کر ٹھیک سے رکے اور کھٹ سے اس کا جواب نکال رک سامنے رکھ دیا۔

پروفیسر شفیق نے کہا "سر! یہ جو بتیس میں چار کی کمی رہ جاتی ہے وہ آپ کس طرح سے پوری کرتے ہیں....؟"

پروفیسر ساحتی نے خوش ہوکر شفیق صاحب کی پیٹھ ٹھونکی اور کہا "مقام شکر ہے کہ کسی نے پوچھا تو ہے ورنہ ابھی تک تو سارے میرے ساتھ لڑتے ہی رہے ہیں۔"

پھر انہوں نے فزکس کے پروفیسر اور شماریات کے پروفیسر جواد کو ساتھ بٹھا کر اپنا فارمولا سمجھانا شروع کردیا۔

پروفیسر صاحب اپنی ساری بین الاقوامی شہرت کے باوصف پچھلے اٹھارہ برس سے لیکچرر ہی چلے آرہے تھے اور یہ ساری مدت انہوں نے بہاول نگر کے کالج میں ہی گزار دی تھی۔

جب کبھی پبلک سروس کمیشن کے انٹرویو کا زمانہ آتا اور لیکچرروں کے اسسٹنٹ پروفیسر بننے کے چانس قریب آتے تو پروفیسر ساحتی بھی اعلیٰ درجے کا سوٹ زیب تن کیے، غیر ملکی رسالوں میں اپنے چھپے مقالوں کا پلندہ اٹھائے اور غیر ملکی حکومتوں کے شکریے کے خطوں کے فائل بغل میں دبائے انٹرویو کے لیے پہنچ جاتے۔

لیکن پروفیسر صاحب کے حاسد اور بدخواہ ہمعصر استاد انٹرویو کے ہر ممبر کو ایک چھوٹی سی چٹ

لکھ کر اندر بھجوا دیتے کہ پروفیسر ساحتی سے انٹرویو کے دوران یہ ضرور پوچھیے گا کہ چھ چھکے کتنے ہوتے ہیں، اس سے آپ کو ان کی دماغی حالت کا خود ان کی زبانی پتا چل جائے گا۔

پروفیسر صاحب انٹرویو دے کر ہمیشہ خوش خوش باہر نکلتے اور گھر والوں کو جا کر کامیابی کا مژدہ سناتے لیکن نتیجہ نکلنے پر وہ لیکچرر رہ جاتے۔ انٹرویو کے آخر میں ان سے ہر بار "چھ چھکے" پوچھا جاتا اور وہ ہر مرتبہ چھتیس بتا کر گھر واپس آجاتے۔

ایک مرتبہ جب پروفیسر ساحتی سوڈان میں اسلامک اکنامکس پر چھ لیکچر دے کر واپس لوٹے تو انہوں نے محسوس کیا کہ وہ ایک دم سے ایک باعزت اور قابل توجہ شخصیت بن گئے ہیں اور ان کی نگرانی ہونے لگی ہے۔ کالج میں، کلاس کے اندر، گھر سے باہر، کھلے میدان میں جہاں کہیں وہ جاتے، ایک سایہ سا اپنے قرب و جوار میں محسوس کرتے، وہ تو اس سائے کو اپنی عزت افزائی پر محمول کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ بڑے آدمیوں کے سائے بھی لمبے مستقیم کا قطر ہوتے ہیں لیکن اصل یہ بات نہیں تھی۔ وہ لمبا سایہ ان کا اپنا نہیں تھا بلکہ لمبے ہاتھوں والے کا سایہ تھا۔

انہی دنوں ہمارے بادشاہ کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے اپنے غیر ملکی سفیروں کے لیے روپے کی شدید ضرورت آپڑی تھی۔ وہ لگان لگا کر اور ڈنڈ بھجوا کر اپنی رعایا سے اتنی رقم نکلوا سکتا تھا لیکن اس عمل سے اس کی رعایا کے ختم ہو جانے کا اندیشہ تھا اور چونکہ اس کی آمدنی کا واحد ذریعہ اس کے عوام تھے اس لیے بادشاہ نے اب کی مرتبہ قرض لینے کی ٹھانی۔

اس نے ادھر ادھر قاصد دوڑائے اور قرض دینے والوں نے اس کی طرف گماشتے بھگائے اور جب یہ دونوں بھاگ بھاگ کر ہانپنے لگے تو انہوں نے مشترکہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ بادشاہ سلامت کو ورلڈ بنک سے قرض لے دیتے ہیں۔ ایک تو یہ قرضہ بادشاہ سلامت کی ضرورت سے دو گنا ہوگا کہ ورلڈ بنک ایک خاص تعداد سے کم قرض جاری رکھنے سے معذور ہے، دوسرے اس قرض پر سود بہت کم ہوگا جو ہر سال اضافے کے لیے بادشاہ سلامت سے منظوری لے کر اصل زر میں داخل کیا جاتا رہے گا۔

بادشاہ سلامت کو یہ تجویز بہت پسند آئی اور انہوں نے قرضہ جاری کرنے کی درخواست دے دی۔ تین دن کے اندر ان کی درخواست منظور ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی قرضہ جاری کرنے کے احکامات صادر کر دیے گئے۔ لیکن....!

قرضے کی رقم پہنچنے کے بجائے بادشاہ سلامت کے پاس ورلڈ بنک کے تین سفارتی نمائندے پہنچ گئے جن کا تعلق امریکا، انگلستان اور بلجیم سے تھا۔ انہوں نے بڑے ادب کے ساتھ جھک کر بادشاہ سلامت کو سلام کیا اور اپنے کاغذات ان کی خدمت میں پیش کر دیے۔

وزیر خزانہ نے بادشاہ کے حکم سے اس مختصر نامے کو بھرے دربار میں سنانا شروع کر دیا۔ لکھا تھا کہ ورلڈ بنک بادشاہ سلامت کی ضرورت اور خواہش کے مطابق ان کے قرضے کی رقم بھجوا رہا ہے اور کرنسی کا انتخاب انہی پر چھوڑتا ہے کہ جس ملک کی کرنسی میں چاہیں رقم لے لیں اور جس لمحہ چاہیں یہ رقم اپنے تصرف میں لے آئیں لیکن اس کے لیے

انہیں ایک اہم شرط کی تکمیل کرنی پڑے گی اور وہ یہ ہے کہ اس قرضے کی پوری رقم، اصل مع سود، ادا ہونے تک پروفیسر ساحتی کو قید کر کے کڑے پہرے میں رکھا جائے گا۔ کسی کو ان سے ملنے نہیں دیا جائے گا۔ اس شرط پر وزیر خزانہ رک گیا تو بادشاہ سلامت نے حیرت سے پوچھا ''یہ پروفیسر ساحتی کون ہے....؟"

وزیر خزانہ نے سر جھکا کر کہا "ایک ٹیچر ہے سر، بہاول نگر کالج میں اکنامکس پڑھاتا ہے اور اٹھارہ سال کی سروس کے بعد ابھی تک لیکچرر ہی ہے۔"

"کیوں لیکچرر کیوں ہے....؟ بادشاہ سلامت نے پوچھا۔

وزیر خزانہ نے مسکرا کر اور کھسیانی ہنسی ہنس کر کہا "وہ ذرا تجیوطا الحواس سا شخص ہے عالم پناہ اور اس کے ذہن میں ایک ٹیڑھ پیدا ہو گئی ہے۔"

"ٹیڑھ پیدا ہو گئی ہے!" بادشاہ سلامت نے حیرانی سے پوچھا۔

"جی سر!" فنانس منسٹر نے سر جھکا کر کہا "وہ چھ چھک چھتیس کے بجائے چھ چھک بتیس بتاتا ہے اور چھ ضرب چھ کا حاصل ضرب بتیس ہی سمجھتا ہے۔"

"اور وہ اب تک کالج میں پڑھا رہا ہے۔" بادشاہ نے غصے سے پوچھا۔

"جی سر" وزیر خزانہ نے ذرا سا رک کر کہا "ہم نے وزیر تعلیم سے بات کی تھی اور یہ سقم ان کے نوٹس میں لائے تھے لیکن انہوں نے کمیٹی رپورٹ کے بعد اور پھر خود انٹرویو کر کے یہ فیصلہ دیا کہ پروفیسر مذکورہ کے ذہن میں سوائے اس معمولی سی الجھن کے اور کوئی خرابی نہیں۔ وہ بہت پڑھے لکھے اور عالمی شہرت کے ماہر اقتصادیات ہیں۔ اس لیے انہیں رہنے دیا جائے۔"

"یہ بہت بڑی خرابی ہے یور مجسٹی" بینک کے بلجیئن نمائندے نے کہا "یہ معمولی الجھن نہیں ہے جیسا کہ وزیر خزانہ سمجھ رہے ہیں۔ یہ ایک سنجیدہ اور خطرناک عارضہ ہے۔"

"جو آگے بڑھ کر ایک وبائی صورت اختیار کر سکتا ہے۔" بینک کے انگلستانی نمائندے نے بات کاٹ کر کہا۔

وزیر خزانہ نے وضاحت کرنے کے لیے ہاتھ اوپر اٹھایا تو بینک کے انگلستانی نمائندے نے مسکرا کر کہا:

"پروفیسر صاحب کی یہ خرابی جسے وزیر خزانہ صاحب معمولی الجھن کہہ رہے ہیں۔ ہمارے آپ کے تعلقات کی سب سے بڑی الجھن بن سکتی ہے۔"

"الجھن بن سکتی ہے!" بادشاہ نے نگاہیں اوپر اٹھا کر اونچی آواز میں دہرایا۔

"نہیں حضور" وزیر خزانہ نے ڈرتے ہوئے کہا "یہ ان کا وہم ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں۔"

بینک کے امریکی نمائندے نے نفی میں سر ہلایا گویا کہہ رہا ہو کہ وزیر خزانہ صاحب کی یہ بات کم علمی پر مبنی ہے۔

انگلستان کے نمائندے نے کہا "یور رائل مجسٹی کو اچھی طرح سے معلوم ہے کہ عام چالو سوچ سے الگ ہو کر سوچنے والا آدمی مملکت کے لیے اور حکومت کے لیے کس قدر خطرناک ہوا کرتا ہے۔ اس کی مختلف قسم کی سوچ کی ذرا سی چنگاری ساری بادشاہت کو جلا کر بھسم کر سکتی ہے۔ اس لیے ہم

پروفیسر ساحق کے اس معمولی سے فتور ذہنی سے کافی متفکر ہیں۔"

پہلے تو اکیلے بادشاہ سلامت ہی اس احمقانہ دلیل پر حیرت زدہ بیٹھے تھے۔ اب ان کے ساتھ وزیر خزانہ بھی شامل ہو گئے۔ انہوں نے حیران ہو کر کہا" میں عالمی شہرت رکھنے والے اتنے بڑے بینک کے ایسے ذہین بکاروں کی دلیل سن کر سخت متحیر ہوا ہوں۔ میرے نزدیک یہ خوف بالکل بے بنیاد ہے اور ایسا خیال بہت ہی ابتدائی اور غیر مہذب دور سے تعلق رکھتا ہے۔"

وزیر خزانہ کی یہ بات سن کر بینک کے امریکن نمائندے نے کہا" وزیر خزانہ صاحب! ہماری سوچ اور ہمارا تصور ازمنہ قدیم کے دور سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ آپ کا اندازہ اس غیر مہذب عہد کی عکاسی کر رہا ہے جب لوگ بلا سوچے سمجھے ڈھور ڈنگروں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ پروفیسر ساحق کا طے شدہ قاعدے سے انحراف خطرے کی ایک گھنٹی ہے۔ یہ صرف ان کی ذہنی کج روی نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے پورا ایک سسٹم کام کر رہا ہے جس سے آپ سب بے خبر ہیں۔"

وزیر خزانہ نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ اپنے علم کا اظہار کرتے ہوئے کہا" آپ زیادہ سے زیادہ پروفیسر صاحب کو ایک ہونسٹ قرار دے سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہماری زبان میں ایسے لوگوں کو "سائیں" کہتے ہیں۔

بینک کے امریکی نمائندے نے کہا" یور ہیجنسی! آج تک دنیا میں جتنے بھی انقلاب آئے ہیں اور جس قدر اتھل پتھل ہوئی ہے، وہ سب ایسے لوگوں کی بدولت ہوئی ہے۔ بظاہر پروفیسر صاحب کا انحراف کہ چھ چھکے چھتیس ہوتے ہیں، ایک معمولی سی ذہنی گمراہی نظر آتی ہے مگر یہ کینسر کے ایک خلیے کی طرح سارے جسم میں پھیل سکتا ہے اور اس کی کئی شاخیں پھوٹ کر دور دور تک پھیل سکتی ہیں۔ ہم ایسی کج رویوں سے اور اس قسم کے ذہنی فتور سے بہت ڈرتے ہیں کہ ہمارے کندھوں پر امن عالم برقرار رکھنے کی ذمہ داری ہے۔ ہم نے انسانیت کے سمندر میں سمود سیلنگ کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے اور ہم ہر کام میں طے شدہ اقدار کے حامل ہیں۔"

"لیکن ان ساری باتوں کا پروفیسر ساحق کی ذہنی کج روی سے کیا تعلق....؟" وزیر خزانہ نے قدرے غصے سے پوچھا۔

"گہرا تعلق بلکہ بہت ہی گہرا تعلق" بینک کے اس نمائندے نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا "ہمارے عظیم الشان اور پروقار عالمی ادارے کی کارکردگی کو ایسے لوگوں سے شاید نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

"وہ کیسے....؟" بادشاہ سلامت نے بڑے سبھاؤ سے پوچھا وہ کس طرح....؟

"وہ ایسے سر" بجیین نمائندے نے گلا صاف کر کے کہا کہ "پروفیسر ساحق جیسا شخص جو دنیا کے طے شدہ قاعدے سے ایک مقام پر انحراف کرتا ہے وہ کسی اور طے شدہ اور مستقل قاعدے سے اس سے بھی بڑھ کر انحراف کر سکتا ہے۔"

"مثلاً....؟" وزیر خزانہ نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ "کس طرح....؟"

"وہ اس طرح یور ہیجنسی!" بینک کے امریکی

نمائندے نے کہا کہ "طے شدہ اور معروف عام باقاعدے کا منحرف ایک روز یہ اعلان بھی کر سکتا ہے کہ بلا سود بھی بنکاری ہو سکتی ہے۔ اور بلا سود بھی تجارت کا چلنا اسی طرح سے قائم رہ سکتا ہے، یا صنعت و حرفت یا تانا بانا سودی کاروبار کے علاوہ بھی اس دنیا میں چل سکتا ہے اور سود کے بغیر بھی یہ دنیا قائم رہ سکتی ہے بلکہ بہتر طور پر قائم رہ سکتی ہے۔ خوشیوں اور مسکراہٹوں کی لپیٹ میں، آسانیوں اور کامرانیوں کے گہوارے میں!"

بادشاہ سوچ میں پڑ گیا تو وزیر خزانہ نے کہا "جنٹلمین! پھر تو یہ ایک اچھی بات ہو گی کہ "لیکن اس کی بات کو انگلستانی نمائندے کی گرج دار اور گستاخ "No" نے بیچ ہی میں کاٹ دیا۔ وہ ایک تھکے ہوئے خوبصورت کرے کی طرح ہانپتے ہوئے بولا "ایسی خوفناک اور منحوس بات مثال کے طور پر بھی نہیں کرنی چاہیے۔ اس سے سارے نظام کائنات کے درہم برہم ہونے کا اندیشہ ہے۔"

امریکی نے معذرت کرتے ہوئے کہا "میرا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ..... کہ گاڈ فاربڈ.... کبھی ایسا ہو گا یا ہو سکے گا، میں نے تو صرف سمجھانے کے لیے ہز میجسٹی کو ایک مثال دی تھی۔"

بادشاہ نے سنجیدہ چہرہ بنا کر اور اس سارے مکالمے سے متاثر ہو کر وزیر خزانہ سے کہا "میں سمجھتا ہوں کہ بنک کے ان فاضل نمائندوں کے دلائل بڑے وزنی ہیں اور ہمیں انہیں ذہن میں رکھنا چاہیے۔"

"خاص طور پر ایسے وقت میں جب آپ کو روپے کی اشد ضرورت ہو" بلجیین نمائندے نے کہا "اور ورلڈ بنک آپ کو رعایتی نرخوں پر قرض فراہم کر رہا ہو۔"

انگلستانی نمائندے نے کہا "پھر کیا خیال ہے.....؟ ہم تو آپ کے لیے پے منٹ لے کر آئے تھے اور ہر طرح کی کرنسی میں لے کر آئے تھے۔"

"آپ چاہے ڈالر لے لیں" امریکی نمائندے نے کہا "چاہے پاؤنڈ لے لیں، چاہے ین یا ڈوش مارک لے لیں۔ ہمارے پاس ہر طرح کا سودا موجود ہے۔"

بلجیین نمائندے نے کہا "بہتر تو یہی ہے یور میجسٹی کہ آپ ملا کر ساری کرنسیاں لے لیں۔ آپ کے کام آئیں گی۔"

چونکہ اس وقت ایک مطلق العنان بادشاہ یہاں حکمران تھا اور کوئی پوچھنے والا نہیں تھا اس لیے بادشاہ نے حکم دیا کہ

"ہمارے مہمانان گرامی غیر ملکی نمائندے جو قرضے کی بوجھل رقم اٹھا کر یہاں تشریف لائے ہیں، اگر مناسب سمجھیں تو ہماری رعایا کے ایک فرد، چالو سوچ کے منحرف پروفیسر کو خود گرفتار کر کے لے جائیں اور اپنے ملک کے کسی قید خانے میں قید کر دیں ہمیں اعتراض نہیں اور اگر ہم پر اعتبار کریں تو اسے بے شک ہماری سلطنت کے کسی بھی پسندیدہ قید خانے میں ڈال کر اپنا تالا لگا دیں اور چابی اپنے ساتھ لے جائیں۔"

بنک کے نمائندوں نے سر جھکا کر اور یک زبان ہو کر کہا "یور میجسٹی! آپ بے شک اپنا تالا چابی لگائیں، ہمیں آپ پر پورا اعتماد ہے، ہم نے چابی ساتھ لے جا کر کیا کرنی ہے!"

*

سرخ کا کھڈوا

شمشاد اختر

پورے گاؤں میں یہی مشہور تھا کہ جب سے ست رنگا دھاگہ ججن کے پاس آیا ہے اس کے وارے نیارے ہو گئے ہیں۔ اصل بات تو کوئی نہیں جانتا بس ججن ہی کی زبانی معلوم ہوا پیر سائیں نے خوش ہو کر اسے یہ دھاگہ بخش دیا پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کے دن بدلنے لگے۔ کوئی کہتا بیچارہ مزدوری کے لیے مارا مارا پھرتا۔ سخت محنت کے بعد جس دن کچھ کما لیتا پیر سائیں کی درگاہ پر نذرانہ ضرور لے کر جاتا۔ جسے وہ کسی غریب کو دے دیتے۔ ججن کی اس عادت کو سب جانتے تھے چاہے کتنا بھی تنگ دست ہو کبھی دستِ سوال دراز نہ کرتا۔ باپ کے بعد ماں اور بہن اس کی ذمہ داری تھیں۔ باپ نے بہت کوشش کی کہ وہ اس کے ساتھ مل کر ترکھان کا کام کرے پر وہ قطعاً توجہ نہ دیتا۔ اسی دوران باپ کو اجل نے آلیا۔ برا وقت بڑوں بڑوں کے بل کس نکال دیتا ہے۔ گھر میں تنگدستی بڑھی تو مزدوری کی ٹھان لی۔ گھر کا چولہا جلنے لگا تو زندگی پھر اپنے ڈھب پر رواں دواں ہو گئی۔ پھر اچانک ججن نے درگاہ والے پیر سائیں کے پاس بیٹھنا شروع کر دیا پہلے کبھی کبھار اور پھر معمول بن گیا۔

پیر سائیں دنیا سے رخصت ہونے لگے تو بزرگ بتاتے ہیں کہ ججن جو اب ججن بابا کہلاتا ہے کو اک ریشمی ڈوریوں سے بنا ست رنگا دھاگہ عنایت کیا جسے ججن نے صرف اس لیے سنہری ڈبیہ میں مخمل میں لپیٹ کر رکھا کہ یہ بابا جی کی نشانی ہے۔

پسماندہ سے گاؤں کا یہ نوجوان حصول رزق کے لیے مارا مارا پھرتا رہا اور جب کئی دنوں تک اسے مزدوری نہ ملی تو گھر کی چیزیں آہستہ آہستہ بکنے لگیں۔ ویسے بھی اس گھر میں قابل ذکر کچھ تھا ہی نہیں جسے قیمتی کہا جا سکتا۔ بات تانبے کے گلاس سے ہوتی ہوئی کٹورے، چمچے، سینی اور پھر پیتل کی پرات سے ہوتی ہوئی ماں کی انگلی میں پڑی چاندی کی انگوٹھی پر آگئی جو اس کے باپ کی نشانی تھی....

نہیں ماں نہیں.... میں شہر جا کر کام تلاش کرتا ہوں آخر چاچے اللہ رکھے کا بیٹا بھی تو شہر دیہاڑی کرتا ہے۔ سنا ہے وہ گاؤں آیا ہوا ہے میں بات کر لیتا ہوں۔ جھٹ پٹ تیاری ہو گئی ماں کا دل مگر ٹوٹ رہا تھا۔ چولہے سے پرے پردیس ہوتا ہے پتر!

اس کا کیا مطلب ہے۔

ماں میں کوئی دیس چھوڑ کر نہیں جا رہا۔ جب ماں کے ہاتھ کوئی روٹی نہ ملی تو اپنے دیس کا شہر بھی پردیس ہو جائے گا جمن! ماں بھرائی آواز میں بولی تو وہ بھی بکھرنے لگا۔

مجھے حوصلہ دے ماں....! ابھی تو ریشم کا بیاہ بھی کرنا ہے۔

لیکن بھائی ہم تیرے بغیر کیسے رہیں گے ریشم بھی اداس تھی۔

نہ جا جمن اللہ کوئی بندوبست کر ہی دے گا ہر نوالہ منہ میں ڈالنے سے پہلے تو یاد آئے گا پتر!

وہ شش و پنج میں پڑ گیا۔ مگر ماں اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے....؟

یہ گھر بیچ دیتے ہیں تو کوئی چھوٹی سی دوکان بنا لے۔

کیا کہہ رہی ہو ماں باپ کا نشاں ہی بیچ ڈالوں....!

باپ کا نشاں تو تو ہے اگر تجھے کچھ ہو گیا تو.... ماں رونے لگی جا چلا جا جہاں سے قد میں کیا اونچا ہوا عقل میں بھی اونچا ہو گیا کیا....؟

بڑی مشکل سے ماں کو چپ کرایا اور تذبذب کے عالم میں کمرے میں چلا گیا۔ بستر پر دراز سوچوں میں گم تھا صبح اسے جانا تھا اور وہ خود کو تیار نہ کر پا رہا تھا۔ مسئلہ اگر صرف اس کی ذات کا ہوتا تو انہیں گلیوں میں دل کھول کر اسی مٹی میں گم ہو جاتا مگر یہاں گھر میں جوان بہن کا فرض سر پر تھا۔ ماں ضعیفی کی عمر میں کئی چھوٹی موٹی بیماریاں وجود میں چھپائے بیٹھی ہے۔ ان سب ذمہ داریوں کا احساس جُمن کو سونے نہ دیتا۔ وقت نے چھوٹی سی عمر میں اسے زندگی کے اس اکھاڑے میں لا کھڑا کیا جہاں اس نے بڑے بڑے مسائل کو چت کرنا تھا۔ اُسے خون کے ان رشتوں کے لیے ان محرومیوں اور مایوسیوں سے نبرد آزما تھا جو کسی آدم خور کی طرح منہ کھولے کھڑی تھیں۔ اسے درگاہ والے پیر سائیں بے طرح یاد آنے لگے۔ اپنے مسائل وہ صرف انہیں کو بتاتا۔ ان کے لہجے کی اپنائیت، دھیمے سے انداز میں نصیحتیں اور پروقار مٹھاس بھری باتیں سن کر جسم اور ذہن آسودہ ہونے لگتا۔ اب تو اس گدی پر ان کا بیٹا اکثر لال لال آنکھوں سے ادھر ادھر گھورتا اور لمبی لمبی مونچھوں کو تاؤ دیتا نظر آتا۔ اس کا دل اب ادھر جانے کو نہ کرتا۔ بابا جی کا خیال آتے ہی اس کی نظر طاق میں رکھی ڈبی پر پڑی۔ اٹھ کر اسے کھولا تو جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔ وہاں ست رنگے دھاگے کی بجائے سیاہ دھاگا دھرا تھا گھر میں کسی کی مجال نہ تھی کہ پیر سائیں کا دیا دھاگا بدل دیتا۔ کوئی اور اس کے کمرے میں آتا

ہی نہ تھا۔ دھاگے کا سائز اور بل تو وہی تھے مگر رنگ۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ آسمانوں پر قدرت جب کسی کے نصیب بدلنے پر آتی ہے تو اس کے لیے زمین پر وسائل مہیا ہونے لگتے ہیں۔ اتفاقات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے ذہن کے بند کھل جائیں تو ارادوں اور فیصلوں میں ٹھہراؤ آجاتا ہے، انسان رب کے کرم کو محسوس کرنے لگتا ہے اور قدرت کے متعین کردہ راستوں پر چل کر منزل کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔ ابھی وہ سوچوں میں ہی گم تھا کہ اک خیال شعلے کی طرح اس کے ذہن کو روشن کر گیا۔

صبح باپ کی دوکان کو جھاڑ پونچھ کر اس میں کچھ گولیاں ٹافیاں لا کر رکھ لیں۔ آمدن تو اتنی نہیں تھی پر چولہا ٹھنڈا ہونے سے بچ گیا۔ ہاں دھاگہ پھر سے ست رنگا ہو کر لش لش کرنے لگا۔

ایک دن جمن نے اپنے دوست نذیر کو دھاگے کی بابت بتایا دونوں تھوڑی دیر سر جوڑ کر بیٹھے رہے اگلے دن یہ بات جمن کی ہٹی سے نکل کر گلیوں گلیوں پھرتی ہر گھر کا موضوع بن گئی کہ جمن کے پاس پیر سائیں کا دیا جادوئی دھاگہ ہے۔

مشہور ہو گیا کہ اگر کوئی کام کسی کے لیے کرنا ٹھیک نہ ہو اور نقصان کا اندیشہ ہو تو دھاگہ اس کے ہاتھ میں آ کر کالا ہو جاتا ہے اگر کام خوش بختی اور منافع کا موجب ہو تو رنگ نہیں بدلتا۔

بس پھر کیا تھا نہ صرف گاؤں کا گاؤں امڈ آیا بلکہ ارد گرد کے علاقوں سے بھی لوگ آنے لگے۔ کرشمے، معجزے تو ہر دور میں انسان کی کمزوری رہے ہیں۔ نائی، موچی، ترکھان کمہار سے لے کر چودھری و نمبردار زمیندار اور وڈیرے تمناؤں کے شجر پر آس کا پھول کھلانے جمن کی ہٹی تک آنے پر مجبور ہو گئے۔ کوئی شاداں و گلرنگ چہرہ لیے باہر آتا کوئی مایوسیوں کے سمندر میں ڈوبا دھواں دھواں منہ کے ساتھ نکلتا۔ حیرت کی بات تھی کہ دھاگے کا مشورہ کبھی غلط نہ ہوا۔ دھاگے کا فیصلہ نہ ماننے والا نقصان اٹھاتا اور ماننے والا سرخرو رہتا۔ بس پھر کیا تھا ہر طرف اس کا ڈنکا بجنے لگا۔ مٹی گارے کے گھر کی جگہ پکی حویلی کھڑی ہو گئی بہن سونے سے پیلی ہو کر سسرال میں راج کرنے لگی۔ جمن غریب لوگوں سے تو وہ ایک پائی نہ لیتا البتہ مالداروں سے خوب نوٹ اور تحائف وصول کرتا۔ قد آور شخصیات کہلانے والے چھوٹے قدوں اور بڑے پیٹوں والوں کے مسائل بھی بڑے ہی ہوتے ہیں اور غریب کا مسئلہ ہوتا ہی کیا ہے۔ جمن اکثر سوچ کر مسکراتا۔ نمبردار کا دو مربعے زمین کے لیے بھائی پر قانونی کارروائی کا مشورہ تو شیدو میراثی کا بیٹے کو جلیبی بنانا سکھانے کے لیے دوکان پر لگانے کا مشورہ۔ چوہدری کو بیٹے کے لیے انگلینڈ جانے کی اجازت چاہیے تھی تو اللہ دتہ قصائی کو بیٹی شریکے میں بیاہنے کی الجھن!

کچھ بھی ہو جمن کبھی خوف خدا اور یاد الٰہی سے غافل نہ ہوا وہ اکثر نمناک آنکھوں سے رب کے حضور سجدہ ریز رہتا جس نے اس گناہگار کو تین انچ دھاگے کے ٹکڑے کو وسیلہ بنا کر اتنا کچھ بخش دیا۔ عزت اور رزق کی فراوانی۔

کبھی اس کا دل پیر سائیں کے لیے عقیدت سے بھر جاتا جو اسے بیٹوں سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ ان کی یہ بات تو وہ اکثر یاد کرتا تھا۔

"جمن پتر میرا کوئی خونی رشتہ نہیں پھر بھی لگتا

ہے کچھ رشتے ازل ہی سے جڑے ہوتے ہیں ان کی روحیں ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں ہم اس انجانے سے رشتے کو محسوس تو کر سکتے ہیں کوئی نام نہیں دے سکتے"۔ دیکھ جمن میں نے تیرے من کا کنڈا کھول کر اندر جھانک لیا۔

لیکن جمن کو یہ باتیں ہمیشہ عجیب سی لگتیں۔

گھر میں بھوری بھینس آئی تو ماں نے بغاوت کر دی "میں اتنا دودھ اس عمر میں نہیں بلو سکتی میرے بوڑھے ہاتھوں میں اتنی طاقت کہاں....؟ سارا مکھن چھاچھ ہی میں رہ جاتا ہے اب اس مدھانی کو جوان ہاتھوں کی طاقت چاہیے۔ تو اس کے لیے کوئی جوان عورت رکھ لیتے ہیں۔ جمن نے جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے زیر لب مسکرا کر کہا۔

میں تمہارہ کر تنگ آگئی ہوں پتر مجھے بہو چاہیے۔

پتری کوئی پسند ہے....؟ ایک دن ماں نے اس سے پر شوق لہجے میں پوچھا تو وہ بچ بچ شرما ہی گیا۔ ذہن کے پردے پر کئی مرتبہ زلیخاں کی شبیہہ ابھری جسے اس نے کئی مرتبہ اپنی طرف چور نظروں سے دیکھتے پایا مگر جب اس کی نظر پڑتی شرما کر بھاگ جاتی۔ اسی لیے جھجکتے ہوئے بولا ماں.... وہ خالہ کی.... میرا مطلب ہے خالہ صابرہ کی زلیخاں....

جہاندیدہ ماں جھٹ سے سمجھ گئی۔ دو ماہ بعد اس کی حویلی میں بھی چوڑیوں کی چھن چھن اور پائل کی جھن جھن سنائی دینے لگی اور اب اسی دودھ سے برتن بھر مکھن بھی نکلنے لگا۔

وقت گزرنے کے ساتھ قدرت بھی تصویر کائنات کے منظر بدلتی رہتی ہے نئے چہرے آنے لگے تو پرانے کہیں جا چھپے جو رہ گئے ان کی وضع قطع ہی بدل گئی۔ جمن کے گھر میں بھی ماں کی جگہ زلیخاں نے سنبھال لی۔ آہستہ آہستہ تین بیٹیاں بھی اس منظر میں سج گئیں۔ وہ خود جمن بابا کہلانے لگا مگر اس منظر کی سب سے خوبصورت تصویر جمال تھا۔ نوجوان، کڑیل خوبصورت جو دونوں میاں بیوی کی آنکھوں کا نور تھا۔ جو اس منظر کو مکمل کر دیتا تھا۔

جمن بابا کو قسمت پر رشک آتا کہ رحیم و کریم کو پتہ نہیں اس کی کیا ادا بھائی کہ رحمت و نعمت کے دروازے اس پر کھل گئے۔ کہتے ہیں کہ زمین بھی فتنہ ہے اور ایک زمین کا یہ ٹوٹا تو چھوٹا تھا مگر قصہ کئی دہائیوں کا تھا۔ اس ٹوٹے کے لیے جمن کا باپ بھی سلگتا رہا تھا مگر وہ آج بھی جمن کے چچازاد بھائی کے بیٹوں کے پاس تھی۔ زمین کا یہ ٹوٹا بھی بنجر ہی تھا مگر آج بھی جمن کے سینے میں کانٹے کی طرح کہیں جا کر کھب گیا اور وقتاً فوقتاً تکلیف دیتا رہا۔ چاٹی دودھ سے بھری ہو اور بھڑولا گندم سے تو اکثر دماغ پھر ہی جاتے ہیں۔ دو چپڑی سے بھرا پیٹ ہر ایک کو راس نہیں آتا۔ وہ چاہتا تو ایسے دو اور ٹوٹے خرید لیتا جو ایک یا سوا ایکڑ ہی تو تھا پر اس کی سوچ پر انانیت گھمنڈ اور برتری کے احساس نے تنبو تان لیے اور ارد گرد والے بھی ضد کی آگ کو ہوا دینے لگے تو بیٹے کے سینے میں بھی بھانبڑ جلا ڈالا۔

پرانی فائیلیں نکل آئیں، پیسہ پانی کی طرح بہانے لگے۔ شہر کے چوٹی کے وکیل۔ جیت کا یقین نہیں مگر تشکیل! تجوری خالی ہونے لگی۔ جمن فکر مند رہنے لگا اب اس حد تک آکر واپسی ممکن نہ تھی۔ یہ تو جگ ہنسائی والی بات ہو گی۔ ابھی پریشانیوں میں گھرا ایک دن بیٹھا تھا کہ جاگیر دار نیاز علی اس کے پاس آیا۔ وہ

یہ تو جانتا تھا کہ بابا جمن آج کل ایک کیس میں پھنسا ہوا ہے مگر بات یہاں تک آپہنچی ہے یہ تو اسے گمان نہ تھا۔

خود غرض بندہ ہر جگہ غرض نکالنے کی کرتا ہے۔ جھٹ سے بولا تیرے کیس پہ باقی کی ساری رقم دینے کو تیار ہوں۔ مقدمہ جیتنے تک جو لگا وہ میرا اگر اک کام کر دے۔ اور جمن وہ کام سن کر دنگ رہ گیا۔ اس پچاس سالہ بوڑھے کو گھروں میں کام کرنے والی ماسی رکیہ کی سترہ سالہ بیٹی سے بیاہ رچانے کی سوجھی تھی۔ میں مائی سے بات کر چکا ہوں جمن مگر وہ تیرے دھاگے پہ بھروسہ کرتی ہے۔ تیرے پاس ضرور آئے گی بس تو دھاگہ کالا بھی ہو جائے تو ست رنگا ہی بتانا اور اگر رنگ نہ بھی بدلا تو تیری رقم پھر بھی پکی.....

جمن سوچ میں پڑ گیا۔ زندگی میں کبھی دو نمبر کام نہ کیا تھا۔ اب یہ کام کر کے وہ اندر تک ہل گیا اس نے تو برسوں پہلے ان معاشرتی برائیوں کا گند من سے صاف کر کے تختی سے کنڈا لگا دیا تھا۔ خبط عظمت اور مد مقابل کو مات کرنے کا جنون جانے کب کوئی کمزور لمحہ بن کر اس پر اترا۔ کیس تو وہ جیت گیا مگر اندر سے ہار گیا کہ چچا تماد نے پیغام بھیجا جمن تو کیس جیت گیا مبارک ہو مگر اب بچوں کی دشمنی ٹھیک نہیں تو اور تیرا بیٹا اگر آجائے تو میں صلح کر لیتا ہوں کیونکہ میرا آنا بہت ہی ہتک آمیز ہو گا میں مقدمہ ہار چکا۔ بہت سوچ بچار اور گھر والوں کے مشورے سے جمن نے فیصلہ کیا کہ بات معقول ہے۔ وہ مقدمہ جیت چکا ہے اب اس کی خودداری میں کوئی فرق نہ پڑے گا اگر خود بھی چل کر گیا اور وقار میں اور اضافہ ہو گا۔ اگلی صبح وہ جانے کے قابل نہ ہوا ضمیر کی ملامت اور ماسی رکیہ کا اور ان چہرہ اسے سونے نہ دیتا تھا کہاں وہ بڈھا اور کہاں اس کی معصوم کلی جیسی بیٹی جس کی کل شادی تھی یہ تو اس کے بستر پر جیسے کسی نے گرم سلاخیں رکھ دیں۔ صبح منہ اندھیرے بیٹے نے اٹھایا۔ تو اس کا انگ انگ دکھ رہا تھا بوڑھی ہڈیاں اس جرم کا بوجھ برداشت کرنے کے قابل نہ تھیں۔ بستر سے اٹھنا چاہا تو ہر عضو من من بھر کا ہو گیا۔ میرا خیال ہے تو اکیلا ہی چلا جا جمال پتر..... میری طبیعت خراب ہے۔

جمن دن چڑھے جاگا تو چونک کر ایسے اٹھا جیسے کسی زہریلے کیڑے نے ڈنگ مار دیا ہو۔ جلدی سے اٹھ کر الماری کھولی اور اس میں رکھی سنہری ڈبیہ میں رکھے ست رنگے مخمل میں لپٹے دھاگے کو دیکھا تو دل پہ ہاتھ رکھ کر دوہرا ہو گیا دھاگہ سیاہ تھا پھر دیکھا..... پھر اور دیکھتا ہی رہ گیا جلدی سے پیچھے بندے دوڑائے مگر بہت دیر ہو چکی تھی۔

سلامت کے دو جوان بیٹوں نے جمال کو نہر ہی پار نہ کرنے دی اور گاڑی پر اندھا دھند فائرنگ کر کے ڈھیر کر دیا۔ جوان بیٹے کی لاش سامنے تھی۔ بابا جمن سکتے کی حالت میں اسے گھور رہا تھا کہ پاس ہی کہیں سے پیر بابا کی آواز آئی۔

دیکھ جمن یہ لالچ، گھمنڈ اور غرور حرام جانور کی طرح ہیں جنہیں اندر سے نکال کر من کا کنڈہ سختی سے جکڑ بھی دیں تو یہ وجود کی کمزور عمارت سے ہی نقب لگا دیتے ہیں۔ اپنے کردار اور ایمان کی عمارت کبھی بوسیدہ نہ ہونے دینا۔ ابلیس کے لیے کبھی کوئی کمزور گوشہ نہ چھوڑنا! اور بابا جمن گھٹنوں پہ سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

اللہ کا محبوب

اویس وقیع انصاری

محبوبِ الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ

یہ برصغیر کے ایک سادات گھرانے میں جنم لینے والے ایک ایسے عظیم انسان کی زندگی کے واقعات ہیں جسے دنیا محبوب الٰہی اور نظام الدین اولیاءؒ کے نام سے جانتی ہے۔

سید ماں باپ کے ہاں جنم لینے والی ہستی کا بچپن یتیمی، غربت و تنگ دستی میں گزرا لیکن اس کی ماں نے ان محرومیوں کا مرثیہ خواں بنانے کے بجائے صبر، توکل اور خودداری کی دولت سے مالا مال کیا۔

قدرت ان پر مہربان ہوئی تو انہیں بابا فریدؒ کے در پر لے گئی لیکن ان کی طرزِ فکر کی تشکیل اور کردار سازی کی ابتداء ان کی والدہ کے زیر سایہ ہوئی۔ سید محمد احمد کو نظام الدین اولیاءؒ بنانے میں بابا فریدؒ سے پہلے ان کی عظیم المرتبت والدہ سیدہ زلیخا بی بی کا شاندار کردار بجائے خود تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔

www.paksociety.com

محمد احمد کی عمر تقریباً چھ برس تھی جب ان کے والد کا انتقال ہوا تھا۔

پیدائش سے لڑکپن تک ہر بچے کی توجہ کا مرکز زیادہ تر اس کی ماں ہی ہوتی ہے۔ اس کے بعد سات آٹھ سال سے نوجوانی تک بچے کے لیے باپ کی قربت اور رہنمائی کی ضرورت دن بدن بڑھتی رہتی ہے۔

جب باپ پر زیادہ انحصار کا دور تھا اس وقت قدرت نے سید محمد کے والد قاضی احمد کو اس دنیا سے واپس بلا لیا تھا۔ ان کی والدہ زلیخا بیگم نے نہ صرف یہ کہ اپنے دونوں بچوں کی اچھی پرورش کی بلکہ ان کی کردار سازی اور شخصیت کی تعمیر میں بھی دانش و حکمت اور دور بینی کا مظاہرہ کیا۔

قدرت نے اپنے محبوب کا پالنا اس عورت کو سونپا تھا جو خود ایک ولی تھیں۔ سید گھرانے کی ان لائق صد تعظیم بی بی کو رابعۂ وقت کہنا بالکل بجا ہے۔

زلیخا بیگم کے انتقال کے وقت محمد احمد کی عمر اٹھارہ یا انیس برس تھی۔ وہ ظاہری علوم کے کئی مراحل امتیازی شان سے عبور کرنے کے بعد اب وہ باقاعدہ عملی زندگی میں قدم رکھنا چاہتے تھے۔ زندگی کے اس نازک دور میں انہیں اپنی والدہ کی سرپرستی اور رہنمائی کی ضرورت زیادہ محسوس ہوتی تھی۔ اپنے بیٹے کی خاطر زلیخا بیگم نے زندگی کے بارہ پندرہ سال سخت محنت مزدوری میں گزارے تھے۔ اس رضاکارانہ غربت کے دوران اپنے بیٹے کی تعلیمی ضروریات کی خاطر وہ اپنی کئی ضروریات کو نظر انداز اور کئی خواہشات کو مسترد کرتی آئی تھیں۔

شاید علامہ اقبال نے یہ شعر زلیخا بی بی کی اپنے فرزند کو کسی نصیحت کے پیش نظر ہی کہا ہوگا۔

تیرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

دہلی آنے کے بعد محمد احمد سوچتے تھے کہ کچھ عرصہ بعد وہ اپنی والدہ کے لیے راحت و آرام کا سبب بنیں گے۔ ماں کی خوب خدمت کریں گے۔ ان کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ ان کی خدمت میں رہ کر زندگی کے مزید سبق ان سے سیکھتے رہیں گے۔

والدہ کی رحلت محمد احمد کے لیے قطعی غیر متوقع تھی لیکن زندگی کے اس مرحلے پر اس صدمے سے دوچار کرکے قدرت اپنے محبوب کو مزید کئی سبق سکھا رہی تھی۔

ان اسباق میں اللہ کی مشیت کو سمجھنے کا سبق، اللہ کی رضا پر راضی رہنے کا سبق، صبر کا سبق، حوصلوں، عزم اور ارادوں کے سبق شامل تھے....

زلیخا بیگم نے اپنی اولاد کو سکھایا تھا کہ میرے بچو....! تنگیوں، مصیبتوں اور محرومیوں میں پریشان نہ ہونا بلکہ ہر تنگی اور مصیبت میں سے کوئی نہ کوئی روشن پہلو تلاش لینا۔

زلیخا بیگم صرف باتیں ہی نہ کرتیں بلکہ اپنی باتوں کی تفہیم اپنے عمل سے کرواتی تھیں۔ کسی ماں کے بچے ایک دو دن بھوکے رہیں، اس ماں کے دل پر کیا گزرتی ہے۔

بھوک کے مارے بچوں کی ذہنی کیفیت کیا ہوتی ہے....؟ ان میں شدید احساس محرومی مایوسی یا غصہ اور انتقام کے جذبات سر نہیں اٹھاسکتے....؟

زلیخا بیگم کے ہاں بھی کئی کئی دن کا فاقہ چل جایا کرتا تھا۔ ایک ماں کے لیے اس کے بچوں کے بھوک سے بڑھ کر اذیت اور کیا ہوگی.... لیکن ان تلخ اور انتہائی تکلیف دہ لمحات کو بھی زلیخا بیگم نے اپنے بچوں کی اعلیٰ ترین تربیت کا ذریعہ بنا دیا تھا۔

جب گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہوتا اور زلیخا بیگم کو پتہ ہوتا کہ آج رات ان کے بچوں کو بھوکا ہی سونا ہے تو وہ کوئی گلہ شکوہ نہ کرتیں۔ اپنی کسی بے بسی یا محرومی کا ذکر نہ کرتیں بلکہ ان لمحات کو وہ اپنے بچوں کے لیے خوشی اور فخر کا ذریعہ بنا کر پیش کر دیتی تھیں۔

بچہ..... آج ہم اللہ کے مہمان ہیں۔

قربان جایئے..... اس عظیم ماں کے جس نے اپنے بچوں کو زندگی کی دشوار ترین راہوں میں اللہ کا مہمان بننا سکھایا تھا.....

اللہ اپنی اس بندی کے صبر، توکل، استقامت اور انسانوں سے بے نیازی کی اداؤں سے اتنا خوش ہوا کہ اس کے ہاتھوں تربیت پانے والے بیٹے کو رہتی دنیا تک کے لیے "محبوب الٰہی" کے لقب سے نواز دیا۔

والدہ کی وفات پر محمد احمد شدید دکھ میں تھے لیکن انہوں نے صبر کا دامن بھی تھاما ہوا تھا۔ دکھ کی ان گھڑیوں میں فرید الدین مسعود کے بھائی نجیب الدین متوکل ان کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔

محمد احمد اپنے دوست نجیب الدین کے ساتھ بیٹھ کر اپنی والدہ کی باتیں کرتے۔ اپنے بچپن اور نوجوانی کے واقعات سناتے ہوئے اپنی ماں کی نصیحتوں کا ذکر کرتے۔ اولاد پر ماں کے سایہ عاطفت کے انداز اور ماں کی شفقتوں کا ذکر کرتے۔ جس کے قدموں تلے ان کی جنت تھی۔ اس جنت کا ذکر آتے ہوئے کبھی فخر اور خوشی سے ان کا چہرہ دمکنے لگتا، کبھی کسی واقعے کو یاد کرتے ہوئے وہ اداس ہو جاتے اور آنسو ان کی آنکھوں سے رواں ہو جاتے۔

ایسے میں نجیب الدین انہیں رونے دیتے۔ نجیب الدین جانتے تھے کہ آنسوؤں کی یہ روانی کسی بے صبری کی علامت نہیں ہے بلکہ اس طرح کا رونا تو رحمت کا ہی ایک حصہ ہے۔

زلیخا بیگم اپنے بیٹے کو اپنی آنکھوں سے دور نہیں رکھنا چاہتی تھیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے بدایوں سے دہلی آنا ضروری ٹھہرا تب بھی زلیخا بیگم نے اپنے بیٹے کو اکیلے نہ جانے دیا۔ ترک وطن کرنا پڑا مگر وہ خود بھی ساتھ آگئیں..... لیکن اب قدرت کی منشا یہ تھی کہ محمد احمد اپنی زندگی کے اگلے ادوار اپنی عظیم المرتبت ماں کے ظاہری سائے کے بغیر طے کریں۔

بدایوں میں محمد احمد نے وقت کے نامی گرامی استاد شادی مقری سے قرآن کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس تعلیم میں حفظ قرآن کے بعد قرات کی تعلیم بھی شامل تھی۔ دہلی میں قیام کے دوران محمد احمد اپنے ہم سبق شاگردوں کے سامنے قرآن پڑھتے تو حاضرین پر وجد طاری ہو جاتا۔

قرآن کی عظمت کے سامنے عقل سجدے میں ہو، دل قرآن کے نور سے منور ہو، گلے میں سوز ہو تو قاری کے لبوں سے نکلے ہوئے قرآن کے الفاظ نور کا دھارا بن جاتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی حال اس وقت ہوتا تھا جب محمد احمد مدرسے میں یا کسی مجلس میں قرآن پڑھتے تھے۔

محمد احمد نے دہلی میں نامور علماء سے علم حاصل کیا تھا۔ حصول علم کی لگن تھی۔ رموز کائنات کو سمجھنے کا ذوق تھا۔ اساتذہ نے بھی ان پر خوب توجہ دی۔ جلد ہی ان کا شمار دہلی کے نمایاں ترین طالب علموں میں ہونے لگا۔

محمد احمد کے جوہر خوب نکھرنے لگے تھے، ان کے اساتذہ ان پر فخر محسوس کرتے تھے۔

علوم کے میدان میں آپ کی کامیابیاں جاری تھی لیکن حصول معاش کا مستقل بندوبست نہیں ہو رہا تھا۔ محمد احمد چاہتے تھے کہ اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عدلیہ سے وابستہ ہو جائیں۔ دہلی پر ان دنوں ناصر الدین محمود کی حکومت تھی۔

محمد احمد نے اپنی اس خواہش کا اظہار ایک بار پھر اپنے دوست نجیب الدین متوکل سے کیا۔

محمد احمد کی یہ خواہش سن کر نجیب الدین نے کہا قاضی کیوں بنتے ہو، کچھ اور بنو.....

محمد احمد خاموش ہو گئے۔ حصول علم کے ساتھ ساتھ دہلی کی علمی مجالس میں شریک ہو کر مختلف مباحثوں میں مصروف رہے۔

محمد احمد کے دل میں شیخ فرید الدین کی محبت کا دیا روشن ہو چکا تھا۔ نجیب الدین متوکل کی صحبتیں اس دیئے کی لو کو روز بروز بڑھا رہی تھیں۔ شیخ فرید سے محمد احمد کا نادیدہ عشق روز بروز بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

محمد احمد نے بچپن اور نوجوانی کے ایام تنگ دستی اور فاقہ کشی میں گزارے تھے۔ بابا فرید کے دہلی میں مقیم بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ ان کے ہاں کبھی کھانے کو ہوتا اور کبھی وہ فاقے سے ہوتے۔

نجیب الدین متوکل کچھ عرصے کے لیے ایک ترک امیر کی بنائی ہوئی مسجد میں پیش امام بھی رہے۔ اس ترک امیر نے امام مسجد کا اکرام کرتے ہوئے شیخ نجیب کی اچھی خدمت کی، اس دوران ترک امیر کی بیٹی کی شادی کی تقریب بہت دھوم دھام سے منعقد ہوئی۔ ترک امیر نے اس تقریب میں بہت دولت لٹائی۔ شیخ نجیب الدین متوکل نے ان اخراجات کو اسراف قرار دیا اور ترک امیر کے اس طرز عمل پر کھلے عام اعتراض کر دیا۔ یہ بات ترک امیر کو پسند نہ آئی اور اس نے شیخ نجیب الدین کو امامت سے الگ کر دیا۔ چند روز خوش حالی کے بعد خودی نہ بیچنے کی پاداش میں شیخ نجیب الدین دوبارہ غریبی کی طرف لوٹ آئے۔

اس مزاج کے بندے اور محمد احمد کی خوب بنی، پھر دونوں کا منظور نظر بھی ایک ہی تھا۔ وہ عظیم ہستی جنہیں گنج شکر کا لقب عطا ہوا۔

اپنے دوست کے کہنے پر محمد احمد نے قاضی بننے کی خواہش کو دل سے نکال دیا تھا۔ اب ان کے دل میں صرف ایک تمنا تھی۔ محبوب کے دیدار کی تمنا.....

دن گزرتے رہے۔ محمد احمد کے دل میں بابا فرید کی عقیدت بڑھتی رہی..... اور اس شوق اور اضطراب کو دیکھتے ہوئے شیخ نجیب الدین متوکل نے اپنے دوست سے کہا کہ بابا فرید کی خدمت میں حاضری کے لیے تم اجودھن چلے جاؤ۔

اجودھن دہلی سے کافی فاصلے پر تھا۔ ان دنوں سفر بھی آسان نہ تھے۔ سفر تکلیف دہ اور پر مشقت بھی ہوتے تھے اور راستے میں بدامنی کی وجہ سے غیر محفوظ بھی، شاید اسی لیے شیخ نجیب الدین متوکل نے اپنے نوجوان دوست کو اجودھن جانے کا مشورہ دینے میں اتنا وقت لیا اور شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ آتش عشق سے عاشق کا وجود پوری طرح تپ جائے۔ مٹی کے برتن بنانے کے بعد کمہار ان برتنوں کو آگ پر سینکتا ہے۔ آگ کی تپش ان برتنوں کو پختگی عطا کرتی ہے۔ عشق کی آگ بھی آدمی کے وجود کو تپا تپا کر پختہ بنا دیتی ہے۔

عشق بھی کیسا عجیب جذبہ ہے۔ یہ درد بھی ہے اور دوا بھی۔ یہ جذبہ عاشق کو بے چین اور بے قرار کرتا ہے اور عاشق کا چین اور قرار بھی اسی میں چھپا ہوا ہے۔

عشق میں آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں لیکن ان آنسوؤں کی وجہ اذیت یا الم نہیں بلکہ محبت کی زیادتی ہوتی ہے۔ عاشق کا حال بھی عجیب ہے۔ محبوب کی جدائی میں چپکے چپکے آنسو بہاتا ہے، محبوب سامنے ہو تو وفور جذبات سے چیخ چیخ کر روتا ہے۔ جی کرتا ہے کہ محبوب کے قدموں میں سر رکھ دیں اور روتے روتے فنا ہو جائیں۔ اور جب عاشق نظام الدین ہو اور معشوق گنج شکر ہو تو محبت، عقیدت اور وارفتگی کا کیا عالم ہو گا۔

کون ہے جو ان کیفیات کو جان سکے۔ ہو سکتا ہے کہ چند فہیم لوگ تھوڑا بہت جان ہی لیں لیکن کون ہے جو ان جذبات کو، ان احساسات کو، ان کیفیات کو بیان کر سکے۔

نہ زبان کو تاب گفتگو نہ قلم کو بیان کا یارا

محمد نظام الدین نے مرشد کی خدمت میں حاضری کے لیے سفر سے پہلے دہلی کی ایک مسجد میں جا کر دو نفل ادا کیے۔ زاد راہ تو کچھ خاص تھا نہیں، بس اللہ کا نام لے کر دہلی سے اجودھن کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ منزلوں

پر منزلیں طے کرتے ہوئے محمد نظام الدین اللہ تعالیٰ کے اسماء یا حافظُ یا ناصرُ یا معین کا ورد کرتے جاتے تھے۔

اجودھن پہنچے تو طویل سفر کی مشقت سے چہرہ کمہلایا ہوا تھا اور لباس گرد سے اٹا ہوا تھا مگر اہل نظر پر عیاں تھا کہ اس نوجوان کا دل پھول کی مانند ہے۔ اشتیاقِ دید سے ان کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

وہ بدھ کا دن تھا، 655ھ (1257ء) کی کوئی تاریخ تھی۔ جب ولی کامل، غلام رسول، وراث علوم لدنی، حضرت بابا فرید الدین مسعودؒ کے آستانے پر ایک عاشق صادق اپنے دل کا نذرانہ لئے حاضر ہوا۔

دونوں ہاتھ ادب سے سینے پر رکھے ہوئے، سر جھکا ہوا محمد احمد نے شیخ کو سامنے پایا تو ان کی عظمت اور رعب سے کپکپانے لگے۔ کچھ سنبھلے تو صرف اتنا کہا

اس کمترین کو حضور کی قدم بوسی کی بڑی آرزو تھی۔

بابا فرید کو شاید اسی مرید صادق کا انتظار تھا، نوجوان محمد احمد کو دیکھا تو فرمایا

اے آتش فراقت دل ہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جاں ہا خراب کردہ

تیری جدائی کی آگ نے میرے دل کو کباب کر رکھا ہے....

تجھ سے ملاقات کے اشتیاق نے میری جان کو تباہ کر رکھا ہے....

اہل نظر روحانی ہستیوں پر لوگوں کا حال خوب روشن ہوتا ہے۔ کس کی طلب کتنی سچی ہے، کون کس امانت کو اٹھانے کا اہل ہے، کس کا دل محبوب حقیقی کا محل ہے۔

اہل نظر جان لیتے ہیں کہ کس کے دل میں روحانیت کی شمع جل رہی ہے اور کس کے دل میں دنیا کی طمع پل رہی ہے۔

روحانیت کی شمع اور دنیا کی طمع ایک ساتھ ہونا ممکن نہیں ہے۔ بابا فرید کے دل میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے معرفت الٰہی اور قرب خداوندی کی شمع روشن کی تھی۔ اس شمع کی روشنی بھی اگلی نسل کو منتقل کرنا تھی۔ بابا فرید نے اپنے کئی مریدوں کو خلافت عطا فرمائی تھی لیکن وہ اپنے ایک اور وارث کا انتظار کر رہے تھے۔ محمد نظام الدین نے آستانۂ بابا فرید پر حاضری دی تو بابا فرید کا یہ انتظار ختم ہوگیا۔

بابا فرید نے محمد نظام الدین کو قبول فرمایا اور اسی دن بیعت فرمالیا۔

وہ بڑے کرم کے تھے فیصلے
وہ بڑے نصیب کی بات تھی

(جاری ہے)

اگیا بیتال

گزشتہ قسطوں کا خلاصہ: کچھ عرصہ پہلے ہماری ملاقات شہاب صاحب سے ہوئی، جو ایک پڑھے لکھے معزز تجارت پیشہ شخص ہیں، ماورائی علوم و ٹیلی پیتھی اور جنات کے وجود کے موضوع پر ہم دونوں کے خیالات اور ذوق مشترک تھے، جو ہماری دوستی کا باعث بنے۔ شہاب صاحب نے ہمیں بتایا کہ ان کی جنات سے دوستی ہے اور کئی مرتبہ کاروباری مشکلات سے نکلنے اور کاروبار کی ترقی میں ان کے دوست جنات کی مدد شامل رہی اور کئی مرتبہ انہوں نے بھی جنات کی مدد کی۔ میرے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ جنات کے ایک معزز خاندان کا نوجوان زائم، کراچی میں رہنے والی ایک دوشیزہ حیشال پر بُری طرح مر مٹا۔ دونوں گھرانوں کے والدین اس بات سے پریشان تھے۔ کراچی کے ایک روحانی بزرگ محترم شاہ صاحب نے اس معاملے کو نمٹانے میں اہم کردار ادا کیا۔ چند شیطانی عمل کرنے والے آدمیوں کی وجہ سے ان کو مشکل بھی پیش آئی۔ اس قصے میں ایک کردار اس کا ایک چیلا بھی ہے جس نے گرو کے چرنوں میں کئی برس اس لیے گزار دیے کہ وہ جادو اور جنات پر قابو پانے کا عمل سیکھ سکے۔ انسانوں کی ایک لڑکی حیشال ایک جن لڑکے زائم کی محبت میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ زائم کی مدد سے سلیم احمد کے کاروبار میں خوب ترقی ہوتی ہے۔ کراچی کے ایک جادوگر نے جن قابو کرنے کی خواہش میں زائم پر حملے شروع کیے اور آخر کار اسے قید کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ سامری جادوگر زائم پر مکمل قابو پانے کے لیے چاند میاں کو زائم کا روپ دے کر حیشال کے گھر بھیجنے کا ارادہ کرتا ہے۔ شاہ صاحب مراقبے کے ذریعے معلوم کرتے ہیں کہ سلیم احمد اور ان کی فیملی پر جادوئی عملیات کیے گئے ہیں۔ شاہ صاحب سلیم احمد کو رہائش تبدیل کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ دوسری جانب زائم کی گمشدگی سے جنات کے قبائل میں تشویش پائی جاتی ہے۔ سامری زائم سے ایک سودا کرتا ہے۔ سلیم احمد، شاہ صاحب کے کہنے پر ایک اپارٹمنٹ کرائے پر لے لیتے ہیں۔ سامری زائم کو کچھ شرائط پر اپنی خیریت سے آگاہ کرنے کے لیے جنات کی بستی میں لے جاتا ہے۔ جہاں زائم جنات کے ایک قبیلے کے سردار سے کہتا ہے کہ میری خیریت سے میرے گھر والوں کو آگاہ کر دیا جائے۔ زائم اپنی کی خبر اپنے قبیلے والوں تک پہنچاتا ہے۔ دوسری طرف سلیم احمد سخت بیمار ہو جاتے ہیں۔ شاہ صاحب ان پر دم کرتے ہیں تو شاہ صاحب کی حالت بھی خراب ہو جاتی ہے۔ جنات کے ایک سردار سے زائم کی خبر ان کے قبیلہ والوں تک پہنچتی ہے۔ ساتھ ہی یہ اطلاع بھی ملتی ہے کہ اسے ڈھونڈا نہ جائے۔ زائم کے گھر والے اس کی تلاش کے لیے شاہ صاحب کے پاس جانے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ جنات کی ایک جماعت نے شاہ صاحب کے منتظم ورس شیخ عبدالعزیز سے ملاقات کی۔ شیخ عبدالعزیز نے اپنے ایک بھائی کی معرفت جنات کی ملاقات جمیلہ بیگم سے بھی کروائی۔ جمیلہ بیگم سے چند سوالات کر کے وہ جنات سلیم احمد کے پرانے مکان تک پہنچے اس مکان سے زائم کے چند نشانات ملے۔ یہ بھی تصدیق ہوئی کہ سلیم احمد کو جادو کا نشانہ کہاں بنایا گیا تھا۔ سلیم احمد کئی دنوں سے ہسپتال میں ماہر ڈاکٹروں کی نگرانی میں زیرِ علاج تھے لیکن ان کی حالت ٹھیک نہیں ہو رہی تھی۔ دوسری جانب چاند میاں سامری جادوگر کے کسی گندے عمل کے لیے ایک کالی بلی پکڑ لاتا ہے.... جنوں کو زائم کے بارے میں چھوٹے چھوٹے کچھ سراغ ملتے ہیں۔

قسط نمبر 30

جن کو قابو میں کرنا ہے تو مشکل کام لیکن ایک دفعہ یہ مشکلات اٹھالی جائیں تو پھر ساری زندگی مزے ہی مزے ہیں۔

ہاں گرو.....

دیکھ.....! اس دنیا میں لوگ ایسے آدمی سے ہی مرعوب ہوتے ہیں نا جس کے پاس ڈھیر ساری دولت اور بہت زیادہ طاقت ہو۔ اب دولت کمانا آسان کام تو ہے نہیں لیکن اگر کوئی جن قابو میں آجائے تو پھر دولت کمانے کے لیے محنت کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ دولت خود بخود ملنے لگتی ہے۔

واہ جی واہ..... پھر تو عیش ہی عیش.....پیسے کے ذریعے جو چاہو وہ پاؤ.....

ہاں یہی بات ہے۔ دنیا پیسے پر مرتی ہے۔ لوگ جس کے پاس پیسہ دیکھتے ہیں اسے اپنا دوست بنانا چاہتے ہیں۔ کسی کے پاس پیسہ نہ ہو تو سگے رشتہ دار بھی اس سے دور ہی رہنا چاہتے ہیں۔

یہ تو ہے..... گرو.....! ایک بات پوچھوں.....؟

ہاں.....پوچھ

آپ نے اپنے کسی بھائی بہن، کسی رشتے دار کا ذکر کبھی نہیں کیا۔ آپ کے رشتہ دار ہیں.....؟

ہاں.....ہاں کیوں نہیں ہیں۔ میرے بہت سارے رشتہ دار ہیں۔ بھائی بہن بھی ہیں لیکن جب سے میں نے اپنا نام اور اپنا کام تبدیل کیا ہے یعنی جب سے میں نے جادو کی اس گندی لائن میں قدم رکھا ہے اور میرا نام سامری رکھا گیا ہے تب سے میں نے اپنے سب رشتہ داروں کو چھوڑ دیا ہے۔

اچھا..... مگر کیوں.....؟

دیکھ.....! اگر میں انہیں نہ چھوڑتا تو وہ مجھے چھوڑ دیتے۔

کوئی درمیانی راستہ بھی تو ہو سکتا تھا۔

نہیں..... کوئی درمیانی راستہ میں نے خود نہ چاہا۔ دیکھ..... ہر آدمی اپنے جیسوں کے ساتھ رہنا پسند کرتا ہے۔ سچے لوگ سچے آدمیوں کو پسند کرتے ہیں۔ جھوٹے لوگ جھوٹوں کے ساتھ خوش رہتے ہیں۔ اچھے لوگ اچھوں کے ساتھ اور برے لوگ بروں کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔

آپ کے رشتہ داروں میں کوئی اور جادو ٹونے کی اس گندی لائن میں نہیں ہے.....؟

نہیں..... وہ سب سیدھے سادھے اور غریب لوگ ہیں۔

آپ اس لائن میں کیسے آگئے.....؟

ایک آوارہ آدمی سے میری دوستی ہوگئی تھی۔ اسے برے عملیات اور جادو ٹونے کا شوق تھا۔ اس کی باتیں سن سن کر مجھے بھی شوق ہوا۔ اس آدمی نے مجھے ایک جادوگر سے ملوا دیا۔ کچھ دنوں بعد وہ آدمی تو کہیں چلا گیا لیکن میں اس جادوگر کا پکا شاگرد بن گیا۔

سامری نجانے کس موڈ میں تھا۔ وہ اپنے ماضی کے اوراق خود ہی پلٹ رہا تھا۔

اس جادوگر نے مجھے بڑی بڑی باتیں سکھائیں۔ ایک دن اس نے بتایا کہ جادوگر بننا ہے تو شیطان کی پوجا کرنی ہوگی۔ میرے دل میں جادو سیکھنے کی خواہش جڑ پکڑ چکی تھی۔ میں شیطان کی پوجا کے لیے تیار ہو گیا۔ میری آمادگی دیکھ کر میرا استاد بہت خوش ہوا۔ اس نے بتایا کہ شیطان کا پجاری بننے کے لیے کئی گندے کام کرنے ہوتے ہیں۔

میں نے وہ سب گندے کام کر لیے۔ پھر میرے استاد نے میرا نام تبدیل کر کے سامری رکھ دیا اور مجھے شیطان کے پجاریوں میں شامل کر لیا۔

اچھا..... آپ کے استاد نے اور کیا کیا.....؟

میرا نام تبدیل کرنے کے بعد استاد نے مجھ سے کہا کہ

تو نے اپنے ماں باپ کا رکھا ہوا نام چھوڑ دیا ہے اب اپنے ماں باپ سے جڑے تمام رشتوں کو بھی چھوڑ دے۔ کسی کو بہن یا بھائی نہ سمجھ، کسی کو چاچا ملا نسان....

ایسا....؟

ہاں.... ایسا.... استاد نے کہا کہ شیطان کے پجاری کسی کے رشتے دار نہیں ہوتے۔ ان کے سامنے صرف اپنا مفاد ہوتا ہے۔

ہاں.... یہ بات تو آپ نے مجھے بھی بار بار سمجھائی ہے۔

شیطان کے پجاری چاہتے ہیں کہ اچھی سوچ رکھنے والوں کو تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ شیطان کے پجاری کہتے ہیں کہ کسی کے احسان کی کبھی قدر نہیں کرنی چاہیے۔ قدر کرنا تو ایک طرف، اچھائیوں کا بدلہ برائی سے دینے کی کوشش کرنا چاہیے۔

اچھائی کا بدلہ برائیوں سے دینے میں شیطان کی کیا مصلحت ہے....؟

نیکیوں کا بدلہ برائی سے ملے تو نیکی کرنے والے کا دل دکھتا ہے۔ اچھے آدمی کا بھروسہ دوسروں پر ختم ہونے لگتا ہے۔

واقعی کیا پتے کی بات ہے....!

ہاں.... شیطان ان لوگوں سے خوش ہوتا ہے جو دوسروں کے اچھے سلوک کو فراموش کر دیتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ انسانوں میں خود غرضی، مطلب پرستی اور احسان فراموشی کے جذبات عام ہو جائیں۔

صرف احسان فراموشی ہی نہیں.... بلکہ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنے محسنوں کو تکلیفیں پہنچائیں، انہیں ذہنی اذیتیں دیں۔

اچھا.... اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ اپنے محسنوں کو تکلیفیں دیتے ہیں وہ دراصل شیطان کو خوش کرتے ہیں۔

بالکل.... اور اس کام کے کئی مرحلے ہیں۔ پہلا مرحلہ یہ ہے کہ جو تمہارے ساتھ اچھائی کرے تم اس اچھائی کو بالکل نظر انداز کر دو اور اس کا ذکر کسی سے نہ کرو۔

ٹھیک ہے اور ایسا تو معاشرے میں عام ہوتا ہے۔

ہاں.... دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ کسی کے اچھے سلوک کو تم اس کی مجبوری بتاؤ۔

وہ کیسے....؟

وہ ایسے کہ تم یہ کہو کہ فلاں آدمی نے فلاں اچھائی اس لیے کی کیونکہ ایسا کرنا اس کی اپنی ضرورت تھی۔ کہو کہ اگر وہ تمہارے ساتھ فلاں اچھائی نہ کرتا تو اسے فلاں فلاں نقصان ہوتا....

ہوں.... بات سمجھ میں آ رہی ہے....

خود غرض اور موقع پرست لوگ ان باتوں کو جلدی سمجھ لیتے ہیں۔ ان ترکیبوں کو اپنے خاندان میں انتشار پھیلانے یا اپنے معاشی معاملات میں آگے بڑھنے کے لیے خوب استعمال کرتے ہیں۔

واہ گرو واہ.... اور کون کون سے مراحل ہیں....؟

برائی کا ایک اور درجہ یہ ہے کہ جو تمہارے ساتھ اچھا کرے تم اس کے ساتھ برا کرو۔ جب تمہاری اپنی غرض ہو تو کسی کے پاؤں بھی پکڑ کر اس سے مدد مانگو۔ جب اس کی مدد سے تم مشکل سے نکل آؤ تو اس شخص کی برائیاں شروع کر دو۔

گرو.... اجب ایسے آدمی کی برائیاں کی جائیں گی تو لوگ یہ نہیں کہیں گے کہ اس آدمی نے تو تمہاری مدد کی تھی۔

ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ کہیں.... لیکن اس آدمی کی برائیاں کرتے رہو۔ تمہاری باتیں جب تمہاری مدد کرنے والے آدمی تک پہنچیں گی تو آئندہ کسی کی مدد کرنے سے پہلے وہ سو بار سوچے گا۔

واہ.... ایسا کرنے سے اچھے لوگوں کی حوصلہ شکنی ہوگی۔

ہاں.... ایسا کرنے سے اس اچھے لوگوں کے راستے

میں رکاوٹیں بھی کھڑی ہوں گی۔

شیطان چاہتا ہے کہ اچھے لوگوں کے راستوں میں رکاوٹیں کھڑی کی جائیں....؟

شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ اچھائیوں کی جڑیں کاٹی جائیں اور برائیوں کو خوب پھیلایا جائے۔

احسان فراموشی یا محسن کشی سے اچھائی کی راہ رو کنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن اس کام سے برائیاں کیسے پھیلیں گی....؟

دیکھ.... جب اچھے لوگ بد دل اور مایوس ہو کر ایک طرف بیٹھنے لگیں گے تو برے لوگوں کے لیے راستے خود بخود صاف ہوتے جائیں گے۔یاد رکھ.... کسی جگہ اچھے لوگوں کے راستے بند کیے جانے لگیں تو وہاں دھوکہ باز اور بد معاش لوگ آسانی سے غلبہ پالیتے ہیں۔

اور شیطان یہی چاہتا ہے.... چاند میاں نے سامری کی بات سمجھتے ہوئے کہا

ہاں.... شیطان چاہتا ہے کہ انسانوں کے معاملات سچے اور کھرے لوگوں کے ہاتھ میں نہ ہوں اس کے بجائے دھوکہ باز، جھوٹے اور بد معاش لوگ انسانوں کے معاملات چلائیں۔

اس مقصد کو پانے کے لیے شیطان کیا کام کرتا ہے....؟

شیطان بہت کم ہی کوئی کام خود کرتا ہے۔شیطان کے زیادہ تر کام تو انسان خود اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں۔

ہاں.... یہ بات آپ نے پہلے بھی بتائی تھی۔

شیطان کا اصل کام تو انسان کے دل میں وسوسے ڈالنا اور اسے برائیوں پر اکسانا ہے۔برے کام تو انسان خود کرتا ہے۔

گرو.... آپ کو اپنے ماں باپ ، بہن بھائی یاد نہیں آتے....؟

شروع شروع میں آتے تھے۔میرے استاد نے مجھے کہا کہ تو اپنے دل کو سخت کرلے اور اپنے دل میں سیاہی بھر لے، کسی کو یاد نہ کر، صرف اپنے بارے میں سوچ، صرف اپنا مفاد دیکھ۔شیطان کے پجاریوں کو رشتے ناطے اور دوستیاں نبھانے کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیے۔

چلو.... میرے لیے تو بہت آسانی ہے۔سامری کی بات سن کر چاند میاں بولا

میرے ماں باپ میں جھگڑا رہتا تھا، ایک دن باپ لڑ جھگڑ کر چلا گیا۔ماں ذہنی مریض بن چکی تھی۔ہم بہن بھائی ایک دوسرے سے لڑتے رہتے تھے۔پھر ایک دن بھائیوں نے مجھے گھر سے نکال دیا۔

ڈار سے بچھڑا ہوا پرندہ شکاری کے جال میں آسانی سے پھنس جاتا ہے۔اسی طرح تیرے جیسے ٹھکرائے ہوئے آدمی شیطان کے چکر میں آسانی سے آسکتے ہیں۔

ہی ہی ہی ہی.... سامری کی بات سن کر چاند میاں بے شرمی سے ہنسنے لگا۔

ویسے تو ایک دن بڑا جادوگر بنے گا۔

اچھا گرو.... ہی ہی ہی.... آپ نے میرے اندر ایسا کیا دیکھا....؟

تو اپنے بھائی سے بہت نفرت کرتا ہے اور تیرے دل میں انتقام کی آگ جل رہی ہے۔

واہ گرو.... آپ نے بالکل ٹھیک دیکھا۔

شیطانی سوچ اس نفرت کو مزید بڑھائے گی۔نفرت بڑھنے سے انتقام کی آگ اور زیادہ بھڑکے گی۔

شیطان کے نزدیک نفرت کی کیا اہمیت ہے....؟

جو لوگ دوسروں سے نفرت کرتے ہیں شیطان ان سے خوش ہوتا ہے اور جو لوگ اپنے سگے بھائی بہنوں سے ہی نفرت کرنے لگیں ایسے آدمیوں کو تو شیطان خود اپنے قریب کرلیتا ہے۔

واہ.... یہ تو بہت اچھا سودا ہے۔بھائی بہنوں کی محبت سے مجھے کیا ملتا تھا۔شیطان کی قربت ملنے سے تو کئی

تھیلیاں ملیں گی۔
شیطان کو خوش کرنے کے لیے ابھی اور بہت سے گندے کام کرنے ہیں۔
چاند میاں یہ گندے کام کے لیے بخوشی تیار ہے۔
اچھا چل اٹھ..... اب میرے سفلی عمل کا وقت ہو رہا ہے۔
جن زادے کو بلی کے جسم میں منتقل کرنے کے لیے ابھی کتنا عمل باقی ہے.....؟
ایک دو دن کا کام اور رہ گیا ہے۔
گرو..... اس دوران اس جن کو تلاش کرنے والے جنات اگر یہاں تک پہنچ گئے تو کیا ہوگا.....؟
تیرا کیا خیال ہے..... کیا اسے تلاش کرنے والے یہاں سے نہ گزرے ہوں گے..... ارے وہ سو بار بھی یہاں سے گزر جائیں ساحری کا طلسم دیکھ نہیں پائیں گے۔
اچھا گرو..... ساحری کے رعب سے چاند میاں کی آواز پست ہو رہی تھی۔
ساحری اٹھ کر دوسرے کمرے میں گیا اور لکڑیاں جلا کر شیطان کی پوجا کے انتظامات کرنے لگا۔
آج شیطان کی پوجا کے وقت ساحری کو مکمل تنہائی چاہیے۔ تو یہاں سے باہر چلا جا اور دو گھنٹے بعد واپس آنا۔ واپس آکر مجھے کھانا اور شراب پیش کرنا۔
ٹھیک گرو..... چاند میاں ساحری کو تنہا چھوڑ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ وقت گزاری کے لیے اس نے ایک قریبی پارک کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

***

شاہ صاحب کی طبیعت مزید بہتر ہوئی تو انہوں نے لوگوں سے عام ملاقات بھی شروع کردی۔ روزانہ سینکڑوں افراد شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اپنے مسائل انہیں بتا کر ان سے دعا کی درخواست کرتے۔ شاہ صاحب بہت ہمدردی اور توجہ سے لوگوں کی بات سنتے اور انہیں اپنے مشوروں اور دعاؤں سے نوازتے تھے۔
اس دن بھی ایسا ہی ہو رہا تھا۔ اس دوران ایک لڑکی کو شاہ صاحب کے پاس لایا گیا۔ تقریباً پندرہ سولہ سال کی اس لڑکی کے والدین نے یہاں آکر بتایا کہ اسے چھ سات ماہ سے دورے پڑ رہے ہیں۔
شاہ صاحب کے مرکز میں اس قسم کے مریضوں کا آنا عام سی بات تھی۔ مرکز کے کارکنان نے اس بچی کو اور اس کے والدین کو مریضوں کی قطار میں بٹھا دیا۔
شاہ صاحب اپنے حجرے میں تشریف فرما تھے اور باری باری مریضوں سے مل رہے تھے۔ وہ لڑکی اپنے والدین کے ساتھ شاہ صاحب کے حجرے کے قریب بیٹھ گئی۔ اسے وہاں بیٹھے ہوئے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ اس نے ایک زوردار چیخ ماری اور اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ ادھر ادھر دیکھا اور باہر کی طرف بھاگنے لگی۔
اس کے والدین اس کے پیچھے بھاگے اور اسے پکڑ لیا۔ لڑکی مجھے چھوڑ دو..... مجھے چھوڑ دو..... کہتے ہوئے چلانے لگی۔ اس کا ایک ہاتھ اس کے والد نے اور دوسرا ہاتھ والدہ نے پکڑ لیا تھا۔ وہ لڑکی چلاتے ہوئے اپنی ماں کی طرف جھکی اور بے ہوش ہو گئی۔
لڑکی کی والدہ نے مشکل سے اسے سنبھالا۔ ایک طرف لٹا کر اس پر چادر ڈالی اور اس پر پانی کے چھینٹے مار کر آوازیں دے دے کر اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگی۔
شور سن کر شاہ صاحب بھی حجرے سے باہر تشریف لے آئے۔ لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھ کر اس پر دم کیا اور اپنے حجرے میں واپس تشریف لے گئے۔ چند منٹ بعد لڑکی ہوش میں آگئی۔
لڑکی کی والدہ نے شاہ صاحب کو بتایا کہ یہ تقریب

کے وقت گھر کی چھت پر جا کر اپنا اسکول کا کام کرتی تھی۔

اس کے بال لمبے ہیں اور اسے اپنے بال کھلے رکھنے کا بہت شوق ہے۔ گھر میں یہ اپنے بال اکثر کھلے رکھتی تھی۔ شام کو چھت پر جاتے ہوئے بھی اس کے بال کھلے ہوتے تھے۔ اسے کئی بار کہا کہ شام کے وقت بال کھلے نہ رکھا کر لیکن یہ نہ مانی۔

چھ سات ماہ پہلے ایک شام یہ نہا دھو کر تیار ہوئی۔ اس نے ہلکی سی خوشبو بھی لگائی اور اپنی کتابیں کاپیاں لے کر چھت پر چلی گئی۔ پھر رات ہونے کے کچھ دیر بعد اچانک اس کی چیخ سنائی دی۔ میں دوڑ کر اوپر گئی تو دیکھا کہ یہ بے ہوش پڑی ہوئی ہے۔

لڑکی کے والد نے بتایا کہ اسے کئی لوگوں کو دکھا چکے ہیں۔ کسی کا کہنا ہے کہ جن کا سایہ ہو گیا ہے، کسی نے بتایا ہے کہ اس پر کوئی پری آئی ہے۔ جن یا پری کے اثر سے یہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔

ہوں.... لڑکی کے والدین کی باتیں سن کر شاہ صاحب نے ہنکارا۔ تھوڑی دیر سوچتے رہے پھر فرمایا

میرے خیال میں تو اس لڑکی کو ہسٹیریا کے دورے پڑ رہے ہیں۔ اسے کسی لیڈی ڈاکٹر کو دکھائیں۔

بزرگو.... ! ڈاکٹر کیا کر لیں گے۔ اسے کوئی بیماری تھوڑی ہے۔ اس پر تو اثرات ہیں۔ اس لڑکی کا باپ دیہاتی پس منظر رکھنے والا مزدور پیشہ شخص تھا۔ اس کا اس طرح بولنا شاہ صاحب کے مریدوں کو ناگوار گزرا۔

شاہ صاحب اچھی طرح جانتے ہیں کہ کس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔ ایک مرید نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔

نہیں بھئی نہیں.... ایسا نہ کہو، شاہ صاحب نے اپنے مرید کو روکا اور پھر لڑکی کے والد کی طرف رخ کر کے فرمایا

انہیں اپنی بات کہنے دو۔

دیکھیں جی.... اس پر اثرات ہیں۔ جب ہم اسے تعویذ پلاتے ہیں یا اس پر دم کیا ہوا پانی چھڑکتے ہیں تو یہ ٹھیک ہو جاتی ہے، اگر یہ بیمار ہوتی تو ان چیزوں سے کیسے ٹھیک ہوتی.... اثرات ہیں جب ہی تو یہ تعویذ سے ٹھیک ہوتی ہے۔

اچھا بھئی .... یہ تعویذ سے ٹھیک ہو رہی ہے تو پھر اب کیا مسئلہ ہے....؟

جناب مسئلہ یہ ہے کہ پچھلے آٹھ دنوں سے وہ تعویذ بھی کام نہیں کر رہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کوئی طاقتور تعویذ دیں تاکہ ان اثرات سے اس لڑکی کی جان چھوٹ جائے۔

اچھا ٹھیک ہے....! میں تعویذ دیتا ہوں۔ تم یہ تعویذ اسے پلانا لیکن ساتھ ہی اسے ڈاکٹر کو بھی دکھا دینا۔

آپ کہتے ہیں تو ہم ڈاکٹر کو دکھا دیں گے لیکن یہ ڈاکٹروں کا کیس ہے نہیں۔ دوسری بات یہ کہ ہم غریب لوگ ڈاکٹروں کی فیسوں اور مہنگی دواؤں کے لیے پیسے کہاں سے لائیں گے۔

ہاں واقعی یہ تو سوچنے کی بات ہے لیکن تم فکر نہ کرو۔ تم چاہو تو ہمارے حلقے کی ایک لیڈی ڈاکٹر صاحبہ اس بچی کو دیکھ لیں گی۔ اگر ضرورت پڑی تو دوائیں بھی وہ اپنے پاس سے دے دیں گی۔

یہ تو ہم غریبوں پر آپ کا بہت بڑا کرم ہو گا۔ اچھا پہلے کے تعویذوں کا کیا کریں....؟

پہلے کے سب تعویذوں کو بہتے ہوئے صاف پانی میں ٹھنڈا کر دو اور دو روز بعد پھر ہمارے ہاں آئیں۔

بہت بہتر جناب....

شاہ صاحب نے تو کہا تھا کہ پرانے تعویذ کسی جگہ صاف پانی میں بہا دیئے جائیں لیکن وہ لوگ واپس جاتے ہوئے تعویذوں کا ایک پلندہ دروازے کے پاس ڈال گئے۔

مرکز کے ایک کارکن کی نظر اس پلندے پر پڑی تو

وہ اسے اٹھا کر شیخ عبدالعزیز کے پاس لے گیا۔ یہ پلندہ دیکھ کر شیخ عبدالعزیز نے کہا کہ شاید یہ اسی لڑکی کے والدین نے ڈالا ہوگا۔ چلو خیر....! اب تم جا کر اس پلندے کو پانی میں بہا آنا۔

جناب.... کھول کر نہ دیکھیں کہ ان تعویذوں میں کیا لکھا ہے.... نوجوان کارکن کا جذبہ تجسس بیدار ہو رہا تھا۔

اچھا بھئی دیکھ لو.... شیخ عبدالعزیز نے اس نوجوان کو اجازت دے دی۔ وہ نوجوان ایک ایک تعویذ کو کھول کر ان پر لکھی ہوئی عبارت کو پڑھنے لگا۔ کاغذ کے ان تعویذوں پر کچھ حروف اور چند اعداد لکھے ہوئے تھے لیکن ان میں سے ایک تعویذ کاغذ کا نہیں تھا۔ وہ کوئی جھلی نما چیز تھی اور اس پر آڑھی ترچھی لکیریں کھنچی ہوئی تھیں۔ جھلی پر کسی جاندار کا چہرہ بنانے کی کوشش بھی کی گئی تھی۔ ان لکیروں کے آخر میں لکھا ہوا تھا.... "سامری"

جناب.... ذرا اس جھلی کو تو دیکھیں۔ نوجوان نے شیخ عبدالعزیز کو وہ جھلی دکھاتے ہوئے کہا۔

ہاں واقعی کچھ عجیب سی چیز لگتی ہے۔

یہ شاہ صاحب کو دکھائی جائے۔ نوجوان نے شیخ عبدالعزیز سے پوچھا

ہاں.... ہمیں یہ جھلی شاہ صاحب کو فوراً دکھانی چاہیے۔

شاہ صاحب نے وہ جھلی اور اس پر کھنچی ہوئی لکیریں ملاحظہ فرمائیں اور پوچھا

یہ کہاں سے ملا ہے....؟

حضرت....! غالباً اس لڑکی کے والدین یہ پلندہ مرکز کے دروازے پر چھوڑ گئے ہیں۔

اچھا ٹھیک ہے۔ وہ لوگ دوبارہ آئیں تو ان سے پوچھنے گا کہ جھلی پر یہ نقش انہیں کس نے دیا ہے۔

جی بہت بہتر....

❖❖❖

وہ ایک ویران سا پارک تھا۔ پانی نہ ملنے اور دیکھ بھال نہ ہونے سے گھاس سوکھ چکی تھی۔ پودے مرجھا رہے تھے اور درخت کی شاخیں بے ترتیبی سے پھیل رہی تھیں۔

چاند میاں اس ویران پارک میں ایک ٹوٹی ہوئی بنچ پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ تھوڑی دور ایک درخت کے نیچے چار پانچ آدمی دائرہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے اور نشے سے بھرے سگریٹ پی رہے تھے۔ چاند میاں کچھ دیر تو بنچ پر بیٹھا رہا پھر اس بنچ پر سیدھا لیٹ گیا اور آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔

اس دوران جنات کی ایک جماعت کا اس ویران پارک سے گزر ہوا۔

اس جماعت میں محترم فرزان کے جنات کے ساتھ سردار کے بھیجے ہوئے وہ تین جنات بھی تھے جنہوں نے کچھ عرصے پہلے سامری اور چاند میاں کو اپنے علاقے میں روکا تھا۔ ان جنات کو سامری اور چاند میاں کی شکلیں یاد تھیں۔

پارک سے گزرتے ہوئے ان میں سے ایک جن کی نظر چاند میاں پر پڑی۔

ٹھہرو ٹھہرو ٹھہرو.... یہ تو وہی آدمی لگتا ہے۔ اس جن نے اپنے ساتھیوں کو بتایا۔

ہاں لگتا تو اس جیسا ہی ہے۔ اس کے دوسرے ساتھی نے اپنی یادداشت پر زور دیتے ہوئے کہا

چلو دیکھ لیتے ہیں.... ہمیں اس کے پاس ہی رہنا چاہیے۔ دیکھتے ہیں کہ یہ کہاں جاتا ہے اور کس سے ملتا ہے۔

اپنے ارد گرد جنات کی موجودگی سے بے خبر چاند میاں بنچ پر لیٹا ہوا آسمان کو تکے جا رہا تھا۔

(جاری ہے....)

❄

منیر حسین صدیقی

فرنگ نامہ

عام مثل ہے "سفر وسیلہ ظفر ہوتا ہے"۔ یعنی سفر کے ذریعہ کامیابی اور بہتری کی راہیں کھلتی ہیں.... سفر مختلف تہذیبوں سے آگہی، انسانی رویوں کو سمجھنے اور ذہنی وسعت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قرآن میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ انسان اللہ کی زمین پر سفر کرے اور اللہ کی صناعی اور اس کے تنوع کا مطالعہ کرے تاکہ اللہ کی حقیقت اس پر واضح ہو۔

اردو ادب میں سفرنامہ کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ زیر نظر تحریر بھی اسی تسلسل کی ایک کڑی ہے۔ اس سفرنامے میں جائزہ لیا گیا ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان زبان، تمدن و ثقافت کا کیا فرق ہے۔ پاکستانی طالبعلموں کے لیے برطانیہ میں کس طرح کے مواقع و مشکلات موجود ہیں۔ مسلمان اور پاکستانی نژاد خاندان کس قسم کے تہذیبی تصادم کا سامنا کر رہے ہیں۔

نواں حصہ

برطانیہ میں سکونت کے مواقع

کچھ قارئین کرام نے خواہش ظاہر کی ہے کہ فرنگ نامہ میں برطانیہ میں طالب علموں کے لئے مواقع، اور مستقل سکونت اختیار کرنے کے لئے رہنمائی کی جائے۔ میں کوشش کروں گا کہ اپنے اس سفرنامے میں قارئین کی اس خواہش کا خیال رکھوں۔

برطانیہ میں پاکستانیوں کی سب سے بڑی تعداد 1960 کی دہائی میں وہاں پہنچی جب میرپور آزاد کشمیر سے تارکین وطن برطانیہ منتقل ہوئے۔ یہ لوگ منگلا ڈیم کی تعمیر کے موقع پر برطانیہ آکر سکونت پذیر ہوئے، ان تارکین کی سب سے بڑی تعداد برطانیہ کے دوسرے

بڑے شہر برمنگھم اور اس کے نواح میں آباد ہوئی۔ اس کے بعد گجرات، جہلم اور اس کے نواح سے پاکستانیوں کی بڑی تعداد منتقل ہوئی۔ یہ لوگ زیادہ تر بریڈ فورڈ، گلاسگو اور مانچسٹر میں آباد ہوئے۔ یہ عام طور پر فیکٹری ورک فورس تھی۔

پاکستان سے تعلیم کی غرض سے برطانیہ جانے والے نوجوانوں کی سب سے بڑی تعداد مشرف دور میں برطانیہ آئی۔ پاکستان سے برطانیہ جانے والے افراد کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک اسپانسر شپ کے ذریعے اور براہ راست۔ اسپانسر شپ کی صورت میں کسی رشتہ دار یا کمپنی کے ذریعے ملازمت کے ویزے شامل ہیں۔ براہ راست جانے والے افراد دو طرح سے برطانیہ جاسکتے ہیں ایک تعلیمی ویزہ یا پیشہ ورانہ ویزہ۔

ہم بھی پاکستان سے تعلیمی ویزہ پر ہی برطانیہ گئے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب پاکستان سے بڑی تعداد میں نوجوان بیرون ملک جارہے تھے۔ ابتداء میں برطانوی تعلیمی اداروں سے تعلیم مکمل کرنے والے طلباء کو ملازمت ملنا قدرے آسان تھا۔ خصوصاً سن دو ہزار کے اوائل میں پاکستانی طلباء زیادہ آسانی کے ساتھ ملازمتوں سے وابستہ ہوجایا کرتے تھے۔ وہاں شہریت حاصل کرنے کا طریقہ کار کچھ ایسا تھا کہ دس سال تک قانونی طور پر مقیم رہنے سے وہاں Indefinite Visa مل جاتا تھا جو آگے چل کر شہریت میں تبدیل ہوجاتا تھا۔ اس دس سال میں تعلیمی سال، اس کے بعد بعد از تعلیم ورکنگ ویزہ بھی شامل تھا۔ چنانچہ وہاں بہت سے پاکستانی نوجوان صرف شہریت کے پروسس سے جڑے رہنے کے لئے تعلیمی ویزہ بڑھواتے رہتے تھے۔ اس کے بعد ورکنگ ویزہ مل جاتا تھا اس طرح دس سال مکمل کرنے کے بعد وہ شہریت کے لئے درخواست دینے کے اہل قرار پاتے تھے۔ یہی وجہ ہے 2000 کی دہائی میں برطانیہ میں پاکستانی طالب علموں کی ایسی ایک تعداد موجود تھی جو واجبی طور پر تعلیم حاصل کرتے تھے یا بالکل بھی تعلیم حاصل نہیں کرتے تھے لہٰذا وہ بعض غیر معیاری کالجز جن کو ہم طالب علم "ڈبہ کالج" کہتے تھے اندول رہتے تھے اور بوقت ضرورت کچھ ادائیگی کرکے ویزہ کے لئے درکار کاغذات لے لیا کرتے تھے۔ گو کہ اس وقت بھی بیس گھنٹہ فی ہفتہ ملازمت کرنے کی شرط عائد تھی مگر زیادہ سختی نہیں تھی چنانچہ بہت سے طالب علم کل وقتی ملازمت کرتے رہتے تھے۔

2008ء میں تین ایسے کام ہوئے جس کی وجہ سے وہاں پاکستانیوں کے لئے ملازمت کا حصول اور ڈبہ کالجز سے جڑے رہنا مشکل ہوگیا۔ پہلی وجہ یہ ہوئی کہ برطانیہ میں یورپی یونین کے دوسرے ممالک سے بڑی تعداد میں پیشہ ور افرادی قوت بڑی تعداد میں پہنچ گئی جو یورپی یونین سے تعلق اور شاید یورپی ہونے کی وجہ سے وہاں کے آجروں کے پاکستانی ملازمین سے زیادہ پرکشش افرادی قوت تھی۔ اس طرح ایسے پاکستانی نوجوان جو حقیقتہ کالجز سے درکار کاغذات کی بنیاد پر کم حیثیت کے کام کرلیتے تھے ان کے لئے بہت مشکل کھڑی ہوگئی۔

اس کے بعد 2008ء میں شدید عالمی کساد بازاری یا Global Recession کی وجہ سے برطانیہ کی صنعتوں پر شدید منفی اثرات پڑے جس کی وجہ سے وہاں بڑے پیمانے پر بیروزگاری کا سیلاب امڈ آیا۔ تیسری وجہ یہ بنی کے بی بی سی کے ایک رپورٹر نے ڈبہ کالجز کا پول کھول دیا جس کے بعد اس طرز کے کئی جعلی تعلیمی ادارے بند ہوگئے۔ اس کے بعد برطانیہ نے بہت سخت امیگریشن اور ورکنگ قوانین متعارف کرائے۔ پہلے یہ ہوا کرتا تھا پاکستانی طالب علم کسی یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کرکے

گئے تو ان کو دو سال کا ورکنگ ویزہ Post study Working Visa (PSW) حاصل ہو جاتا یا وہ اپنے طور پر مخصوص شعبوں میں مہارت کا ویزہ Higher Skilled Working Visa (HSMP) کر لیا کرتے تھے۔

اب مشکل یہ پیش آئی کہ شہریت کے لیے دس سالہ قانونی قیام میں سے تعلیمی سال منہا کر دیے گئے یوں صرف ورکنگ ویزہ ہی کی بنیاد پر شہریت کی دوڑ میں شامل رہنا ممکن رہا۔ دوسرے HSMP کو صرف چند نہایت اعلیٰ معیار کے پیشوں تک محدود کر دیا گیا جس میں سالانہ تقریباً تیس سے پچاس ہزار پاؤنڈ آمدنی ظاہر کرنی پڑتی جو ظاہر ہے برطانیہ کے لحاظ سے بھی بہت پرکشش آمدنی ہے۔ تیسرا سب سے سخت اقدام یہ ہوا کہ PSW یعنی ویزہ ختم کر دیا گیا جس کے تحت برطانیہ میں ڈگری حاصل کرنے کے بعد یہاں دو سال کا ورکنگ ویزہ لیا جا سکتا تھا یعنی اب جہاں تعلیم مکمل کرنے کے بعد طالب علم کو واپس اپنے ملک لوٹنا پڑتا ہے۔

چنانچہ مدعا یہ ہے کہ اب برطانیہ میں اگر آپ تعلیمی ویزہ پر جانا چاہتے ہیں تو پہلی بات تو یہ ذہن میں رکھیے کہ وہاں آپ کو باقاعدہ طور پر تعلیمی ادارہ میں پڑھنا پڑے گا اور وہاں کی وزارت داخلہ وقتاً فوقتاً اس تعلیمی ادارہ سے آپ کے بارے میں رپورٹ بھی لیتی رہے گی۔ دوسرا تعلیم مکمل کرنے کے بعد واپس ملک آنا پڑے گا۔ تیسرا وہاں اب بیس گھنٹہ فی ہفتہ سے زیادہ کام کرنا بھی مشکل ہے چنانچہ اپنے اخراجات وہاں سے نکالنا بھی دشوار ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ چند سالوں میں برطانیہ سے پاکستان واپس آنے والے افراد کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے۔

(جاری ہے)

بقیہ: انٹرنیٹ کے مضر اثرات

معلومات رکھیں۔ دیکھیں وہ کن سائٹس پر وقت گزارتا ہے۔ کیا دیکھنا پسند کرتا ہے۔ کہیں انٹرنیٹ کی وجہ سے اپنی زندگی تو متاثر نہیں کر رہا... دیکھیں کہ آپ کے آتے ہی اپنی چیٹ کو چھپانے کی کوشش تو نہیں کرتا، استعمال کی حد اور وقت مقرر کریں....

انٹرنیٹ کے استعمال میں وقت کی قید ہونی چاہیے اور اس میں ان کو والدین کی سرپرستی حاصل ہونی چاہیے.... کمپیوٹر بچوں کے کمرے کی بجائے گھر کی کسی ایسی جگہ لگایا جائے جہاں گھر کے تمام لوگوں کا آنا جانا ہو، جیسے کہ ٹی وی لاؤنج، تاکہ بچوں کے انٹرنیٹ کے استعمال پر نظر رکھی جا سکے۔ اولاد کے ساتھ ایسا رویہ رکھیں کہ وہ خود آپ سے ہر بات شیئر کرے... یہ بے جا دبا کر رکھنا آپ کو یہ تو محسوس کروا سکتا ہے بچہ آپ کی عزت کرتا ہے اور محبت رکھتا ہے پر ڈر اور محبت دو الگ چیزیں ہیں... کوشش کریں وہ انٹرنیٹ پر فضولیات کی بجائے معلوماتی سائٹس میں دلچسپی لے

والدین کو چاہیے کہ بچپن میں بالعموم اور نوجوانی میں بالخصوص اپنے بچوں کے دوست بن جائیں۔ آپ بچوں کو نرمی اور اپنائیت سے تو قائل کر سکتے ہیں لیکن ڈانٹ ڈپٹ اور بے جا سختی نقصان کا باعث ہو سکتی ہے۔ اپنی زندگی کے دوراہے پر کھڑے ہوئے نوجوانوں کو والدین کی مدد اور مشوروں سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے کیونکہ ان کو اس عمر میں سب سے زیادہ رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ نوجوان یاد رکھیں والدین کی محبت بے غرض اور بے لوث ہوتی ہے ان سے بڑھ کر آپ کو کوئی ہمدرد اور دوست نہیں ہو سکتا۔

جیتی جاگتی زندگی

زندگی بے شمار رنگوں سے مزین ہے جو کہیں خوبصورت رنگ اوڑھے ہوئے ہے، تو کہیں تلخ حقائق کی اوڑھنی اوڑھے ہوئے ہے۔ کہیں شیریں ہے تو کہیں نمکین، کہیں ہنسی ہے تو کہیں آنسو۔ کہیں دھوپ ہے تو کہیں چھاؤں،، کہیں سمندر کے شفاف پانی کے جیسی ہے تو کہیں کیچڑ میں کھلے پھول کی مانند۔ کہیں قوسِ قزح کے رنگ ہیں۔ کبھی اماوس کی رات جیسی لگتی ہے۔ کبھی خواب لگتی ہے، کبھی سراب لگتی ہے، کبھی خار دار جھاڑیاں تو کبھی شبنم کے قطرے کی مانند لگتی ہے۔ زندگی عذاب مسلسل بھی ہے۔ توراحت جان بھی ہے، زندگی ہر ہر رنگ میں ہے، ہر طرف ٹھاٹھیں مار رہی ہے، کہانی کے صفحات کی طرح بکھری پڑی ہے.....

کسی مفکر نے کیا خوب کہا ہے کہ "استاد تو سخت ہوتے ہیں لیکن زندگی استاد سے زیادہ سخت ہوتی ہے، استاد سبق دے کے امتحان لیتا ہے اور زندگی امتحان لے کر سبق دیتی ہے۔" انسان زندگی کے نشیب و فراز سے بڑے بڑے سبق سیکھتا ہے۔

زندگی انسان کی تربیت کا عملی میدان ہے۔ اس میں انسان ہر گزرتے لمحے کے ساتھ سیکھتا ہے، کچھ لوگ ٹھوکر کھا کر سیکھتے ہیں اور حادثے ان کے ناصح ہوتے ہیں۔ کوئی دوسرے کی کھائی ہوئی ٹھوکر سے ہی سیکھ لیتا ہے۔ زندگی کے کسی موڑ پر اسے ماضی میں رونما ہونے والے واقعات بہت عجیب دکھائی دیتے ہیں۔ وہ ان پر دل کھول کر ہنستا ہے یا شرمندہ دکھائی دیتا ہے۔ یوں زندگی انسان کو مختلف انداز میں اپنے رنگ دکھاتی ہے۔

اب تک زندگی ان گنت کہانیاں تخلیق کر چکی ہیں، ان میں سے کچھ ہم صفحہ قرطاس پر منتقل کر رہے ہیں۔

غم کی آگ

نعیمہ آپا صرف اٹھارہ برس کی تھیں جب ان کے والدین ایک ماہ سے بھی کم عرصے میں یکے بعد دیگرے انھیں، ان کے چودہ سالہ بھائی کاشان اور گیارہ سالہ رابعہ کو داغ مفارقت دے گئے۔ اب گھر کا سارا بوجھ نوجوان نعیمہ کے کاندھوں پر آپڑا تھا۔

نعیمہ نے اسی سال گریجویشن کا امتحان اچھے نمبر سے پاس کیا تھا اور مزید تعلیم کی خواہش مند تھی مگر پیٹ کا جہنم بھرنے اور چھوٹے بھائی بہن کی پرورش اور تعلیم کے لیے اسے ملازمت کرنا پڑی۔ یہ تو خدا کا شکر ہوا کہ اس کے والد مرحوم ترکے میں چھوٹا سا خوبصورت ذاتی مکان اور ایک پرانی گاڑی چھوڑ گئے تھے ورنہ خدا جانے نعیمہ اور اس کے بھائی بہن کو کہاں کہاں کے دھکے کھانے پڑتے۔

نعیمہ کے والد ایک سرکاری محکمے میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ نعیمہ کو ایک معیاری اسکول میں تدریسی ملازمت مل گئی۔ معاوضہ خاصا معقول تھا مگر اوقات کار بہت زیادہ اور نصابی و غیر نصابی معمولات تھکا دینے والے تھے۔

نعیمہ نے اپنے بہن بھائی کے بہتر مستقبل کے لیے ہر قسم کی اذیت برداشت کی حتیٰ کہ اس نے اپنے حقیقی ماموں کے بیٹے کا رشتہ یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ جب تک کاشان اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو جاتا اور رابعہ کی شادی نہیں ہوتی اس وقت تک وہ اپنا گھر بسانے

کے متعلق سوچ گی بھی نہیں۔

رابعہ اور کاشان ایک اسکول میں چھٹی اور نویں جماعت میں زیر تعلیم تھے۔ اسکول کی فیس اور دیگر واجبات تقریباً سات ہزار روپیہ ماہوار بن جاتے تھے۔ باپ کی پنشن اور اپنی تنخواہ سے حاصل ہونے والی رقم کے ذریعہ تو نعیمہ ان بچوں کے تعلیمی اخراجات برداشت کرنے کے لائق نہ تھی مگر چونکہ اس نے انہیں ماں باپ بن کر پالنے کا فیصلہ کرلیا تھا اس لیے اس نے ٹیوشن پڑھانا شروع کردی۔ جس سے اسے اچھی خاصی آمدنی ہونے لگی مگر اس جدوجہد نے نعیمہ کو نوجوانی ہی میں پیرانہ سال بنادیا۔

وقت کا پہیہ تیزی سے گھومتا رہا اور آٹھ برس بیت گئے۔ اس دوران نعیمہ نے خود کو جس طرح اوباش اور دل پھینک لوگوں کی میلی نظروں سے بچایا وہ ایک الگ داستان ہے۔ مگر اس آٹھ برس کی تگ و دو کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ نعیمہ نے رابعہ کی دھوم دھام سے شادی کردی۔ اس وقت رابعہ بھی گریجویشن کرچکی تھی جبکہ کاشان امتیازی حیثیت کے ساتھ الیکٹرانک انجینئرنگ کا امتحان پاس کرکے اعلیٰ درجہ کی ایک انجینئرنگ فرم میں بہترین مشاہرے پر ملازم ہوگیا۔

دوران تعلیم اپنی ایک ہم جماعت سے اسے لگاؤ ہوگیا۔ نعیمہ نے دونوں کی محبت کا احترام کیا اور جب کاشان نے زویا سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا تو نعیمہ بالکل معترض نہ ہوئی اور ان کا گھر بھی بسادیا۔

خدا کی شان کہ کاشان کی شادی کے چند ماہ بعد اس کے اسکول کے پرنسپل نے جو چالیس برس سے زیادہ کی عمر ہونے کے باوجود کنوارے تھے نعیمہ کو شادی کی پیشکش کی جو کچھ ردوکد کے بعد نعیمہ نے قبول کرلی۔ لیکن نعیمہ کی شادی سے نجانے کیوں کاشان ناراض ہوگیا اور اس نے گھر کا بٹوارہ کرنے اور باپ کے ترکے میں ملنے والی رقم کا مطالبہ کردیا۔ نعیمہ نے بصد خوشی اس کے مطالبے کو قبول کرلیا۔ یہ سب سازش زویا کی تھی جو نعیمہ کا سب کچھ ہتھیا لینے کی خواہش مند تھی۔ اس کو یہ بات بھی ناگوار گزر رہی تھی کہ نعیمہ کے شوہر اس کے گھر میں کیوں منتقل ہوگئے ہیں۔ وہ چپکے چپکے کاشان کو نعیمہ کے خلاف ورغلاتی بھی رہتی مگر کاشان اس کی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتا۔ وہ اپنی ماں جیسی بڑی بہن کے خلاف کچھ سننا نہیں چاہتا تھا۔ وہ زویا کے سامنے بھی موم کی ناک بنا رہتا لیکن ابھی یہ ناک پگھلی نہیں تھی۔

کاشان نے شادی کے کچھ عرصہ بعد اپنے لیے ایک قطعہ زمین خرید لیا تھا جس کی قیمت پانچ لاکھ روپیہ تھی۔ دو لاکھ اس کے پاس نقد تھے اور مزید تین لاکھ کی ضرورت پیش آگئی۔ ایک روز وہ نعیمہ کے پاس اپنی شریک حیات کا قیمتی گلوبند لے کر آیا اور اس سے گزارش کی وہ یہ گلوبند رہن رکھ کر اس کے بدلے اسے تین لاکھ روپیہ دے دے۔ جیسے ہی اسے کہیں سے رقم ملے گی تو اسے واپس کرکے اپنا گلوبند لے جائے گا۔ اس زیور کی قیمت اس نے چار لاکھ روپیہ سکہ رائج الوقت بتائی۔ نعیمہ کو اپنے بھائی پر بڑا پیار اور ترس آیا۔ اس نے کہا کہ رقم حاضر ہے گلوبند رہن رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب بھی روپیہ کا انتظام ہو جائے تو وہ اسے واپس کردے۔ مگر کاشان نے بضد ہو کر گلوبند اسے دے دیا اور تین لاکھ روپیہ لے کر چلا گیا۔

اس بات کو ایک برس بیت گیا۔ اس دوران نعیمہ ایک پیارے سے بچے کی ماں بن چکی تھی۔ ننھا منا بچہ، نعیمہ اور اس کے شوہر حسیب صاحب کے دل کا چین۔ اب نعیمہ کی مصروفیات بھی محدود ہو گئیں

تھیں۔ ملازمت تو وہ اب بھی کر رہی تھی مگر جز وقتی نوعیت کی۔ گھر میں چھوٹی بھابی کے ہوتے ہوئے بھی اس نے بچے کے لیے ایک آیا کا انتظام کر لیا تھا۔ زویا اور کاشان کی شادی کو اگرچہ تین برس بیت گئے تھے مگر دونوں ہنوز اولاد کی دولت سے محروم تھے۔ ذوہیب کا وجود زویا کے لیے مزید جلن اور حسد کا باعث بن گیا تھا۔ اس ایک برس کے دوران کاشان نے تین لاکھ روپیہ کا انتظام کر لیا اور ایک روز روپیہ واپس کر کے اپنی بیوی کا گلوبند نعیمہ سے لیا اور گھر کی اوپری منزل پہ چلا گیا جہاں اس کی رہائش تھی۔ اتفاقاً اس روز حسیب صاحب گھر پر موجود نہ تھے۔ تقریباً دو گھنٹے بعد کاشان غصے میں کھولتا اور سیڑھیوں سے چلاتیں لگاتا ہوا اترا اور نعیمہ کو برا بھلا کہنے لگا۔

”تو نے مجھے میری بیوی اور پوری سسرال والوں کے سامنے رسوا کر ڈالا.... اصلی سونے کے گلوبند کے بجائے نقلی زیور میرے سر منڈھ دیا۔ نکال میرا اصلی گلوبند“

وہ دہاڑتے ہوئے بولا۔

نعیمہ نے جب آنسو بہاتے ہوئے اس سے کہا کہ وہ گلوبند تو جوں کا توں تھیلی ہی میں رکھا تھا اور وہی اٹھا کر اس نے کاشان کو دے دیا تو بجائے بہن کی سچائی تسلیم کرنے کے وہ اسے دونوں ہاتھوں سے پیٹنے لگا۔ غریب نعیمہ سوائے رونے اور چلانے کے کچھ نہ کر سکی۔ آخر کار اس نے اسے مزید تین لاکھ روپے ادا کر دیے لیکن یہ کہہ کر اس سے فوری طور پر گھر خالی کرا لیا کہ اب اگر وہ مر بھی گیا تو وہ اس کی شکل بھی نہیں دیکھے گی۔

یہ سازش زویا کی تھی جس نے جعلی زیور رہن رکھوا کر تین لاکھ کے بجائے چھ لاکھ روپے اینٹھنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اگلے روز کاشان اور زویا گھر چھوڑ کر کہیں اور شفٹ ہو گئے۔

اور پھر خدا کا کرنا کچھ ایسا ہوا کہ پندرہ دن بعد ہی زویا اور کاشان اپنی کار کے حادثے میں جاں بحق ہو گئے۔ یہ خبر سن کر نعیمہ آپا غم واندوہ کے سبب مچھلی کی مانند تڑپنے لگیں اور پھر بے ہوش ہو گئیں۔ مگر پھر انہیں اپنی قسم یاد آ گئی۔ واقعی انہوں نے مردہ بھائی اور بھابی کا منہ دیکھا اور نہ ان کے جنازے میں شرکت کی مگر اس دکھ کی کسک اور تڑپ نے اندر ہی اندر ان کے وجود کو کھا لیا اور چند ماہ بعد حرکت قلب بند ہونے سے ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس وقت ان کی عمر صرف اکتیس برس تھی۔ غم کی آگ نے ان کے دل کو جلا کر راکھ کر ڈالا تھا۔

ناشکری کی سزا

میری کہانی شاید ایسے لوگوں کے دلوں میں احساس ندامت جگا دے جو ہر شے کو اپنی پسند و ناپسند کی آنکھ سے دیکھتے جبکہ ہوتا وہی ہے جو پروردگار چاہتا ہے۔

میرا نام رانی رکھا گیا.... کاش میں شکل کے اعتبار سے بھی رانی ہوتی.... قدرت نے اولاد دے کر میرے والدین کے دل کی مراد پوری کی۔ مگر مجھے شکل و صورت کے معاملے میں مات دے دی.... مگر میرے والدین کو قطعی اس کی پروا نہ تھی۔ انہیں خوشی تھی کہ پروردگار نے انہیں اولاد کی نعمت سے نواز دیا ہے۔ انہیں میری رنگت اور شکل سے کوئی غرض نہ تھی۔ اس لیے کہ میں ان کا خون تھی اور پھر اپنی اولاد تو ہر ایک کو عزیز ہوتی ہے۔ جو دوسروں کی اولاد سے حسین اور پیاری لگتی ہے۔

جوانی کی دہلیز پر پہنچی تو میرے والدین کو میری شادی کی فکر لگ گئی۔ میری شادی ابا جان کے ایک

کاروباری دوست کے بیٹے ساجد سے طے کر دی گئی۔ میں نے ہاں کر دی۔ مگر نہ جانے کیوں دل میں ایک خوف سا جاگ اٹھا کہ میری یہ شادی کامیاب ہو گی بھی یا نہیں۔ ساجد کو میں نے صرف ایک مرتبہ کسی محفل میں دیکھا تھا..... وہ لاکھوں میں ایک تھا لڑکیاں اسے دیکھ کر آہیں بھرتی تھیں۔ وہ مردانہ حسن و جمال کا ایک نادر نمونہ تھا..... اور اس کا انداز گفتگو دیکھ کر کئی لڑکیاں اسے چاہنے لگی تھیں۔ مگر میں نے کبھی اس کے بارے میں ایسا نہیں سوچا تھا چونکہ میرے والد اور ساجد کے ابا جان میں گہری دوستی تھی۔ اس وجہ سے انہوں نے یہ فیصلہ کیا تھا جسے میں نے قبول کر لیا تھا..... مگر ساجد نے کیسے ہامی بھری ہو گی.....؟

میرا خیال تھا کہ ساجد نے یقیناً انکار کیا ہو گا مگر باپ کے سامنے وہ اپنے دل کا فیصلہ نہ سنا سکا ہو گا۔ پھر میری اور ساجد کی شادی کیسے کامیاب رہے گی.....؟ میں ایسی ہی باتیں سوچ کر پریشان ہوتی رہتی..... اور میری شادی ساجد سے ہو گئی..... ہماری شادی ایک یادگار شادی تھی۔ دونوں طرف سے دولت پانی کی طرح بہائی گئی۔ مجھے مہنگا اور ڈھیروں جہیز دیا گیا۔ غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلایا گیا۔

سہاگ کی رات ساجد کی محبتیں اور نوازشیں دیکھ کر میرے دل میں پیدا ہونے والے تمام خدشات دم توڑ گئے..... ساجد کہنے لگا۔

"ثانی! تم میری پسند نہیں میرے باپ کی پسند ہو۔ میں نے آج تک کسی بھی لڑکی سے محبت نہیں کی۔ میرے لیے لڑکیوں کی کوئی کمی نہ تھی مگر میں نے یہ عہد کیا تھا کہ میری محبت کا آغاز میری شادی کے بعد ہو گا اور میں اپنی محبت کے سارے خزانے اپنی بیوی پر نچھاور کر دوں گا۔ میں یہ بھی خواہش رکھتا تھا کہ میری شریک حیات میری ہی طرح خوبصورت اور لاکھوں میں ایک ہو۔ مگر میں اپنے باپ کو کسی بھی صورت میں ناراض نہیں کر سکتا تھا۔ انہوں نے جب مجھے یہ بتایا کہ وہ میری شادی تمہارے ساتھ کرنا چاہتے ہیں تو میں سوچ میں پڑ گیا۔ جی چاہا کہ انکار کر دوں۔ مگر میں ایسا نہ کر سکا۔ چونکہ میری ماں اس دنیا میں نہیں ہے۔ میرے باپ نے مجھے ماں اور باپ دونوں کا پیار دیا ہے۔ اس لیے میں اپنے باپ کے سامنے انکار کی جرات نہ کر سکا۔ اب جب تم میری زندگی میں آ ہی گئی ہو تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں شوہر ہونے کے ناطے تمہیں تمہارے حصے کی ساری محبتیں دوں گا۔ تمہیں تمہارا حق دوں گا۔ کیونکہ خوبصورتی انسان کے اندر ہوتی ہے۔ اب تم ہی میری زندگی کی ہمسفر ہو۔ مجھے خوبصورت چیزیں اور خوبصورت بچے بہت اچھے لگتے ہیں۔ دعا کرو ہماری اولاد بہت ہی خوبصورت ہو۔

ایک سال کا عرصہ ہوا کے جھونکے کی مانند گزر گیا۔ لگتا تھا زمانے کی ساری خوشیاں رعنائیاں میرے دامن میں آ گئی ہوں۔ ساجد کے پیار نے مجھے نہال کر دیا تھا۔ میری محبت اور چاہت نے اب عقیدت کا روپ دھار لیا تھا۔ میں ان دنوں امید سے تھی۔ ساجد میرا بے حد خیال رکھتا تھا وہ بھی ان دنوں بہت خوش رہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ میں اس کے خوبصورت بیٹے کو جنم دوں۔ خود میں بھی بیٹے کی طلب گار تھی اور ہر پل پروردگار سے گڑگڑا کر دعا مانگتی تھی کہ وہ میرا آنگن خوشیوں سے بھر دے۔

بالآخر قدرت نے ہماری دعائیں سن لیں۔ میں ایک بیٹے کی ماں بن گئی۔ لیکن اس کے پیدا ہونے کی

کسی کو بھی خوشی نہ ہوئی کیونکہ وہ ہو بہو مجھ پر گیا تھا۔ میں بھی افسردہ ہو گئی کہ میں ساجد کی خواہش کی تکمیل نہیں کر سکی۔ مگر پھر بھی وہ میرا خون تو تھا۔ میں نے تو اسے سینے سے لگانا ہی تھا۔ مجھے ایسا لگا کہ قدرت نے مجھے اپنی ہی شکل و صورت جیسی اولاد دے کر میرے شوہر کو مجھ سے دور کر دیا۔ اب ساجد صبح گھر سے نکلتا اور رات گئے واپس لوٹتا۔ وہ اپنے بیٹے کو بھی کم کم ہی گود میں لیتا۔

❀❀❀

میرا بیٹا ابھی دو ماہ کا ہی تھا کہ وہ بیمار ہو کر زندگی سے ناطہ توڑ گیا۔ میں چند دن اس کی موت پر آنسو بہاتی رہی اور پھر رو دھو کر صبر کر لیا۔ ساجد اب بھی مجھ سے دور ہی رہتا تھا۔ اب وہ میرے کمرے میں آنے لگا مگر اس کا رویہ اجنبیوں جیسا ہو گیا۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ اب میں اور تم صرف نام کے میاں بیوی ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم میرے لیے مزید اولاد پیدا کرو۔

ساجد کے اس رویے نے میرے اندر اک آگ سی بھڑکا دی۔ میں تنہائی میں روتی رہتی۔ میں نے اسے قائل کرنے کی بہت کوشش کی کہ اس دنیا میں انتظام پروردگار عالم کے ہاتھ میں ہے اس کے اشارے کے بغیر پتا بھی نہیں ہلتا۔ اس سے خوبصورت اولاد مانگو۔ وہ تمہارا دامن مراد بھر دے گا۔ مگر ساجد نے کوئی دلیل نہ سنی اور کہنے لگا۔

"اب تو میں تمہارے نزدیک بھی نہ آؤں گا اور اپنی مرضی سے کسی خوبصورت لڑکی سے شادی کروں گا۔ جب وہ میری اولاد کو جنم دے گی تب میں تمہیں بتاؤں گا کہ حسین اور خوبصورت بچے کیسے ہوتے ہیں۔"

دوسری شادی کا سن کر میں بے حد افسردہ ہو گئی۔ میں نے ساجد کی منتیں کیں۔ روئی گڑگڑائی مگر وہ نہ مانا۔

کچھ عرصے بعد ساجد نے واقعی ایک لڑکی شادی کر لی۔ ساجد اور شیبا کی جوڑی واقعی لاکھوں میں ایک تھی۔ مگر میں یہ سب کچھ برداشت نہ کر سکی۔ میں جی بھر کر ساجد سے لڑی۔ شیبا کو برا بھلا کہا۔ مگر اب ان کا کیا بگاڑ سکتی تھی۔ ساجد کی چاہت نے دم توڑا تو میں نے بھی آزاد ہونے کا فیصلہ کر لیا اور ساجد سے طلاق لے لی۔

میں واپس والدین کی دہلیز پر آ گئی اور ایک پرائیوٹ ادارے میں ملازمت کر لی۔ وہ ادارہ امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس کرتا تھا۔ اس ادارے کے مالک شکل و صورت میں مجھ سے بھی گئے گزرے تھے مگر کردار اور اخلاق میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ یہی خصوصیات ہم دونوں کو قریب لے آئی۔ ہم نے شادی کر لی۔ شادی کے بعد ملازمت تو چھوڑنا ہی تھی۔

اسلم نے مجھے ساجد سے بڑھ کر چاہا۔ میرا خیال رکھا۔ محبت دی کہ میں نہال ہو گئی۔ ہماری زندگی نہایت ہی خوشگوار اور پرسکون انداز میں گزرنے لگی۔ میں نے ساجد اور اس کے ہمراہ گزری ہوئی زندگی کو ایک ڈراؤنا خواب سمجھ کر بھلا دیا اور اپنی نئی زندگی کی خوشیوں میں کھو گئی۔

جب ہماری پہلی اولاد نے جنم لیا تو ہماری خوشیوں کی انتہا نہ رہی۔ ہمارا بیٹا شکل و صورت میں ہم دونوں سے مختلف نکلا۔ وہ ہمارے برعکس نہایت ہی حسین و جمیل تھا۔ جس نے بھی اسے دیکھا حیران رہ گیا۔ میں نے سجدہ شکر ادا کیا۔ اس کے بعد بھی ہماری جتنی اولادیں ہوئیں وہ ہم سے مختلف اور

عجیب غضب

دنیا بھر میں رونما ہونے والے دلچسپ اور عجیب واقعات

پراسرار غاروں کا معمہ

نیپال میں واقع ہمالیائی خطے میں ہزاروں برس پہلے انسانی ہاتھوں سے بنائی گئی پراسرار غاروں کا معمہ آج تک حل نہیں ہو سکا ہے۔ دس ہزار کے لگ بھگ غاریں زمین سے ایک سو پچپن فٹ کی بلندی پر بنائی گئی ہیں۔ ان غاروں میں داخلے کے لئے چٹان کے اوپر ایک عمودی سرنگ بنائی گئی ہے۔ یہ غاریں چٹانوں کو کاٹ کر بنائی گئی ہیں اور اکثر غاروں کا دہانہ چٹان کے سرے پر ہے۔ ان غاروں سے قدیم دور کی بنائی ہوئی تصاویر اور آلات بھی ملے ہیں۔

یہ ایک معمہ ہے کہ ان غاروں میں کیسے داخل ہوا جاتا تھا۔ ماہرین آثار قدیمہ یہ معمہ حل نہیں کر پائے کہ ان کے بنانے کا کیا مقصد تھا اور ان کی تکمیل کب ہوئی۔

یہ غار نیپال Nepal کے دور دراز شمال وسطی علاقے میں، کھٹمنڈو کے شمال مشرق میں 250 کلو میٹر کے فاصلے پر مُستانگ یا مستھنگ Mustang نامی علاقے میں پائے جاتے ہیں۔

ہمالیہ کے شمال میں سطح سمندر سے 14,000 فٹ کی بلندی پر واقع اس پہاڑی سلسلہ پر بنے یہ غار زمین سے 155 فٹ کی بلندی پر واقع ہیں۔

انسانوں کے تعمیر کردہ ان ہزاروں غاروں کا شمار دنیا میں موجود آثار قدیمہ کے سب سے زیادہ پراسرار رازوں میں کیا جاتا ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں کھودے گئے یہ سوراخ نازک اور انتہائی بڑے ہیں اور یہ مٹی کے رنگ کے پہاڑ میں تعمیر کیے گئے ہیں۔

حیران کن تعداد میں دریافت ہونے والے یہ غار کچھ چٹان کے سامنے کی جانب سے کھودے گئے ہیں جبکہ کچھ کی کھدائی سرنگوں کی شکل میں کی گئی ہے۔

ہزاروں سال پرانے ان بلند ترین غاروں کو دیکھ کر متعدد سوال جنم لیتے ہیں مثلاً ان کو کس نے تعمیر کیا؟ کیوں تعمیر کیا؟ اور یہ بھی معلوم نہیں کہ جنہوں

نے یہ غاریں کھودی وہ زمین سے 155 فٹ کی بلندی پر واقع ان پہاڑوں تک چڑھے کیسے؟

ایک اندازے کے مطابق ان غاروں کی تعداد 10 ہزار ہے، جن لوگوں نے اسے دیکھا ان کا کہنا تھا کہ یہ ایسے ہی دکھائی دیتا ہے جیسے کوئی بہت بڑا ریت کا قلعہ ہو۔

تاریخی حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ ہمالیہ کے اس مقام پر کسی دور میں لو سلطنت کا دار الحکومت تھا، جسے اب بالائی مستنگ بھی کہا جاتا ہے، اس کو اکثر نیپال کی پوشیدہ وخیالی جنت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

درمیانی صدیوں کے زمانے میں بالائی مستنگ ایک آزاد ریاست تھی جس کا جغرافیائی وقوع اسے ہمالیہ اور ہندوستان کے درمیان تجارت پر مکمل اختیار دیتا تھا۔ لو منتھنگ جو صدیوں تک اس کا دارالحکومت تھا کو اس کی سفید عمارتوں سے پہچانا جاتا ہے جو اکثر رنگین بدھ جھنڈوں میں لپٹی ہوتی ہیں۔

یہ پہاڑی علاقہ صدیوں پہلے نیپال اور تبت کے درمیان ایک اہم گزرگاہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اس قدیم دارالخلافہ لو منتھنگ تک پہنچنے کے لیے جوم سوم نامی قصبے تک ایک پر خطر ہوائی سفر کرنا پڑتا ہے۔ پھر اس کے بعد اگر موسم خشک ہو تو چھ گھنٹے کا سفر سطح مرتفع تبت تک ٹرک پر طے کرنا ہوتا ہے۔ بارشوں کے موسم میں یہ چھ گھنٹے کا ٹرک کا سفر کئی دنوں کی گھوڑوں پر ٹریکنگ کے ذریعے طے کیا جاتا ہے۔ یہ خطہ ان بعض جگہوں میں سے ایک ہے جہاں تبتین ثقافت بچ پائی ہے۔ 1992ء تک اسے سیاحوں کے لیے مکمل طور پر بند رکھا گیا تھا۔

1992ء کے بعد اس پر اسرار مقام کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کا سہرا ایڈونچر فوٹوگرافر Cory Richards کو دیا Pete Athans اور آثار قدیمہ کے ماہر Mark Aldenderfer اور ان کی ٹیم کے سر جاتا ہے۔

مسٹر رچرڈ کا کہنا ہے کہ " میں اور Pete نیپال کے ایک گاؤں Forte میں کام کر رہے تھے، جہاں ہم ایک گروپ کو ایورسٹ پر محفوظ طریقے سے چڑھنے کے طریقہ کار سکھا رہے تھے۔ اس دوران Pete نے مجھ سے ان پراسرار غاروں کے منصوبے کے بارے میں پوچھا کہ کیا میں اس میں دلچسپی رکھتا ہوں؟.... اور جب ہم نے ان کی غاروں کی جانب

سفر شروع کیا تب اس نے ان غاروں کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔ اس نے اس مقام کے لیے جادوئی الفاظ استعمال کیے اور میں کسی ایسے مقام کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں پوری ایمانداری کے ساتھ کہتا ہوں کہ جب میں یہاں پہنچا تو میں دیکھا کہ یہ میرے تصور سے کئی زیادہ بڑا اور عظیم الشان مقام تھا۔ ہمیں سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہوئی کہ چٹانوں میں بنائی گئی ان غاروں تک رسائی مکمل طور پر ناممکن ہے۔

" یہ ایک انتہائی قدیم مقام ہے اور یہ کئی منزلوں پر مشتمل ہے۔ آسمانوں سے باتیں کرتی ان غاروں پر چڑھنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ کیونکہ چٹانیں ہل رہی تھیں اور اس ٹیم کے لیے یہ ایک بہت بڑا خطرہ تھیں"۔

حال ہی میں ایک غار میں بارہویں صدی کی بنی ہوئی بدھا کی پینٹنگز دریافت ہوئی ہیں۔ غار میں ایک مورال ملا ہے جس کے 55 پینل ہیں اور ان پر بدھا کی زندگی کے مختلف ادوار دکھائے گئے ہیں۔ میورل ایک قسم کی ایک بہت بڑی پینٹنگ ہوتی ہے جس پر تصویروں کی مدد سے کوئی کہانی سی بتائی جاتی ہے۔ کوبرن نے کہا کہ بنیادی میورل آٹھ میٹر چوڑا ہے اور ہر پینل تقریباً 35 X 43 سینٹی میٹر بڑا ہے۔ ایک قریبی غار سے تبتی زبان میں لکھے ہوئے نسخے دریافت ہوئے ہیں۔ تحقیق کاروں کی ٹیم میں نیپال، اٹلی، اور امریکہ کے فلمساز، کوہ پیما اور آثارِ قدیمہ کے ماہرین شامل ہیں۔ بنیادی مورال کے علاوہ کئی دوسری پرانی پینٹنگز بھی دریافت ہوئی ہیں۔

❖

دلچسپ، عجیب و غریب اور حیرت انگیز واقعات و آثار
سائنس جن کی حقیقت سے آج تک پردہ نہ اٹھا سکی.....

انسان سائنسی ترقی کی بدولت کہکشانی نظام سے روشناس ہو چکا ہے، سمندر کی تہہ اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر کامیابی کے جھنڈے گاڑ رہا ہے۔ زمین کے بطن میں اور ستاروں سے آگے نئے جہانوں کی تلاش کے منصوبے بنا رہا ہے۔ یوں تو سائنس نے انسان کے سامنے کائنات کے حقائق کھول کر رکھ دیے ہیں لیکن ہمارے اردگرد اب بھی بہت سے ایسے راز پوشیدہ ہیں جن سے آج تک پردہ نہیں اٹھایا جاسکا ہے۔

آج بھی اس کرۂ ارض پر بہت سے واقعات رونما ہوتے ہیں اور کئی آثار ایسے موجود ہیں جو صدیوں سے انسانی عقل کے لیے حیرت کا باعث بنے ہوئے ہیں اور جن کے متعلق سائنس سوالیہ نشان بنی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر ہنری کارل پوہرک Henry K. Puharich اور ہنری بلک Henry Belk امریکی ریاست کیلیفورنیا سے برازیل کے چھوٹے سے گاؤں کانگوہاس ڈوکیمپو Congonhas do Campo میں آنے کا مقصد اس شخص سے ملاقات کرنا تھی جسے لوگ مسیحا کہہ کر پکارتے ہیں، یہ شخص لوگوں کا عجیب و غریب طریقے سے علاج کرتا تھا۔ لوگ معجزاتی طور پر تندرست ہو جاتے، دنیا بھر کے اخبارات میں اس کی شہرت کے چرچے ہو رہے تھے، حالانکہ وہ کوئی ڈاکٹر نہیں بلکہ ایک کم تعلیم یافتہ شخص تھا..... اصل نام تو اس کا "جوز پیڈرو دی فریٹس" José Pedro de Freitas تھا، لیکن اس نے خود اپنا نام "اریگو" رکھ لیا تھا۔

23 اگست 1963ء کی صبح سات بجے ڈاکٹر ہنری دو پرتگالی ترجمان حضرات کے ساتھ اریگو کے کلینک پہنچا جو کہ ایک پرانے گرجا گھر میں تھا، اس وقت تقریباً دو سو مریض وہاں موجود تھے، ہنری کی ملاقات اریگو سے ہوئی جو گھنی مونچھوں والا ایک چالیس سالہ تندرست و توانا شخص تھا۔ ڈاکٹر ہنری نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا، تو اریگو نے انہیں اپنے کمرے میں بٹھایا اور کہا کہ آپ جتنی دیر یہاں رہنا چاہیں رہیں، اور مریضوں سے جو پوچھنا چاہیں پوچھ سکتے ہیں۔

سب سے پہلے ایک ادھیڑ عمر شخص کمرے میں داخل ہوا، اس نے بائیں آنکھ پر رومال رکھا ہوا تھا، شاید اس کی آنکھ میں کوئی تکلیف تھی۔ اریگو نے اسے ایک دیوار کے ساتھ کھڑا کیا اور بغیر کچھ کہے چار انچ کا اسٹین لیس کا چاقو اٹھایا اور اس کی آنکھ میں کافی گہرائی تک اتار دیا، وہ آدمی مکمل ہوش میں تھا بس پلکیں نہیں جھپکا رہا تھا۔

یہ منظر ڈاکٹر ہنری پوہرک اور ہنری بلک دونوں کے لیے انتہائی چونکا دینے والا تھا وہ حیرت اور سکتے کے عالم میں اریگو اور مریض کو دیکھ رہے تھے، تھوڑی دیر بعد اریگو نے چاقو سے کچھ کھرچ کر اس کی آنکھ سے باہر نکال لیا، چاقو کی نوک پر پیپ لگی ہوئی تھی، اریگو نے چاقو کپڑے سے صاف کیا اور مریض کو کہا کہ اب وہ بالکل ٹھیک ہے اور اپنے گھر جاسکتا ہے۔

نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی کے شعبہ میڈیکل سے گریجویٹ ڈاکٹر ہنری پوہرک اور ڈیوک یونیورسٹی میں شعبہ نفسیات سے تعلق رکھنے والے ہنری بلک نے اپنی پوری زندگی میں اس طرح کا واقعہ نہیں دیکھا تھا، انہوں نے اپنی تسلی کے لیے مریض کی آنکھوں کا معائنہ کیا تو انہیں کسی قسم کا نشان یا سرخی نظر نہیں آئی۔ اگلے چار گھنٹوں تک اریگو نے کئی مریضوں کا معائنہ کیا اور کچھ مریضوں کو دیوار سے کھڑا کر کے ان کے جسم کے مختلف حصوں میں موجود ٹیومر Tumor یا فاسد مادوں کی جھلی Cyst کو چاقو کے ذریعے نکال باہر کیا، اس دوران نہ تو اس نے کسی مریض کو بے ہوش کیا نہ ہی جسم کے کسی حصے کو سن کیا اس پر اس کے دوران کسی کا چند قطروں سے زیادہ خون بھی نہیں نکلا۔

گیارہ بجے اریگو نے اپنا کلینک بند کرنے کا اعلان کیا، کیونکہ اسے اپنی نوکری پر روانہ ہونا تھا، اس کلینک میں وہ مریضوں سے کوئی پائی پیسہ نہیں لیتا تھا، بلکہ وہ گورنمنٹ کے سماجی تحفظ کے ادارے IAPETC میں ملازم تھا یہ کارگو اور ٹرانسپورٹ کے ملازمین کی ریٹائرمنٹ اور پینشن سے متعلق ایک ادارہ ہے۔

اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد ڈاکٹر ہنری پوہرک اور ہنری بلک دونوں اریگو کی صلاحیتوں کے قائل ہو گئے تھے، اب سوال یہ تھا کہ امریکہ واپس پہنچ کر اپنے ساتھیوں کو کس طرح یقین دلایا جائے، چنانچہ ڈاکٹر ہنری پوہرک نے قریبی شہر ساؤ پالو Sao Paulo سے ایک صحافی فوٹو گرافر جورج رزنی Jorge Rizzini سے رابطہ کیا اور دوسرے دن اس فوٹو گرافر کے ہمراہ اریگو کے کلینک پہنچ گئے۔ کیمرا وغیرہ سیٹ کرنے کے بعد وہ اریگو کی علاج کرتے ہوئے تصاویریں اور ویڈیو بناتے رہے، جب تک اریگو نے آخری مریض کو دیکھ نہیں لیا وہ وہاں سے نہیں ہٹے۔

مقامی لوگوں سے انہیں یہ بھی پتہ چلا کہ برازیل کی میڈیکل سوسائٹی اور کیتھولک چرچ کی جانب سے اریگو پر قانونی مقدمہ بھی دائر کیا گیا ہے، کہ وہ کسی طبی اسناد کے بغیر لوگوں کا علاج کرتا پھرتا ہے۔ اریگو فراڈ ہے یا نہیں اس کا اندازہ انہیں اسی وقت ہو سکتا ہے جب ایک ماہر میڈیکل ٹیم جدید آلات کے ہمراہ موجود ہو اور آپریشن کیے گئے مریضوں کا معائنہ کرے، لیکن ان حالات میں ایسا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر ہنری پوہرک نے اپنے ہاتھ پر موجود فاسد چربی

اوپر اور بائیں جانب دی گئی تصویروں میں اریگو چاقو کے ذریعے آنکھوں کا آپریشن کر رہا ہے اس دوران نہ تو اس نے کسی مریض کو بے ہوش کیا، نہ ہی جسم کے کسی حصے کو سُن کیا اور نہ ہی کسی کا چند قطروں سے زیادہ خون نکلا۔
جبکہ دائیں جانب تصویر میں اریگو اور ڈاکٹر ہنری ساتھ کھڑے ہیں....

کی پیپ دار رسولی Lipoma جو کہ معمولی سی تھی کا آپریشن اریگو سے کروانے کی ٹھانی، ساتھیوں کے منع کرنے کے باوجود وہ کیمرہ مین کے ہمراہ اریگو کے پاس آپریشن کروانے جا پہنچا، اریگو نے ڈاکٹر ہنری کو آستین اوپر اٹھانے کو کہا، ڈاکٹر ہنری نے جورج کو کیمرہ آن کرنے کا اشارہ کیا جو کیمرا لیے تیار کھڑا تھا، پھر وہ یہ دیکھنے کی کوشش کرنے لگا کہ اریگو کرتا کیا ہے۔ اریگو نے ایک چاقو اٹھایا اور ہنری کو سر دوسری طرف موڑنے کو کہا، دس سیکنڈ سے بھی کم عرصہ میں ہنری کو محسوس ہوا کہ کوئی گیلی چیز اس کے ہاتھ پر لگی ہوئی ہے اس نے فوراً گردن گھما کر دیکھا تو خون میں ڈوبا ہوا رسولی Lipoma کا ٹکڑا نظر آیا، ہاتھ پر صرف آدھے انچ کا زخم تھا، جس میں سے معمولی مقدار میں خون رس رہا تھا اور رسولی کا ابھار ختم ہو چکا تھا، معلوم کرنے پر وہاں موجود لوگوں نے بتایا کہ اریگو نے ہاتھ پر چاقو ہلکے سے رگڑا اور رسولی کو کھینچ کر نکال دیا، ڈاکٹر ہنری کو یقین نہیں آ رہا تھا کیونکہ اسے ذرا سی بھی تکلیف محسوس نہیں ہوئی، اریگو نے اس کے زخم پر کوئی جراثیم کش دوا اور ٹانکے نہیں لگائے اور ہنری بھی یہی چاہتا تھا تاکہ وہ اپنے زخم کا ٹھیک سے معائنہ کر سکے، چند دن ہنری اپنے زخم کا معائنہ کرتا رہا کہ شاید کہیں انفیکشن تو نہیں ہوا، اس نے جورج کی بنائی ہوئی ویڈیو ٹیپ بھی دیکھی لیکن وہ اریگو کے طریقہ علاج کو سمجھ نہ سکا۔

اسے اعتراف کرنا پڑا کہ اریگو کے علاج میں کوئی فراڈ نہیں ہے۔

امریکہ واپسی پر انہوں نے میڈیکل اداروں اور یونیورسٹیوں کو اریگو کی صلاحیت کے متعلق بتایا لیکن

برازیل کے سائیکک سرجن ایڈیو الڈو اولیویرا سلوا Edivaldo Oliviera Silva، بنا کسی آلات کے ایک چھوٹے بچے کے پیٹ کی رسولی نکال رہے ہیں۔

یورپ کے مشہور و معروف معالج اسٹیفن ٹورف Stephen Turoff نے اپنے ایک انٹرویو میں اریگو کے متعلق کہا ہے کہ اس کو ایک ڈاکٹر Fritz فرٹز کی روح سے فیض حاصل ہوا تھا اور اپنی زنگ آلود چھری کی وجہ سے اس کا لقب بھی زنگ آلود نشتر والا جراح پڑ گیا تھا۔ اسٹیفن ٹورف کہتے ہیں کہ سائیکک سرجری کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم یہ یقین رکھیں کہ ہم موت کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں اور کاسمک ورلڈ (عالم اعراف) میں کچھ انسان جو یہاں سے انتقال کر کے وہاں پہنچ جاتے ہیں وہ مادی دنیا میں ہم سے رابطہ قائم کرنا سیکھ لیتے ہیں۔ یوں تو افریقہ کے وچ ڈاکٹر، اسکیمو کے شمانس Shamanes اور سائبیریا کے ووڈو Voodo اپنی روحانی صلاحیتوں کی بنیاد پر صدیوں سے علاج کر رہے ہیں، اریگو کی سائیکک سرجری یعنی آلات جراحی کے بغیر خالی ہاتھوں کے ذریعے سرجری سے متعلق مغربی دنیا 1950ء سے ہی واقف تھی، لیکن فوٹو گرافی اور ویڈیو فلموں کے ذریعے اس کی زیادہ سے زیادہ تشہیر ہوتی چلی گئی۔

رفتہ رفتہ اریگو کی طرح کے مزید معالج سامنے آئے، جو برازیل، امریکہ، برطانیہ، فرانس، فلپائن بلکہ دنیا کے ہر خطے میں موجود ہیں۔

اس طریق پر علاج کرنے والے افراد کو مسیحا کہا گیا ہے۔ مسیحا کا مطلب "شفا دینے والا" اور "مردوں کو زندہ کرنے والا" نکلتا ہے۔ اسی لیے ہمارے ہاں ڈاکٹروں کو بھی مسیحا کہا جاتا ہے۔ ممکن تھا کہ بہت سے لوگ کھلے ہاتھوں ہونے والے ان آپریشنوں کو بھی ضعیف الاعتقادی میں ڈال دیتے مگر ان مسیحاؤں

انہوں نے ایک معمولی پڑھے لکھے غیر سند یافتہ ڈاکٹر کی حیثیت سے اس علاج کو میڈیکل لاقانونیت Medical Anarchy قرار دیا۔ غیر قانونی طور پر کلینک چلانے کے جرم میں اریگو کو کئی بار جیل بھی جانا پڑا، لیکن اپنے آخری دم تک وہ لوگوں کا اس انوکھے طریقے سے علاج کرتا رہا۔

ڈاکٹر ہنری پوہرک اور ہنری بلک نے اریگو کی صلاحیت کو دنیا کے سامنے لانے کے لیے کتاب Arigo: Surgeon of the Rusty Knife (اریگو: زنگ آلود چاقو والا سرجن) تحریر کی جس میں انہوں نے اریگو کے علاج کے متعلق اپنے مشاہدات تحریر کیے اور اس طریقہ علاج کو سائیکک سرجری Psychic Surgery کا نام دیا۔

مائیکل کیریون Michel Carayon کا تعلق فرانس سے ہے، انہوں نے فلپائن سے سائیکک سرجری کی ٹریننگ لی اور پیرس میں اس طریقہ علاج پر کلینک چلا رہے ہیں۔

واٹسن ایک خاتون کے آپریشن کے متعلق بتاتا ہے کہ درمیانی عمر کی ایک خاتون کے معدہ میں بہت تکلیف دہ درد تھا اس سے کہا گیا کہ وہ لکڑی کی میز پر لیٹ جائے۔ اس موقع پر واٹسن نے تولیہ کا مشاہدہ بھی کیا کہ کہیں کوئی چیز اس کے اندر تو موجود نہیں ہے....؟ واٹسن نے پوری طرح اطمینان کرنے کے بعد تولیہ مسیحا کو دے دیا۔ کاٹن کی پینٹ اور ٹی شرٹ میں ملبوس مسیحا نے واٹسن کو اطمینان دلایا کہ اس کے کپڑوں کے اندر کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔

مسیحا نے ذرا تیز آواز میں کہا کہ "دعا کریں" جس پر واٹسن نے اپنے ہاتھ باندھ لیے۔ پھر مسیحا نے روئی کو پانی میں بھگویا۔ یہ پانی پیالے میں خود واٹسن کی تصاویر اور ویڈیوز نے ایسے لوگوں کے منہ بند کر دیے۔

1970ء میں جرمن پریس اور ٹیلی ویژن نے ان مافوق الفطرت آپریشنوں کو پیش کیا۔ 1975ء میں برطانوی گراناڈا ٹیلی ویژن نے بھی سائیکک سرجری کو ویڈیو میں قید کیا۔ 1979ء میں بی بی سی کے پروگرام Nation Wide Expo سے اس طریقہ جراحت کو بہت شہرت ملی۔

شکاگو کے ایک صحافی نام ویلنٹائن نے اس موضوع پر بہت کام کیا اور سائیکک سرجری پر ایک کتاب لکھی۔ ان واقعات کے بعد نفسیات، بائیولوجی، فزکس، کیمیا، میڈیسن اور پیراسائیکولوجی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا رجحان ان پراسرار مسیحاؤں کی جانب ہوا۔

1990ء کی دہائی میں سائیکک سرجری کو دو مسیحاؤں کی وجہ سے بہت شہرت ملی۔ ان کا نام فلور کومیٹا Flor Cometa اور ایمیلو لیپورگا Emilio Laporga ہے۔ یہ دونوں فلپائن سے تعلق رکھتے تھے اور لندن میں پریکٹس کرتے تھے۔ عام ڈاکٹروں سے مایوس بے شمار مریضوں نے ان سے رجوع کیا اور دل کی مراد پائی۔ ان مسیحاؤں کے متعلق سب سے پہلے لائل واٹسن Layall Watson نے مثبت حقائق جمع کیے۔ اس نے تین مختلف مسیحاؤں کے ایک ہزار سے زائد آپریشنز کا مشاہدہ کیا۔ اس نے اپنی کتاب Orts: The Romeo Error میں ان آپریشنز کی تفصیلات دی ہیں جن کے مطابق پیچیدہ سے پیچیدہ آپریشن پانچ منٹ میں سرانجام پاتا ہے۔

نے لا کر دیا تھا۔ اب مسیحا نے بھیگی روئی کی مدد سے خاتون کے پیٹ کو صاف کیا پھر اس نے خاتون کی ناف کے دائیں جانب سے آپریشن کا آغاز کیا جس کے ساتھ ہی لال رنگ نمایاں ہو گیا جو کہ خون تھا۔ پہلے خون پانی کے ساتھ مل کر ہلکے لال رنگ میں بہنے لگا پھر رفتہ رفتہ یہ گہرا سرخ ہو گیا۔ اب یہ خون مسیحا کی انگلیوں کے درمیان سے تیزی سے نکل رہا تھا۔ اس کے بعد عامل نے خاتون کے پیٹ کے اندر انگلیاں گھمائیں اور کسی چیز کو کھینچ کر باہر نکالا۔ واٹسن نے دیکھا کہ یہ کوئی اتصالی بافت Connective Tissue ہے جو کہ شفاف، لچکدار اور خون سے سرخ تھی۔ اس کے بعد اس نے پیٹ کے اندر سے کوئی گٹھل نما چیز کھینچ کر باہر نکالی۔ واٹسن نے اسے ہاتھ میں لے کر دیکھا یہ خون آلود گٹھلی نما چیز تھی جو اسے گرم محسوس ہوئی۔ اس کے بعد مسیحا نے اپنا کام ختم کیا۔ اب پیٹ کے اوپر کسی قسم کے زخم کا شائبہ تک نہ تھا۔ واٹسن نے خود مریضہ کے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر دیکھا کہ کوئی زخم تو موجود نہیں ہے۔ مریضہ کو اس پورے آپریشن کے دوران کسی قسم کے درد کی کوئی ٹیس تک نہیں اٹھی تھی۔

جوائے ہنٹ عام زندگی گزار رہی تھی، کچھ عرصہ سے اس کے سر میں درد رہنے لگا تھا پھر دائیں آنکھ کی بصارت کچھ دھندلی ہو گئی۔ وہ امریکہ کی نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی کے آنکھوں کے معالج کے پاس گئی جس نے تشخیص کیا کہ کینسر کی رسولی کی وجہ سے اس کی دائیں آنکھ کا ریٹینا متاثر ہوا ہے۔ اس نے تجویز کیا کہ دائیں آنکھ نکال دی جائے۔ جوائے اس علاج کا سن کر خوف زدہ ہو گئی۔ وہ نیویارک چلی گئی جہاں اس نے شہر کے ماہر آئی سرجن سے رابطہ کیا انہوں نے بھی یہی علاج تجویز کیا کیونکہ دوسری صورت میں اس کی جان کو خطرہ تھا۔ اس پریشانی کے عالم میں اسے اپنی ماں کی بات یاد آئی۔ انہوں نے ایسے کہا تھا کہ کچھ مسیحا حیرت انگیز طور پر علاج کرتے ہیں۔

جوائے نے ہر اس شخص سے معلومات جمع کرنا شروع کیں جو ان مسیحاؤں کے بارے میں ذرہ برابر بھی کچھ جانتا ہو۔ ان تمام باتوں کے باوجود جوائے پوری طرح مطمئن نہیں تھی مگر ان سے علاج کروانے میں بظاہر کوئی نقصان بھی نہیں تھا اور ویسے بھی آنکھ نکلوانی تو تھی ہی اور یوں وہ ڈرتے ڈرتے ایک مشہور مسیحا جوان بلانچے Juan Blanche کے پاس پہنچی۔ کچھ گفت و شنید کے بعد بلانچے نے اس کا علاج کرنا شروع کیا۔ اسے کمرے میں لکڑی کی میز پر لیٹنے کے لیے کہا پھر اس نے قریب آ کر اپنی انگلی اس کی آنکھ کے اندر گڑھے میں ڈال دی پھر انگوٹھے کی مدد سے آنکھ کے ڈیلے کو دبانا شروع کیا۔ جوائے کہتی ہے کہ اس وقت اسے کسی قسم کے درد کا احساس تک نہیں ہوا اور آنکھ کے کنارے سے کوئی چیز نکل کر باہر آ گئی۔ جوائے اپنا علاج کروانے کے بعد بلانچے کی کارکردگی سے مطمئن نہیں تھی کیونکہ اب بھی اس کی دائیں آنکھ کی بصارت دھندلی تھی اس دوران جوائے کی ملاقات تجربہ کار مسیحا ایلیو ٹیریو ٹرٹ Eleuterio Terte سے ہوئی جو کہ دیکھنے میں کوئی سادھو معلوم ہوتا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ اپنی باطنی آنکھ کی مدد سے بہت کچھ مشاہدہ کر سکتا ہے۔ ٹرٹ نے کہا کہ اسے آنکھ میں کچھ نظر آ رہا ہے پھر اس نے

جوائے سے کہا کہ اپنی آنکھ کو ہاتھ کی مدد سے کھول کر رکھو پھر ٹریٹ نے اپنی انگشتِ شہادت جوائے کی آنکھ پر رکھی تو اسے ایسا محسوس ہوا کہ آنکھ سے چھ سات انچ کے فاصلے پر کچھ ہوا ہے اور برقی جھٹکا سا لگا پھر فوراً ہی اس کی آنکھ سے پانی بہنا شروع ہوگیا۔ جوائے نے قریب کھڑے ہوئے اپنے شوہر سے استفسار کیا کہ کہیں ٹریٹ نے آنکھ میں تیزی سے انگلی تو نہیں ماری....؟ جس پر شوہر کا جواب نفی میں تھا۔

جوائے اب مکمل طور پر صحت مند تھی۔ اس نے امریکہ واپس جاکر دوبارہ آنکھوں کا معائنہ کرایا اور اس ساری کارروائی سے ڈاکٹرز کو لاعلم رکھا۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ وہ قدرتی طور پر صحت یاب ہوگئی ہے۔

دنیا کے کئی علاقوں میں کئی افراد سائیکک سرجری کرتے ہیں ان میں سے دو ممالک برازیل اور فلپائن کے معالج دنیا بھر میں مشہور تھے۔ اس طرح کے بہت سے واقعات کی ویڈیوز اور تصاویریں انٹرنیٹ پر دیکھی گئی ہیں۔ کوئی اس کام کو معجزہ قرار دیتا ہے تو کوئی فراڈ۔ اس جراحی کے بعد آج تک کسی قسم کے انفیکشن کا کوئی ریکارڈ نہیں ملا ہے اور ہزاروں لوگ شفایاب ہوئے ہیں۔

جب دنیا میں رونما ہونے والا کوئی بھی فعل ہمارے عقلی تقاضوں کو چیلنج کرتا ہے یعنی ہماری سمجھ سے ماوراء ہوتا ہے تو اسے جادو گری، کرامت یا دھوکہ کہا جانے لگتا ہے۔ اس کی متعدد مثالیں ماضی میں بھی ملتی ہیں۔ ایسا معاملہ سائیکک سرجری کے ساتھ بھی پیش آیا ہے۔ اس طریقۂ علاج سے

سائیکک سرجری کے متعلق خود مسیحا کہتے ہیں کہ یہ کام ہم نہیں کررہے بلکہ یہ خدا کی عطا کردہ صلاحیت ہے ہم بطور خدا کے آلے کے کام کرتے ہیں۔

ہزاروں مریضوں کو شفا ہوئی ہے لیکن پھر بھی لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس کو حقیقت ماننے سے انکار کرتی ہے۔

کچھ لوگ خیال کرتے ہیں کہ جراحی کے عمل سے پہلے اس قسم کا ماحول پیدا کردیا جاتا ہے کہ انسان خود بخود مرعوب ہوجاتا ہے اور پھر مریض اور ناظرین کو ہپناٹائز کردیا جاتا ہے۔

اس کے برعکس سائیکک سرجری کے حامی اپنے دلائل اور شواہد سے اس بات کو پایہ ثبوت تک پہنچاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمیں سب سے پہلے اس بات پر یقین کرنا پڑے گا کہ یہ کوئی ناممکن کام نہیں ہے۔ ہماری سائنس ابھی تک بہت ساری حقیقتوں کو نہیں جان سکی ہے ہم جن چیزوں کی بنیاد پر

سائیکک سرجری کا تجزیہ کرتے ہیں یہ اس سے کہیں آگے کی چیز ہے۔ اس حقیقت کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ جدید مالیکیولر بیالوجی کے ذریعے ہم یہ جان چکے ہیں کہ انسانی جسم میں ٹوٹنے اور دوبارہ جڑنے کی صلاحیت ہوتی ہے اور یہی کچھ سائیکک سرجری کے ذریعے کیا جارہا ہے۔

اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے ٹوکیو کے انسٹی ٹیوٹ آف ریلیجس سائیکالوجی Institute Of Religious Pychology کے ماہر نفسیات ماہر مابعد نفسیات Para Psychology اور Theologian ڈاکٹر ہیروشی موٹویاما نے کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے سیما جوان بلانچے کے مذکورہ بالا آپریشن کا بھی ذکر کیا ہے۔ انہوں نے آپریشن شروع ہونے اور اختتام پر حاصل ہونے والے خون اور آپریشن میں نکالی جانے والی بافتوں Tissues کا لیبارٹری ٹیسٹ کروایا جس سے یہ ثابت ہوا کہ یہ انسانی بافت ہی ہے یعنی کسی جانور کا خون یا بافت نہیں ہے۔

ڈاکٹر موٹویاما اپنے مختلف تجربات کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سائیکک سرجری کا یوگا اور ایکو پنکچر سے تعلق ہے۔ اسی طرح روس اور امریکہ نے کرلین Kirlian تصاویر کے ذریعے یوگا، ایکو پنکچر اور روحانی علاج کے نظریے کے مطابق روحانی جسم کی تصدیق کی ہے۔

یونیورسٹی آف کیلیفورنیا لاس اینجلس میں سیما کے ہاتھ کی کرلین تصاویر اتاری گئیں جس کے مطابق علاج سے پہلے سیما کے ہاتھ سے توانائی کا اخراج زیادہ ہوتا ہے جبکہ مریض کا علاج کرنے کے بعد اس کے ہاتھ کی توانائی میں کمی واقع ہوتی ہے۔

ایک سیما ٹونی کے دعوے کے مطابق وہ اگر جراثیم سے بھرے ہوئے برتن میں ہاتھ ڈالے تو جراثیم ہلاک ہوجائیں گے۔ اس پر سسٹر جسٹاس جو بائیو کیمسٹری میں پی ایچ ڈی تھیں اور ان کا خاص موضوع خامرے تھا نے کچھ تجربات کیے کہ اگر واقعی کوئی ایسا اثر ہے تو وہ یقیناً خامروں پر بھی اثر انداز ہوگا۔ انہوں نے تجربہ کے لیے خامرہ ٹرائپسن Trypsin جو کہ لحمیات ہضم کرنے کا فریضہ انجام دینے میں استعمال ہوتا ہے، اس کی سیل بند صراحیاں گیارہ دن تک پچھتر پچھتر منٹ کے لیے حوالے کیں۔

گیارہ دن کے بعد کیا جانے والا مشاہدہ حیران کن تھا کیونکہ ٹرائپسن بہت فعال ہوگیا تھا۔

سائیکک سرجری کے متعلق خود سیما کہتے ہیں کہ یہ کام ہم نہیں کررہے بلکہ یہ خدا کی عطا کردہ صلاحیت ہے۔ ہم بطور آلے کے کام کرتے ہیں۔ اس کو سمجھنے سے پہلے لوگوں کو یہ معلوم کرنا چاہیے کہ انسانی جسم دو جسموں سے مل کر بنتا ہے۔ ایک اس کا مادی جسم اور دوسرا روحانی جسم۔ ہمارے مادی جسم روحانی جسم کے تابع ہوتے ہیں لہٰذا پہلے روحانی جسم کو صحیح کرنا ضروری ہے سیما پہلے روحانی جسم کا علاج کرتا ہے جس کے بعد مادی جسم خود بخود ٹھیک ہوجاتا ہے۔ روحانی جسم کے آپریشن میں نہ ہی کوئی زخم کا نشان ہوتا ہے اور نہ ہی خون نکلتا ہے مگر مادی جسم کے ساتھ یہ سب کچھ مریض کو مطمئن کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

مجذوب کا چیک

حیرت کدہ

ہندوستانی سینما کے معروف موسیقار نوشاد علی لکھنوی کو کئی مشہور فلموں کی دل کو چھو لینے والی موسیقی اور نغموں کے باعث برصغیر پاک و ہند میں موسیقی سے لگاؤ رکھنے والی کے عوام شاید کبھی نہیں بھلا سکیں گے۔ ان کی موسیقی کو انڈین فلم انڈسٹری میں ایک بیش بہا خزانے کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ اور سپر ہٹ گیتوں کے پس پشت رہے۔ نوشاد علی کی پیدائش پچیس دسمبر 1919 کو ہوئی تھی۔ سن 1937 میں وہ ممبئی کام کی تلاش میں آئے۔ فلموں میں اپنی موسیقی کا جادو جگا کر کئی صدارتی ایوارڈ حاصل کیے اور مئی 2006 کو دل کا دورہ پڑنے سے ممبئی میں انتقال کر گئے تھے۔ وہ اپنی زندگی کا آنکھوں دیکھا ایک حیرت انگیز واقعہ بیان کرتے ہیں۔

میری ایک بزرگ سے ملاقات تھی۔ فقیری اختیار کرنے سے قبل یہ بزرگ مدراس سیشن عدالت کے جج تھے۔ بمبئی کے لوگ انھیں سائیں بنڈل شاہ بابا کہتے تھے۔

بابا کا طریقہ بھی بڑا نرالا تھا۔ یہ رسّی کا بہت بڑا بنڈل بناتے تھے۔ ہر وقت اسے کھولتے اور لپیٹتے رہتے تھے۔ اسی لئے لوگ انھیں بنڈل شاہ بابا کہنے لگے تھے۔ ایک طرح یہ بابا کی تسبیح تھی۔ بابا کے اصل نام سے کوئی واقف نہ تھا۔ یہ انگریزی زبان کے ماہر تھے یہاں تک کہ عربی کی کوئی آیت بھی لکھتے تو رومن حروف میں۔ زبردست روشن ضمیر تھے۔ اکثر مجذوبی کیفیت میں رہتے تھے۔ بابا کے پاس کوئی مریض آتا تو یہ اکثر سنگترہ کھانے کی تلقین کرتے۔ ایک دن ان کے ایک مرید سے میں نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا

"سنگترہ کھانے سے مراد دراصل ناگپور میں بابا تاج الدینؒ کے دربار میں حاضری ہے"۔

بابا بنڈل شاہ، بابا تاج الدین ناگپوریؒ کے مرید تھے۔ بابا سے اگر کوئی شخص مالی پریشانیوں کا تذکرہ کرتا تو یہ ایک سادہ کاغذ پر چیک کی طرح رقم لکھ کر دیتے تھے اور خدا کی قدرت دیکھئے اس شخص کو اتنی ہی رقم کہیں نہ کہیں سے ضرور مل جاتی۔ ایک روز میں بابا کو میاں کاردار سے ملانے کے لئے لے گیا۔

کاردار ان دنوں مالی اور ذہنی مشکلات میں مبتلا تھے۔ کاردار اسٹوڈیو میں ایک فلم کی ایڈیٹنگ میں مصروف تھے۔ بابا کو میں نے کچھ نہیں بتایا تھا کہ میں انھیں کہاں لے جا رہا ہوں۔ جب یہ اسٹوڈیو کے ایڈیٹنگ روم میں داخل ہوئے تو مجھ سے پوچھا یہاں کیا کام ہوتا ہے؟ میں نے جواب دیا بابا یہاں فوٹو کھینچے جاتے ہیں۔ بابا بضد ہو گئے کہ میرا فوٹو بھی کھینچو۔ کمپنی کے فوٹو گرافر کو بلوا کر ان کی تصویر بنوائی گئی۔ بابا کی اب یہ ضد کہ میرا فوٹو ابھی دکھاؤ۔ بابا کو بہت سمجھایا

کہ تصویر بننے میں وقت لگے گا مگر ان کی ضد اور حکم کو دیکھتے ہوئے فوراً تصویر بنوا کر ان کو پیش کی گئی۔ بابا نے اپنا فوٹو دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ کہنے لگے ان کو کچھ دینا چاہیے۔ ان کے مرید نے کہا بابا ان کو چیک دے دیجئے۔ میں نے میاں کاردار کی طرف اشارہ کرکے ان سے کہا بابا فوٹو کی یہ دکان ان کی ہے۔ کاردار ان چیزوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ میں نے ان سے کہا بابا آپ کو جو کچھ بھی دیں اسے احترام کے ساتھ قبول کر لیجئے گا۔ بابا نے کاغذ منگوایا اور لکھا Pay to him Rupees 25 Lakh (انہیں 25 لاکھ روپے دے دیئے جائیں) اور اس کے نیچے اپنے دستخط کر دیئے۔ میاں کاردار نے یہ چیک قبول کیا۔ میں نے ان سے کہا "اسے احتیاط کے ساتھ رکھئے۔ آج تک بابا نے جس کو بھی ایسا چیک دیا وہ کیش ضرور ہوا"۔ کاردار نے میرے اصرار پر وہ چیک اپنے پاس رکھ تو لیا مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہا "تو شاد صاحب اس بوڑھے نے ایک کاغذ کا ٹکڑا تھما دیا ہے۔ آپ بھی کیا مذاق کرتے ہیں"۔

کاردار کی فلم جو بہت ہی کم لاگت میں بنی تھی، ریلیز ہوئی تو سپر ہٹ ہوگئی اور کاردار میاں پر دولت کی بارش ہوگئی۔ اس کے بعد انہوں نے ایک فلم اور بنائی یہ بھی چھوٹے بجٹ سے بنائی گئی تھی مگر جب ریلیز ہوئی وہ بھی سپر ہٹ ہوئی۔ ایک فلم اور بنائی، تینوں فلمیں سلور جوبلی ثابت ہوئیں۔ میں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ میاں کاردار کے آفس میں ایک تجوری تھی اور کاردار اس تجوری میں پیروں سے روپیہ ٹھونستے تھے۔ کیونکہ ہاتھوں کی طاقت سے یہ کام نہ ہوتا تھا۔

اس واقعہ سے پہلے ایک ایسا ہی چیک بابا نے سنی مرحوم کو بھی دیا تھا اور ان کو ایک سائن بورڈ بھی بنا کر دیا تھا۔ اس میں نیوی آرمی اور کمانڈر جیسے الفاظ بابا نے لکھے تھے۔ سنی صاحب اور میں سمجھ نہیں پائے کہ سائن بورڈ پر جو کچھ لکھا ہے اس کا مطلب کیا ہے۔ بابا کے ایک مرید نے اس کی تشریح کی کہ آپ آزادانہ طور پر کوئی کام کریں گے اور اس کام میں آپ کی پوزیشن ایک کمانڈر کی ہوگی۔ اس کے بعد سنی مرحوم نے اپنا ادارہ قائم کیا۔ پروڈیوسر بنے اور ان کی بنائی ہوئی پہلی فلم نے کامیابی کے ریکارڈ قائم کئے۔

جس وقت بابا نے سنی مرحوم کو چیک لکھ کر دیا تو سنی صاحب نے پوچھا تھا کہ چیک میں لکھی ہوئی اتنی بڑی رقم کہاں سے آئے گی؟ کچھ دن بعد ایک گجراتی فائنانسر خود سنی صاحب کے پاس آیا اور اتنی ہی رقم دے کر آیا جتنی رقم کا چیک بابا نے سنی مرحوم کو دیا تھا۔

ایک دن میں بابا کی ہدایت اور حکم کے مطابق ان کے ساتھ ٹیکسی میں چوپاٹی جا رہا تھا۔ چوپاٹی پہنچے تو بابا نے ٹیکسی ڈرائیور سے کسی اور جگہ چلنے کے لئے کہا۔ وہاں پہنچے تو تیسری جگہ جانے کو کہا۔ اس طرح صبح سے شام ہوگئی۔ آخر میں ناگپاڑہ آئے۔ ٹیکسی میں پیٹرول بالکل ختم ہوگیا تھا۔ بابا سے کہا گیا حضرت گھر آگیا، اتریئے۔ بابا نے کہا میں نہیں اترتا، ابھی تو مجھے اندھیری جانا ہے۔ اندھیری میں ایک ضعیف خاتون رہتی تھیں۔ بابا اکثر ان سے ملنے جاتے تھے۔ ٹیکسی ڈرائیور صبح سے شام تک بابا اور مجھ کو گھما تا رہا تھا۔ اب وہ بھی جھنجھلا چکا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا آپ ٹنکی میں خود دیکھ لیجئے ایک قطرہ پیٹرول نہیں ہے۔ میں نے بھی بابا سے کہا کہ ٹیکسی سے اتر آئیں۔ دوسری ٹیکسی سے اندھیری جائیں گے۔ کہنے لگے: "گاڑی چلے گی گاڑی چلے گی" اس تکرار کے بعد بابا نے اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے کہا "پیٹرول بھر گیا،

ڈرائیور سے کہو گاڑی چلائے"۔

میں نے ٹیکسی والے سے کہا "بھائی تم گاڑی اسٹارٹ کرو۔ اگر نہیں چلے گی تو بابا کو اتار لیں گے"۔

ڈرائیور نے میری طرف قہر آلود نظروں سے دیکھا کہ یہ کیا بے وقوفی کی بات کر رہا ہے اور پھر غصہ میں آکر گاڑی اسٹارٹ کی۔ گاڑی فوراً چل پڑی۔ اس نے کہا "پیٹرول کے دو چار قطرے ہوں گے اس سے اسٹارٹ ہوئی ہے۔ اندھیری یہاں سے میں میل دور ہے۔ بغیر پیٹرول کے کہاں جائے گی؟" میں نے اس سے کہا تم چلائے جاؤ، گاڑی جہاں رکے گی ہم وہیں اتر جائیں گے۔

ٹیکسی چلی، اندھیری پہنچی۔ بابا تجن بی سے ملنے گئے۔ واپس ناگپاڑہ آئے ٹیکسی باقاعدگی سے چل رہی تھی۔

ٹیکسی والا جب ناگپاڑہ واپس آیا تو وہ بابا کے قدموں میں گر گیا اور معافی مانگنے لگا۔ بار بار یہی کہتا "بابا! میں نے آپ کو پہچانا نہیں، مجھے معاف کر دو"۔ بعد میں ہاتھ جوڑ کر بولا "بابا میں سیٹھ کا دس ہزار کا مقروض ہوں"۔ بابا نے پوچھا "یہ کیا کہہ رہا ہے؟" میں نے بتایا کہ "اپنی پریشانی بیان کر رہا ہے۔ دس ہزار کا مقروض ہے"۔ بابا نے یہ بات سنی تو اس سے کہا کاغذ لا، کاغذ لا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے سڑک پر پڑا ہوا ایک کاغذ کا ٹکڑا اٹھا کر بابا کو دیا۔ بابا نے اس پر انگریزی میں لکھا

دس ہزار روپے حامل رقعہ کو ادا کر دیئے جائیں۔

ٹیکسی ڈرائیور غیر مسلم تھا۔ اس نے عقیدت کے ساتھ چیک لیا اور چلا گیا۔ دوسرے دن یہ ٹیکسی ڈرائیور مٹھائی پھول اور ناریل وغیرہ لے کر بابا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے بتایا کہ اس کو دس ہزار روپے مل گئے۔

میں بابا سے اپنی پہلی ملاقات کا حال بھی بیان کرتا چلوں۔ ایک صاحب دہلی کے رہنے والے تھے۔ یہ بھی بابا کے ساتھ رہتے تھے۔ ایک روز میرے پاس آئے۔ ان کا بیوی کے ساتھ معمولی سا جھگڑا ہوا تھا۔ مجھ سے پوچھا کہ بتایئے کیا کروں۔ میں نے کہا۔ تمہیں اپنے بابا کے پاس جانا چاہئے۔ وہ بتائیں گے کہ تم کیا کرو۔

یہ صاحب بابا کے پاس پہنچے۔ مریدین نے ان سے کہا کہ یہ بابا کی عبادت کا وقت ہے۔ اس وقت وہ آپ سے نہیں ملیں گے۔ یہ بضد ہوئے اور رونے پیٹنے لگے تو مریدین نے ان کو بابا کی پشت کی طرف بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ وہ خاموشی کے ساتھ بابا کے پیچھے جا کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد اپنے پیچھے دیکھے بغیر بابا نے بولنا شروع کیا۔ وہ تیری کب رہ سکتی ہے۔ طلاق دے دے، طلاق دے دے۔ یہ صاحب اپنی بیوی کو طلاق نہیں دینا چاہتے تھے۔ بابا کی زبان سے طلاق کا لفظ سنا تو بھاگے بھاگے میرے پاس آئے۔ کہنے لگے غضب ہو گیا میرے سوا یہ راز کسی کو معلوم نہیں تھا کہ میری بیوی کس خاندان سے ہے مگر بابا نے تو اس کا پورا شجرہ بتا دیا۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے مگر بابا اسے طلاق دینے کی بات کرتے ہیں اور میں اسے طلاق دینا نہیں چاہتا۔ دوسرے روز وہ عورت خود اپنے خاوند کو چھوڑ کر چلی گئی۔

میں نے ان صاحب کا یہ واقعہ سنا تو میں سوچتا رہا کہ میں بابا سے آج تک کیوں نہیں ملا۔ مجھے بزرگوں سے ملنے کا بچپن سے شوق تھا۔ رات کو نو بجے میں نے طے کیا کہ صبح کو بابا سے ملنے ضرور جاؤں گا۔ صبح کو میں اسٹوڈیو گیا تاکہ اپنے اسسٹنٹ غلام محمد کو بتا دوں کہ تم گلوکاروں کو ریہرسل کراتے رہنا میں کچھ دیر بعد آؤں گا۔

میں جیسے ہی میوزک روم میں داخل ہوا میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ میری کرسی پر تشریف فرما ہیں۔ ان کے ساتھ ایک اور صاحب بھی تھے۔ ان صاحب نے مجھ

سے پوچھا آپ کا نام نوشاد ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ یہ صاحب کہنے لگے رات نو بجے مجھ سے بابا نے کہا پریل میں ایک میوزک والا رہتا ہے صبح کو اس سے ملنا ہے۔ رات سے بھی ضد تھی لہٰذا بابا آپ کے سامنے بیٹھے ہیں۔

میں نے بابا کو سلام کیا۔ میرے سلام کے جواب میں بابا نے ہنسنا شروع کر دیا۔ یہ صاحب جو بابا کے ساتھ آئے تھے ان کے خاص مرید تھے۔ انہوں نے بابا سے کہا بابا آپ جس نوشاد سے ملنا چاہتے تھے وہ یہ ہیں۔ بابا نے کہا "گنی ہے گنی ہے" بابا نے گنی ہے گنی ہے کی اتنی تکرار کی کہ ان کے مرید نے کہا اگر اچھا لڑکا ہے تو کچھ دیجئے۔ بابا نے کاغذ منگوایا اور اس پر لکھا اسے 25 لاکھ روپے ادا کر دیئے جائیں۔ اس وقت تک میں بابا کے کشف و کرامات سے واقف نہ تھا۔ ان کے مرید نے کہا آپ بہت خوش قسمت ہیں۔ بابا نے آپ کو اتنی بڑی رقم کا چیک دیا ہے۔

میں نے بابا کا دیا ہوا چیک لیا اور اسے دیکھنے لگا۔ بابا مجھے بغور دیکھتے رہے میں نے چیک بابا کو واپس کر دیا اور کہا "بابا یہ مجھے نہیں چاہئے۔ آپ سے کچھ لوں گا تو اس سے بڑی چیز لوں گا۔ مجھے یہاں سے 500 روپے ماہانہ تنخواہ ملتی ہے۔ اس سے ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ آپ مجھے اتنی بڑی رقم دے کر دنیا کی زنجیروں میں اور الجھانا چاہتے ہیں"۔ بابا نے اپنے مرید سے کہا "اس سے پوچھ کیا چاہتا ہے؟"۔ میں نے کہا مجھے دعا دیجئے کہ میں نیک رہوں، نیک بنوں۔ بابا نے میری بات غور سے سنی میری پیٹھ پر زور سے ہاتھ مارا اور پھر مجھے سینے سے لگا لیا اور کہا "تو پہلا آدمی ہے جو پیسہ نہیں مانگتا۔ یہاں تو جو ملتا ہے پیسہ مانگتا ہے تو صرف دعا چاہتا ہے"۔

بابا نے بعد میں اس چیک کی پشت پر ایک دعا لکھ دی اور بتایا کہ اسے بعد نماز عشاء پڑھا کرو۔

بابا نے آج سے 42-43 سال پہلے جو دعا لکھ دی تھی وہ میں آج تک باقاعدگی سے پڑھتا ہوں۔

دعائیہ چیک ملنے کے دوسرے تیسرے دن سے لوگ گھر آنے لگے۔ نئی نئی آفرز آنے لگیں مگر میرا قاعدہ تھا کہ میں ایک وقت میں ایک یا زیادہ سے زیادہ دو فلموں کی موسیقی ترتیب دیتا تھا۔ لہٰذا میں نے اپنے وقت کے اتنے بڑے بڑے اداروں اور فلم میکرز کی فلمیں سائن نہیں کیں۔ ان ہی دنوں فلمستان کے مالک جالان صاحب رات کے وقت میرے گھر تشریف لائے اور انہوں نے مجھے بیس ہزار روپے ماہانہ تنخواہ پر فلمستان میں کام کرنے کی آفر دی۔ بابا کے چیک دینے کے سال ڈیڑھ سال بعد جب میں نے حساب لگایا تو حیرت زدہ رہ گیا۔ اگر میں یہ تمام فلمیں سائن کر لیتا تو مجھے وہی معاوضہ ملتا جو بابا نے چیک میں لکھا تھا۔

ایک دن میاں کاردار نے مجھ سے کہا واقعی نوشاد صاحب.... بابا نے مجھے جو چیک دیا تھا وہ کیش ہو گیا۔ پھر انہوں نے مجھے اپنا ایک خواب سنایا کہ بابا اسٹوڈیو میں شوٹنگ دیکھنے آئے ہیں اور کرسی پر بیٹھے ہوئے شوٹنگ دیکھ رہے ہیں۔ اتنی دیر میں یونٹ کے لوگوں نے شور مچایا کہ بابا مر گئے۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو بابا کرسی پر لڑھک گئے تھے۔ یہ خواب بیان کرنے کے بعد کاردار نے مجھ سے کہا "بابا کی خیر خبر معلوم کیجئے کہ کہاں ہیں مجھے تو ان کو نذر پیش کرنا ہے"۔ بابا تاگپاڑہ میں رہتے تھے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ بابا کا اسی رات انتقال ہوا جس رات میاں کاردار نے ان کو خواب میں دیکھا تھا۔ بابا کا مزار سوناپور قبرستان بمبئی میں ہے۔

اس ماہ

اگر ہم انسانی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ ہر ملت و قوم و معاشرے پر کوئی نہ کوئی شخصیت، مذہب، ثقافت یا واقعات اثر انداز ہوتے رہے ہیں۔ اقوام نے انہیں یاد رکھنے کے لیے کچھ دن مخصوص کیے ہیں۔ یہ اہم دن، قوموں کی ثقافت کا حصہ بن کر تہواروں کا درجہ حاصل کر جاتے ہیں۔ دیکھا جائے تو ہر اقوام میں کوئی نہ کوئی دن منسوب ہے اور ہر آنے والا مہینہ تہواروں، خوشیاں، غموں، تجربات اور یادوں کے نقوش مرتب کر رہا ہے۔

اپریل 2014ء
جمادی الثانی 1435ھ

یوم وصال خلیفہ اول، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

23 اپریل 2014

22 جمادی الثانی، پیکرِ صدق و وفا، یارِ غار، عاشقِ رسول ﷺ، خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یومِ وصال ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ 573ء میں پیدا ہوئے، اسلام سے قبل بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کا شمار علاقے کے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا۔ آپ کی دیانت داری، راست بازی اور امانت داری کا شہرہ تھا، اہل مکہ آپ کو علم، تجربہ اور حسن خلق کے باعث نہایت معزز سمجھتے تھے۔ ابوبکر صدیقؓ بالغ مردوں میں آپ سب سے پہلے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ آپ کی کاوشوں سے مکہ کے نامور لوگ اسلام لائے۔ علاوہ ازیں آپؓ نے بے شمار مظلوم و بے بس غلاموں کو خرید کر آزاد کیا۔ تقریباً ہر جنگ و جدل، سفر و حضر میں آپ کو رسول اللہ کا ساتھ میسر رہا۔ آپ کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ کو رسول اللہ ﷺ کی سب سے محبوب زوجہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عہدِ نبوت کے بعد اسلامی حکومت کی ذمہ داری سنبھالی۔ آپؓ نے 22 جمادی الثانی 13 ہجری کو وفات پائی۔ آپ کو حضور ﷺ کے برابر میں آپ کو دفن کیا گیا۔

اسلام کے پہلے خلیفہ راشد، ہر دور میں اہل حق اور متلاشیانِ راہِ حق و ہدایت کے لئے اصحابِ رسول میں سے نمونہ کامل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے سمندر میں اپنی ذات کو فنا کر چکے تھے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے آپ کے انداز عشق کو یوں بیان کیا ہے:

پروانے کو چراغ، تو بلبل کو پھول بس — صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

امام غزالیؒ

15 اپریل 2014

اسلام کے معروف فلسفی، مفکر اور دانشور ابو حامد محمد غزالی کی ولادت 450ھ میں طوس میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم طوس و نیشا پور میں ہوئی۔ غزالی نے ابو نصر اسماعیل سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور مختصر سی مدت میں ہی اپنے دور کے علوم کے معاملے میں ممتاز مقام حاصل کیا۔ 28 سال کی عمر میں ان کا شمار عظیم ترین فقہا میں ہوا۔ امام محمد غزالی کی شہرت کی وجہ سے اس وقت کے حاکم نظام الملک نے بغداد کی نظامیہ میں ان کو تدریس کی دعوت دی۔ علوم ظاہری سے ان کی تشفی نہ ہوئی تو تصوف کی طرف مائل ہوئے اور 488ھ میں بغداد چھوڑ کر تلاش حق میں نکل پڑے، حج کے لئے مکہ معظمہ گئے، اس کے بعد بیت المقدس میں قیام پذیر ہوئے اور پھر ایران واپس آکر طالب علموں کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہوگئے۔ آخر عمر طوس میں گوشہ نشینی میں گزاری۔ 14 جمادی الثانی 505ھ کو امام محمد غزالی کا انتقال ہوا۔ امام محمد غزالی کا کارنامہ ان کی گراں بہا کتاب "احیائے العلوم الدین"، کیمیائے سعادت، نصیحۃ الملوک، تہافتہ الفلاسفہ اور مکاشفۃ القلوب کا نام خاص طور قابلِ ذکر ہیں۔

مولانا جلال الدین رومیؒ

تیرھویں صدی عیسوی کے مشہور صوفی بزرگ مولانا جلال الدین رومی کی شخصیت اور ان کا کلام دونوں ہی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ 604ھ (1207ء) میں موجودہ افغانستان کے شہر بلخ میں پیدا ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد وہ اپنے والد کے ساتھ قونیہ چلے گئے۔ والد کے انتقال کے بعد اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لئے حلب اور دمشق کا رخ کیا۔ مولانا قونیہ واپس آکر وعظ و نصیحت اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ 642ھ میں ان کی ملاقات اس وقت کے مشہور صوفی اور عارف شمس تبریزی سے ہوئی۔ شمس تبریزی کی ملاقات نے مولانا کی روح میں ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا اور وہ درس و تدریس کو چھوڑ کر تزکیۂ نفس اور اپنی جاوید نامہ کتابوں کی تالیف میں مصروف ہو گئے۔ ان کی تالیفات میں "مثنوی معنوی" خاص طور سے قابل ذکر ہے جو چھے جلدوں پر مشتمل ہے۔ "مکتوبات مولانا"، "فیہ ما فیہ" اور "رباعیات" ان کی دیگر اہم تخلیقات ہیں۔ آپ نے 5 جمادی الثانی 672ھ (1273ء) کو ترکی کے ایک شہر قونیہ میں وفات پائی۔ سن ہجری کے حساب سے بعض ممالک میں آپ کا عرس 5 جمادی الثانی کو جبکہ سن عیسوی کے مطابق آپ کا عرس 17 دسمبر کو ترکی میں دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔

حضرت سلطان باہوؒ

پنجابی زبان کے مشہور صوفی شاعر، سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باہو 1039ھ (بمطابق 1630ء) شاہجہان کے عہد حکومت میں قصبہ شور کوٹ ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کے والد بازید محمد کا تعلق جاگیر دار گھرانے سے تھا۔ آپ کی والدہ بی بی راستی عارفہ کاملہ تھیں۔ آپؒ نے ابتدائی باطنی و روحانی تربیت اپنی والدہ ماجدہ سے حاصل کی۔ عربی اور فارسی زبان کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور ان زبانوں میں کئی کتابیں لکھیں۔ جس چیز نے ان کو شہرت دوام بخشی وہ "ابیات باہو" ہے۔ آپ کے کلام میں ایک روح پرور تاثیر، مٹھاس اور چاشنی ہے۔ ہر مصرعے کے آخر میں لفظ "ہو" کا استعمال آپ کو تمام صوفی شعراء سے ممتاز کرتا ہے۔ آپ کا وصال یکم جمادی الثانی 1102ھ (بمطابق یکم مارچ 1691ء) میں تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔ آپ کا مزار مبارک دریائے چناب کے مغربی کنارے ایک گاؤں جو آپ ہی کے نام سے موسوم ہے اور جھنگ سے پچاس میل دور جنوب کی جانب قصبہ گڑھ مہاراجہ کے نزدیک تحصیل شور کوٹ میں مرجع خاص و عام ہے۔ آپ کا عرس ہر سال جمادی الثانی کی پہلی جمعرات کو منایا جاتا ہے۔ اس سال 2 اپریل 2014ء کو آپ کا 333واں عرس منایا جائے گا۔

حضرت سلطان سخی سرور شہیدؒ

حضرت سید احمد سلطان المعروف حضرت سخی سرور 524 ہجری (1130ء) کو شاہ کوٹ (ضلع شیخوپورہ) میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے والد سید زین العابدین اور لاہور کے مولانا سید محمد اسحاق سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ والد بزرگوار کی رحلت کے بعد آپ بغداد تشریف لے گئے جہاں آپ نے حضرت خواجہ مودود چشتی، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ بغداد شریف سے واپسی پر لاہور، وزیر آباد، دھونکل، شاہ کوٹ اور ڈیرہ غازی خاں میں قیام فرمایا، جہاں آپ نے ڈیرہ ڈالے مخلوق خدا بھی جوق در جوق پہنچنے لگی، دن بدن آپ کے معتقدین اور مریدین میں اضافہ ہوتا چلا گیا وہیں بعض لوگوں نے حسد میں آکر ان گنت لوگوں کو آپ سے بدظن کر دیا اور آپ کو شہید کرنے کے ارادے سے آپ پر حملہ کیا۔ 22 رجب المرجب 577 ہجری (1181ء) کو ترپن سال کی عمر میں جب آپ کی شہادت ہوئی۔ ڈیرہ غازی خان کے نواحی قصبہ سخی سرور میں آپ کا مزار ہے جہاں آپ کا 800واں عرس 11 اپریل کو بڑی دھوم دھام سے منایا جائے گا۔

شاعر مشرق اور مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال

21 اپریل، محسن، مفکر اور مصور پاکستان حضرت ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کا یوم وفات ہے۔ آپ بیسویں صدی کے معروف شاعر، مصنف، قانون دان، سیاستدان، مسلم صوفی اور تحریک پاکستان کی اہم ترین شخصیات میں سے ایک تھے۔ اردو اور فارسی میں شاعری کرتے تھے جو ان کی بنیادی وجہ شہرت بنی۔

علامہ محمد اقبال 9 نومبر 1877ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سیالکوٹ سے اور اعلیٰ تعلیم لاہور حاصل کرنے کے بعد انگلستان چلے گئے اور کیمبرج یونیورسٹی سے وکالت اور میونخ یونیورسٹی جرمنی سے فلسفہ پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، ہندوستان واپس آکر سیاسی تحریکوں میں بھرپور انداز میں حصہ لیا۔ پاکستان کی آزادی سے پہلے ہی 21 اپریل 1938ء میں علامہ اقبال انتقال کر گئے.... لیکن ایک عظیم شاعر اور مفکر کے طور پر قوم ہمیشہ ان کی احسان مند رہے گی۔

عالمی یوم صحت

پاکستان سمیت دنیا بھر میں سات اپریل کو عالمی یوم صحت منایا جاتا ہے۔ عالمی ادارہ صحت نے 1948 میں ہر سال سات اپریل کو صحت کا عالمی دن منانے کا فیصلہ کیا تھا اور پہلی مرتبہ 1950 میں یہ دن منایا گیا۔ صحت کے عالمی دن کے موقع پر (ڈبلیو ایچ او) عالمی ادارہ صحت کی جانب سے مختلف سیمینارز اور پروگرام کروائے جاتے ہیں جن میں لوگوں کو صحت کے حوالے سے آگہی فراہم کی جاتی ہے۔ اس سال یوم صحت کا موضوع "ویکٹر بورن ڈیزیز سے نجات" یعنی وہ امراض جو ہوا کے دوش پر پلنے والے چھوٹے حشرات مکھی، مچھر، چچڑ، جوؤں سے لگتے ہیں مثلاً ڈینگی، ملیریا، کانگو، زرد بخار، کالا آزار، پھوڑا، چکن گنیا وغیرہ.... ان امراض سے ہر سال 6 لاکھ 60 ہزار افراد ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اس وقت دنیا کی 40 فیصد آبادی کو ڈینگی کا خطرہ لاحق ہے، جبکہ ہر سال 13 لاکھ افراد کالا آزار جیسے موذی مرض میں مبتلا ہوتے ہیں۔

ہیموفیلیا کا عالمی دن

ہیموفیلیا کے مرض سے آگاہی کے لیے عالمی سطح پر ہر سال 17 اپریل کو عالمی یوم ہیموفیلیا منایا جاتا ہے۔ طبی ماہرین کا کہنا ہے کہ ہیموفیلیا خون کی ایک جینیاتی بیماری ہے جس میں خون منجمد ہونے کا عمل متاثر ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے مرض میں مبتلا افراد کو معمولی چوٹ یا زخم لگ جانے کی صورت میں خون بہنے لگتا ہے۔ یہ بیماری زیادہ تر چھوٹی عمر کے لڑکوں کو لاحق ہوتی ہے، خون بہنے کی صورت میں ایسے مریضوں کو پلازما لگایا جاتا ہے۔

ملیریا کے خلاف عالمی دن

پاکستان سمیت دنیا بھر میں 25 اپریل کو مچھروں کے ذریعے پھیلنے والی مہلک بیماری ملیریا سے حفاظت کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ جس کا مقصد اس مرض سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے اہم اقدامات اٹھانے کے ساتھ ساتھ اس مرض سے بچاؤ کیلئے شعور بھی اجاگر کرنا ہے۔ اس بیماری کے باعث ہر سال تقریباً چھ لاکھ افراد ہلاک ہو رہے ہیں جن میں 80 فیصد سے زائد ہلاکتیں ایشیائی ممالک میں ہوتی ہیں۔ جبکہ عالمی ادارہ صحت کا کہنا ہے کہ ہر سال دنیا بھر میں تقریباً 25 کروڑ افراد ہیں اور اس بیماری سے متاثرہ افراد کی شرح پسماندہ ملکوں میں زیادہ ہے۔

کتابوں کا عالمی دن

کہتے ہیں کتابیں انسان کی بہترین دوست ہوتی ہیں۔ کتابوں سے دوستی میں اضافہ، اشاعتی اداروں کی حوصلہ افزائی اور کاپی رائٹس کے قوانین پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کے لئے دنیا بھر میں اقوام متحدہ کے ادارے یونیسکو کی اپیل پر 1995ء سے 23 اپریل کو ہر سال باقاعدگی سے کتابوں اور کاپی رائٹس کا عالمی دن منایا جاتا ہے، یہ دن

بیساکھی (ویساکھی) کا تہوار

بیساکھ ہندی کیلنڈر کا پہلا مہینہ ہے جس کی پہلی تاریخ کو بیساکھی کا تہوار بڑے جوش و خروش سے منایا جاتا ہے، پاک و ہند خصوصاً پنجاب میں یہ تہوار ہندو اور سکھ کسان فصل کی کٹائی کی خوشی میں مناتے ہیں، دیہاتوں میں میلے کا سماں ہوتا ہے، بیساکھی فصلوں کی کٹائی کے علاوہ سکھوں کے دسویں گرو گوبند سنگھ کی طرف سے سولہویں صدی میں قائم کئے گئے خالصہ پنتھ کی بنیاد کے حوالے سے بھی منایا جاتا ہے۔ پاکستان میں حسن ابدال ضلع اٹک میں واقع سکھوں کے متبرک مقام گردوارہ پنجہ صاحب میں ہر سال بیساکھی کا سہ روزہ میلہ اپنے عروج پر ہوتا ہے، اس میلے میں شرکت کے لیے سکھ زائرین کی ایک بڑی تعداد ہندوستان اور دیگر ممالک سے بھی آتی ہے۔

گڈ فرائیڈے اور ایسٹر کا تہوار

پاکستان سمیت دنیا بھر کے عیسائیوں کے لیے گڈ فرائی ڈے اور ایسٹر متبرک ترین دن کی حیثیت رکھتا ہے، روزوں کے ایام کا آخری جمعہ جسے پاک جمعہ (گڈ فرائیڈے) کہا جاتا ہے وہ دن ہے جب عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ کو مصلوب کیا گیا اور انہوں نے دنیا کے گناہوں کو کفارہ ادا کیا، مسیحی برادری اس دن روزہ رکھتی ہے، ایسٹر عیسائیوں کا تہوار حضرت عیسیٰ کے دوبارہ زندہ ہونے کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ اس تہوار کا آغاز گرجا گھروں میں ایسٹر کی خصوصی عبادات کی جاتی ہیں، مختلف قسم کے کیک اور پکوان تیار کئے جاتے ہیں۔

ذریعے ایک دوسرے کو قریب لانے کا موقع فراہم کرنا ہے بلکہ رقص کی مختلف اقسام کو فروغ دینا اور مختلف قوموں کے ثقافتی سرمائے کو بچانا ہے۔

اپریل فول: ۔ یکم مقصد تہوار

پندرہویں صدی میں یورپ کے بیشتر ممالک میں یکم اپریل کو نئے سال کا جشن منایا جاتا تھا، 1752ء میں جب رومن جولین کیلنڈر کو چھوڑ کر جارجین پر شفٹ کیا گیا اس وقت کچھ لوگوں نے اپنی پرانی ثقافت چھوڑنے سے انکار کر دیا انھوں نے اعلان کیا کہ وہ یکم اپریل کو ہی نیا سال منائیں گے، تو بادشاہ نے اعلان کیا کہ جو شخص بھی یکم اپریل کو نیا سال منائے گا اسے ہم سرکاری طور پر بے وقوف (فول) کا خطاب دیں گے۔ اور یہیں

نوٹ: اس مضمون میں کوشش کی گئی ہے کہ ہجری تاریخوں کی متبادل ممکنہ عیسوی تاریخیں دی جائیں، البتہ درست ہجری تاریخیں چاند کے نظر آنے سے مشروط ہے۔

منانے کا مقصد عوام میں کتاب کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے۔ اس موقع پر علمی و ادبی اداروں اور لائبریریوں میں کتب بینی کی حوصلہ افزائی کیلئے تقاریب کا اہتمام ہوتا ہے۔

حقوق ملکیت دانش

حقوق ملکیت دانش کا عالمی دن

Intellectual Property Day

26 اپریل کو منایا جاتا ہے۔ یہ دن ورلڈ انٹیلکچوئل پراپرٹی آرگنائزیشن (وائپو) کے زیر اہتمام ہر سال منایا جاتا ہے۔ اس دن کے منانے کا مقصد دنیا بھر میں حقوق ملکیت دانش کی خلاف ورزی کو روکنا ہے۔ تاکہ آئی پی رائٹس کے تحت مختلف اداروں میں تحقیق اور ایجادات میں مصروف افراد کی تخلیقات کو قانونی تحفظ فراہم ہو سکے اور نقلی برانڈز اور چربہ سازی کی حوصلہ شکنی کی جا سکے۔

رقص کا عالمی دن

29 اپریل کو رقص کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ پہلی مرتبہ رقص کا عالمی دن 29 اپریل 1982 کو انٹرنیشنل ڈانس کمیٹی آف دی انٹرنیشنل تھیٹر انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے منایا گیا۔ اس کی بعد یونیسکو نے تائید کر دی جس کے بعد سے یہ دن دنیا کے بیشتر ممالک میں منایا جاتا ہے۔ اس دن کے منانے کا مقصد نہ صرف اس فن سے متعلق لوگوں میں آگاہی اور اس کے

عالمِ امروز

دلچسپ خبریں، حیرت انگیز واقعات اور ایجادات.....

مرتبہ: پروین

کائنات کیسے بنی؟ تخلیق کے پہلے سیکنڈ

بائیسپ 2 (BICEP2) نامی منصوبے پر کام کرنے والے امریکی سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ انہیں کائنات کی تخلیق "بگ بینگ تھیوری" کے حق میں نئے غیر معمولی ثبوت ملے ہیں۔ محققین کے مطابق انہیں آسمان میں خلا کے انتہائی تیزی سے پھیلاؤ کا ایک سگنل یا نشان ملا ہے جو لازماً کائنات کی تخلیق کے لمحے میں ہی وجود میں آیا ہوگا۔ یہ سگنل قطب جنوبی

پر نصب ایک دوربین کی مدد سے آسمان کے ایک خاص حصے پر دیکھی جانے والی قدیم ترین روشنی میں دکھائی دیا ہے۔ اس تحقیق کا مقصد "انفلیشن" کے نشانات کی تلاش تھا۔ انفلیشن وہ نظریہ ہے جس کے مطابق کائنات اپنی تخلیق کے پہلے ہی سیکنڈ کے ہزار کھرب ویں حصے میں ہی انتہائی تیزی سے پھیل گئی تھی۔ خیال یہ ہے کہ اس عمل سے نوزائیدہ کائنات انتہائی چھوٹے حجم سے ایک چھوٹے گیند جتنی ہو گئی تھی اور پھر وہ مزید 14 ارب سال تک پھیلتی رہی۔

انکشافات

انفلیشن کا خیال پہلی مرتبہ سنہ 1980 کی دہائی میں سامنے آیا تھا اور اس کا مقصد بگ بینگ تھیوری کے ناقابل فہم حصوں کو بیان کرنا تھا۔

اس تحقیق کے نتائج کا اعلان کرتے ہوئے ہارورڈ سمتھسونین سنٹر فار آسٹروفزکس کے پروفیسر جان کوویک نے کہا کہ یہ طبعیات کے ایک نئے دور میں داخلے کا دروازہ کھل گیا ہے۔ وہ طبعیات جو جانے گی کہ کائنات کے ابتدائی سیکنڈ کے ذرا سے حصے میں کیا ہوا۔

وائرس جو 30 ہزار برس بعد بھی زندہ اور متعدی ہے

فرانس کی ایک یونیورسٹی کے نیشنل سنٹر آف سائنٹیفک ریسرچ (سی این آر ایس) کے شعبے سے تعلق رکھنے والی پروفیسر ژاں جیشیل کلیوری نے کہا: پہلی بار ہمیں ایسا وائرس نظر آیا ہے جو اتنی مدت بعد بھی متعدی ہے۔ تحقیق کے مطابق یہ قدیمی وبائی جرثومہ سائبیریا کے برفیلے علاقے میں برف کی دبیز گہری سطح کے 100 فیٹ نیچے 30 کم از کم ہزار سال سے منجمد دبا ہوا تھا۔ لیکن جب اسے وہاں سے نکال کر گرمی میں لایا گیا تو اتنے عرصے خوابیدہ رہنے کے بعد دوبارہ جی اٹھا اور ایک بار پھر سے یہ وبائی اور متعدی بن گیا۔ اسے پانتھوو وائرس سائبیریکم کا نام دیا گیا ہے۔ پانتھوو وائرس نامی اس جرثومے کی لمبائی ڈیڑھ مائکرو میٹر ہے اور یہ اب تک پایا جانے والا سب سے بڑا وائرس ہے۔ اس تحقیق کے شریک ڈاکٹر چینتل ایبر جیل نے بتایا: یہ وائرس خلیے میں داخل ہوتا ہے۔ اسے کئی خلیوں میں تقسیم کر کے بالآخر اسے مار ڈالتا ہے۔ یہ امیبا کو مارنے کی اہلیت رکھتا ہے، تاہم یہ انسانی خلیوں کو متاثر نہیں کر سکتا۔ سی این آر ایس کے محققوں کا خیال ہے کہ سائبیریا کی اس دبیز برف کی چادر کے نیچے اور بھی دوسرے دوسرے خطرناک وبائی جراثیم ہو سکتے ہیں۔ فرانسیسی سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ اگر اس علاقے سے برف کی چادریں ہٹیں اور زمین کھلی تو دوسرے وائرس پھیل سکتے ہیں۔

سب سے باریک فون

چین کی موبائل کمپنی جیونی Gionee نے دنیا کے سب سے باریک یعنی سلم فون کو متعارف کرانے کا دعویٰ کیا ہے۔ Gionee Elife S5.5 نامی اس فون کی چوڑائی محض 5.5 ملی میٹر ہوگی، جو اس سے قبل 5.75 ملی میٹر پتلے Vivo X3 اسمارٹ فون اور 6.5 ملی میٹر پتلے Xperia Z Ultra اسمارٹ فون کو مات دے دے گا۔ جیونی کمپنی اس فون کو بارسلونا میں منعقد ہونے والی موبائل ورلڈ کانگریس میں متعارف کرائے جائے گا۔ اور جلد ہی اسے سب سے پہلے چین اور اسکے بعد دنیا بھر میں جاری کیا جائے گا۔

طیاروں میں کھڑکیوں کی جگہ کھلا اسکرین

سپر سونک طیارے تیار کرنے والی ایک کمپنی Spike Aerospace نے کہا ہے کہ وہ جہازوں کی دیواروں میں کھڑکیوں کی جگہ سکرین لگانے کا منصوبہ رکھتی ہے۔ طیارے کے باہر لگے ہوئے کیمرے سے لی گئی تصویریں اس سکرین پر نظر آئیں گی۔ مسافر ان تصاویر کو مدھم یا تبدیل کر سکیں گے۔ طیارہ ڈیزائن کرنے والی کمپنی سپائیک ایرو سپیس کا کہنا ہے کہ کھڑکیاں ہٹانے سے طیارے کے مرکزی حصے کو ڈیزائن کرنے اور بنانے میں آسانی ہوگی۔ یہ ایس-512 سپر سونک طیارہ سنہ 2018 تک لانچ ہوگا۔ کمپنی نے اپنی ویب سائٹ پر ایک بلاگ میں کہا ہے کہ کھڑکیوں سے طیارے کا وزن بڑھ جاتا ہے لیکن فلیٹ سکرین لگانے سے یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ برطانیہ کی سینٹرل لنکا شائر یونیورسٹی میں ایرو سپیس انجینیئرنگ کے ماہر ڈاکٹر ڈیرن انسیل نے کہا کہ بغیر کھڑکیوں کے جہاز میں سفر کرنا مسافروں کے لیے ایک غیر معمولی تجربہ ہوگا۔

انسان کو سونگھ کر مرض بتانے والی مشین

میڈیکل سائنس میں ایک ایسی مشین ایجاد ہو چکی ہے جو کسی بھی انسان کی سانسوں کو سونگھ کر کینسر سمیت دیگر بیماریوں کی بہتر تشخیص کر سکے گی۔ کرین فیلڈ یونیورسٹی ان بیڈ فورڈ کے ماہرین کی تیار کردہ یہ مشین مریض کی سانسوں میں متعدد کیمیکل اور ان کیمیکل میں ہونے والی تبدیلیوں کی نشاندہی سے بیماری کو سامنے لائے گی۔ برطانوی اخبار کے مطابق اس مشین کے متعلق ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ یہ سرطان کے چھپے ہوئے ٹیومرز کو سامنے لانے میں بہترین ہتھیار ثابت ہو سکتی ہے۔ پروفیسر بیگا بار کی تیار کردہ اس مشین کی ڈرامائی کارکردگی سے کینسر کی ایک سال پہلے تک تشخیص ممکن ہو جائے گی۔ یہ مشین سنیفر ڈاگ (سونگھنے والے کتوں) کی حس کو مدنظر رکھ کر تیار کی گئی ہے۔

بچوں کے اسکول کا بستہ بھاری نہیں ہونا چاہئے

بیشتر ممالک میں بچے انتہائی وزنی بستے کر پر اٹھائے اسکول جاتے ہیں۔ بچے کتنا وزن اٹھا سکتے ہیں یا انہیں پیٹھ پر کتنا وزن اٹھانے دینا چاہیے اس حوالے سے ماہرین متفق ہیں کہ ضرورت سے زیادہ اٹھانے سے بچوں کی نشو و نما متاثر ہوتی ہے۔

بچوں کے اسکول کے بستوں کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ یہ بچے کے وزن کے دس سے بارہ فیصد سے زیادہ نہیں ہونے چاہئیں۔ تاہم اب ماہرین اس اصول کو مسترد کرتے ہیں ان کے مطابق جہاں تک بستہ اٹھانے کا سوال ہے، تمام بچے یکساں نہیں ہوتے۔ کچھ بچے اپنے جسمانی وزن کا صرف ایک تہائی ہی اٹھا سکتے ہیں جبکہ چند بچے اس سے بھی کم وزن کے ساتھ تھک جاتے ہیں۔ ماہرین کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں انفرادی عوامل کو مد نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔ بچوں کے لیے ایک ایسے مناسب بستے کا انتخاب کیا جائے، جو ریڑھ کی ہڈی پر کم سے کم بوجھ ڈالے۔ اس حوالے سے والدین کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ جب بھی بچے اسکول بیگ پیٹھ پر لٹکائیں تو اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ بستہ ڈھیلا یا لٹکا ہوا نہ ہو بلکہ جسم کے بہت قریب یعنی جسم سے تقریباً چپکا ہوا ہونا چاہیے اور بچے کے حساب سے بیگ بہت بڑا نہ ہو۔

اچھی صحت کیلئے زیادہ سے زیادہ دوست بنائیں

امریکی ماہرین نفسیات نے دعویٰ کیا ہے کہ دوستی کرنے سے انسان کی صحت بہتر ہو جاتی ہے۔ ماہرین کی ایک ٹیم نے ساؤتھ کیرولینا کے 65 افراد پر تحقیق کی جنہیں باقاعدگی کے ساتھ ایک گھنٹے کی عبادت کرنے سمیت اپنے اور اپنے عزیزوں کے بارے میں مثبت سوچ اپنانے کی مشق کرائی جاتی تھی، تحقیق کے دوران ماہرین نے نوٹ کیا کہ ان مشقوں سے تحقیق میں شامل افراد کی صحت میں بہتری آئی ہے اور ان کے لئے نفسیاتی دباؤ کا مقابلہ کرنا پہلے سے زیادہ آسان ہو گیا جس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جذبات انسانی صحت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ اس سے قبل سویڈن کے سائنس دان مثبت جذبات کے خوش گوار اثرے متعلق تحقیق میں یہ دعویٰ کر چکے ہیں کہ ہنسنے سے زندگی بڑھ جاتی ہے۔

کیا بیماری اور پانے کھانا اداسی کی علامت...؟

2013 میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق ہماری غذا اور ذہنی کیفیت جسے مزاج یا موڈ بھی کہا جا سکتا ہے، کے مابین گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔ اس تحقیق میں کھانے سے متعلق انسانی رویے کو emotional eating کے تناظر میں بھی سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی خاص ذہنی کیفیت میں کسی خاص کھانے پینے کی چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ جرنل آف کنزیومر سائیکالوجی کی مصنفہ میرل گارڈنر کہتی ہیں ہم مختلف جذبات، کیفیات اور حالات کے زیر اثر کھانے کا انتخاب کرتے ہیں۔ یعنی صحت بخش غذا کھانا، ڈائٹنگ وغیرہ تو ہمارے ماڈرن کلچر کا حصہ بن چکا ہے۔ لیکن دل پسند غذا کی طرف رغبت ہماری فطرت کا حصہ ہے، ہم ایک خاص عرصے تک تو ابلی ہوئی سبزیاں اپنے حصے میں جھونکنے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں لیکن صرف صحت کے نام پر ایسا مستقل نہیں کر پاتے۔ 1992 میں اور 2002 میں مرد و خواتین پر الگ الگ ہونے والی ایک تحقیق کے مطابق رنجیدہ خاطر افراد زیادہ تر کھانے پینے کی ایسی اشیا کا انتخاب کرتے ہیں جو اپنی غذائی خصوصیات کی وجہ سے مضر ہوتی ہیں، ان میں عام طور پر مٹھائیاں، تلی ہوئی اور دیر سے ہضم ہونے والی اشیا شامل ہوتی ہیں۔ خوش ہونے کی صورت میں ہم خصوصی کچھ ان پسند کرتے ہیں جو عام طور پر ہمارے غذائی معمول میں شامل نہیں ہوتے۔ ہم اسے اپنے مقامی کھانا کلچر سے سمجھ سکتے ہیں۔

مستقبل کی دنیا

آنکھ اوجھل .... پہاڑ اوجھل

آپ نے عمرو عیار سے لے کر ہیری پوٹر کی کہانیاں پڑھیں ہوں گی، جس میں یہ کردار ایک جادوئی لبادہ اوڑھ کر لوگوں کی نگاہوں سے ہو جاتے ہیں، نگاہوں سے غائب ہو جانا ایک مقبول عام فوق البشر قوت ہے۔ تاریخ میں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں جن میں کسی بزرگ نے غائب ہو کر اپنی انوکھی کرامت دکھائی۔ گو دور جدید میں ایسی کرامتیں جنم نہیں لیتیں، اسی باعث بعض لوگ غائب ہونے کو دعوکا قرار دیتے ہیں۔ لیکن سائنس یہ ضرور ثابت کر چکی کہ نظریاتی طور پر انسان دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

دراصل ایک شے کے دکھائی دینے کا دارومدار روشنی پر ہے۔ ہم اشیا اس لیے دیکھتے ہیں کہ روشنی ان سے ٹکراتی اور پھر پلٹ کر ہماری طرف آتی ہے۔ اگر روشنی کسی شے سے بچ بچا کر گزر جائے، تو وہ شے پھر ہمیں نظر نہیں آئے گی۔

غیر مرئی چوغہ کیسے کام کرتا ہے؟....

گویا غائب ہونے کا راز یہ ہے کہ کسی طرح روشنی کو شے یا خود پہ پڑنے سے روکا جائے۔ 2006ء میں امریکی ڈیوک یونیورسٹی کے سائنس دانوں نے کوشش کی کہ انسان کو غائب کر دینے والا غیر مرئی چوغہ invisibility cloak ایجاد کیا جائے۔ چنانچہ جان پینڈری کی قیادت میں ماہرین نے ایسا خصوصی مادہ تیار کر لیا جو مائیکروویو microwaves شعاعیں موڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس خبر نے دنیا بھر میں ہلچل مچا دی۔ کہا جانے لگا کہ اب ہیری پوٹر یا عمرو عیار کے مانند کوئی بھی غائب ہو سکے گا۔ لیکن حقیقت میں غیر مرئی چوغے کی طاقت بہت محدود تھی۔ اول اس کی مدد سے صرف چھوٹی اشیاء ہی کو غائب کرنا ممکن تھا۔ دوسرے وہ محض مائیکرو ویوز اور ریڈیو ویوز ہی موڑتا ہے جو عام روشنی سے زیادہ طویل ویو لینتھ wavelength رکھتی ہیں۔

تاہم سائنس دانوں نے ہمت نہ ہاری اور وہ ایسا چوغہ بنانے کے لیے تحقیق و تجربات کرتے رہے جو عام روشنی کو واپس آنکھوں تک نہ پھینکے بلکہ اسی طرح موڑ ڈالے۔ حال ہی میں امریکی سائنس دانوں نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ ایسا میٹریل ڈیولپ کرنے کے قریب پہنچ چکے ہیں جس کے ذریعے لوگوں کو نظروں سے اوجھل کیا جا سکے گا۔ برکلے کی یونیورسٹی آف کیلی فورنیا کے محققین ایسا میٹریل تیار کر چکے ہیں جو روشنی کو تھری ڈائی مینشنل چیزوں کے گرد لپیٹ

کوانٹم اسٹیلتھ نامی غیر مرئی چوغہ

دیتا ہے اور اس طرح وہ چیز نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ یہ مواد قدرتی طور پر نہیں پایا جاتا بلکہ اسے نینو سکیل پر بنایا گیا ہے۔ محققین کی ٹیم کا کہنا ہے کہ ان اصولوں پر ایک دن اتنا بڑا چوغہ تیار کیا جا سکے گا جس کے ذریعے لوگوں کو نظروں سے غائب کیا جا سکے گا۔

کچھ عرصہ قبل عالمی جریدہ "سائنس" بھی کسی چیز کے سامنے موجود رہتے ہوئے نظروں سے غائب ہونے کی ٹیکنالوجی کے بارے میں ایک تفصیلی رپورٹ شائع کر چکا ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق چند منفرد مواد جنہیں میٹا میٹریلز metamaterials کا نام دیا گیا ہے، کے ذریعے کسی بھی چیز کو منظر سے غائب کرنا ممکن ہے۔

میٹا میٹریلز کو غیر معمولی طور پر چھوٹی دھاتی تاروں اور لوپس کے نیٹ ورکس کے اندر شامل کر کے یہ کام کیا جا سکتا ہے۔ میٹا میٹریلز کے اندر روشنی کو کئی طریقوں سے کنٹرول کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ وہ اصل میں روشنی کو کسی بھی جگہ کی کسی مقدار سے پرے رکھ سکتے ہیں اور اس دوران آپ کو بالکل احساس نہیں ہوتا کہ روشنی کی راہ میں مقامی سطح پر کوئی رکاوٹ موجود ہے۔ غائب ہونے کی ٹیکنالوجی عملی نہیں تو نظری طور پر ایک حقیقت کے طور پر ثابت ہو چکی ہے۔

2012ء کے اواخر میں ہائپر اسٹیلتھ بائیو ٹیکنالوجی کارپوریشن HBC نامی کینیڈین کمپنی نے کوانٹم اسٹیلتھ Quantum Stealth نامی ایک حیرت انگیز لباس تیار کیا ہے جو کہ بالکل ہیری پوٹر فلم میں غائب ہونے والے چوغے جیسا ہے جو نائٹ ویژن چشموں کو بھی شکست دے سکتا ہے۔

نانیانگ یونیورسٹی سنگاپور کا بنایا ہوا غیر مرئی ڈیوائس

دسمبر 2013ء میں سنگاپور کی نان یانگ یونیورسٹی کے ماہرین کو ایک اہم کامیابی مل گئی۔ سنگاپور کے ماہرین نے ایسے آئینوں کی مدد سے ایسی ڈیوائس تیار کر لی ہے جو اپنے درمیان روشنی جذب کر کے کسی بھی شے کو غائب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ دوران تجربات اس چوغے کے ذریعے بلی، مچھلی اور دیگر چھوٹے ساز و سامان کو غائب کرنے کے تجربے کامیاب رہے۔ یہ غیر مرئی ڈیوائس ابھی ابتدائی شکل میں ہے اور ماہرین اسے مزید بہتر بنا رہے ہیں۔ انہیں امید ہے کہ مستقبل میں یہ انوکھی ڈیوائس انسان کو غائب کر دینے کے ساتھ ساتھ سکیورٹی اور تفریح کے معاملات میں کام آئے گی۔

صحت

سخت ورزش سے زکام میں کمی

ایک نئی تحقیق کے مطابق ہر ہفتے کم از کم ڈھائی گھنٹے کی جارحانہ ورزش کرنے سے زکام لگنے کے امکان میں کافی کمی آتی ہے۔ محققین کا کہنا ہے کہ جارحانہ طرز کی ورزش سے مراد سائیکل کی سواری، دوڑنا یا کھیل کود ہے۔

بیٹھے بیٹھے صحت گنوانا

ریسرچرز کے مطابق زیادہ کھانا، بیٹھے رہنا، کم سے کم جسمانی حرکت کرنا اور پیدل چلنے کے بجائے موٹر گاڑی پر انحصار کرنے والوں کی صحت بہت جلدی خراب ہو جاتی ہے۔ ان میں وزن میں اضافہ اور ذیابیطس کے امکانات بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔

کینیڈا کے ایک طبی جریدے میں چھپنے والی رپورٹ کے مطابق ایسے معاشروں میں صحت کو لاحق خطرات سے بچنے کی تدابیر سخت ضروری ہیں جہاں مغربی طرز زندگی کو اپنانے کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے۔

اس مطالعاتی جائزے میں دنیا کے 17 ممالک کو شامل کیا گیا ہے۔ اس مطالعاتی رپورٹ میں صحت کو نقصان پہنچانے والے ان الیکٹرونک آلات کے استعمال میں کمی کی تنبیہ کی گئی ہے اور ذیابیطس سے بچنے کے لیے زیادہ سے زیادہ جسمانی حرکت اور کھانے پینے کے کنٹرول پر زور دیا گیا ہے۔

جئی کا دلیہ

یونیورسٹی آف ساؤتھ آسٹریلیا کے نیوٹریشن ماہرین کی تحقیق کے مطابق جئی کا دلیہ ذہن کو طاقت مہیا کرتا ہے۔ جئی کا دلیہ کھانے والوں کی ذہنی صحت اچھی رہتی ہے اور جئی کا دلیہ معمر افراد کیلئے بھی فائدہ مند اور طاقت بخش ہے۔ یونیورسٹی کے ماہر پروفیسر پیٹر لیووی نے بتایا کہ جئی کا دلیہ ذہن کے علاوہ جسمانی صحت کیلئے بھی صحت بخش ہے۔ جئی کے دانوں میں حیاتیاتی عوامل والے غذائی اجزا پائے جاتے ہیں جو کہ دماغ میں خون کے بہاؤ کو بہتر بنانے میں معاون ہو سکتے ہیں۔

❖

علاج کے لیے شخصیت کا معائنہ بھی ضروری ہے

طبی ماہرین نے تجویز کیا ہے کہ مریض کی صحت کا اندازہ لگانے سے پہلے شخصیت کا جائزہ لینا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ مریض کی میڈیکل ہسٹری اور فیملی ہسٹری کا جاننا ضروری ہوتا ہے۔ ڈیوک یونیورسٹی سے وابستہ محققین نے ڈاکٹروں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنے مریض کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں سے بھی آگاہی حاصل کریں۔ اس طرح انھیں اس بات کا اندازہ لگانے میں آسانی ہو گی کہ ایک شخص مستقبل میں خود کی کتنی اچھی دیکھ بھال کرے گا۔ مثلاً ایک سمجھدار شخص کے بارے میں یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ مستقبل میں اسے صحت کے شدید نوعیت کے مسائل کا کم ہی سامنا کرنا پڑے گا۔

تحقیق سے منسلک ماہرین کہتے ہیں کہ مستقبل کی صحت کا اندازہ لگانے کے لیے سمجھداری ایک ایسی خاصیت ہے جو سب سے زیادہ اہم ہے۔ تجزیے میں 26 برس کے ایسے نوجوان جنھیں زیادہ سمجھدار بتایا گیا تھا اپنے ہم عمر لاابالی طبیعت رکھنے والے نوجوانوں کے مقابلے میں 38 برس کی عمر میں بہت اچھی صحت کے مالک تھے۔ ریسرچ کے سربراہ ڈاکٹر سولومن کے مطابق تحقیق کا نتیجہ اچھی صحت اور کردار کی خصوصیات کے درمیان پائے جانے والے رشتے کی وضاحت پیش کرتا ہے۔ ایسے نوجوان 38 برس کی عمر میں زیادہ فربہ، ہائی کولیسٹرول اور ہائی بلڈ پریشر جیسے امراض میں مبتلا پائے گئے جنھیں ان کے عزیز و اقارب نے لاابالی یا کم سمجھدار بتایا تھا۔ دوسری جانب زیادہ سمجھدار نوجوانوں میں ایک صحت مند طرز زندگی گزارنے کے ساتھ سگریٹ نوشی جیسی عادتیں بھی نہیں تھیں۔

ان صفحات پر آپ بھی سائنسی حقائق کے بارے میں دریافت کرسکتے ہیں۔ سوال مختصر اور واضح الفاظ میں تحریر کریں اور اس پتہ پر ارسال کردیں۔

سائنس کارنر معرفت روحانی ڈائجسٹ، D-1/7,1 ناظم آباد، کراچی

Q: دنیا میں کون سا جانور سب سے زیادہ ذہین ہے؟

(زبیر علی۔ کراچی)

A: انسان کے علاوہ ہر جانوروں میں ذہانت پائی جاتی ہے۔ ہر جانور کی اپنی خوبیاں ہوتی ہیں۔ ذہانت، کارکردگی، یادداشت، چالاکی، سیکھنے اور سمجھنے کے اعتبار سے جانور کو دیکھا جائے تو ان کی فہرست یوں بنتی ہے۔

مختلف کاموں کی تکمیل کے حوالے سے گوریلا اور بن مانس کا شمار ذہین جانور میں ہوتا ہے اگر آپ کو کبھی چڑیا گھر جانے کا اتفاق ہو تو آپ کسی بھی بن مانس کو جوس کا پیکٹ پیش کریں تو وہ اس کے ساتھ چپکا ہوا اسٹرا نکال کر اسے پیکٹ میں لگا کر جوس پیئے گا، یہ ذہانت نہیں تو اور کیا ہے۔ بن مانس کی یادداشت دوسرے جانوروں کی نسبت زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ وہ سوچ سکتا ہے اور تجزیہ کر سکتا ہے۔ انہیں آسانی سے کمپیوٹر چلانا سکھایا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ریاضی کے کئی سوالوں کو حل کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ وہ دنیا کے سمارٹ ترین جانور ہیں۔

دنیا کے اکثر حصوں میں ہاتھی کو ذہانت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ ان کی یادداشت بہت تیز ہوتی ہے۔ دنیا کے ہر جانور سے ہاتھی کا دماغ بڑا ہے۔ عظیم الجثہ جانور ہاتھی گروہوں کی شکل میں رہتے ہیں اور اپنے خاندان کے ہر فرد کا خیال رکھتے ہیں۔ ہاتھی اپنے کسی ساتھی کی موت پر باقاعدہ سوگ مناتے ہیں۔ ان کو پتوں سے ڈھانپ کر دفن کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ زخمی جانور کی مدد یا ان کے کھانا اور پانی لے کر آتے ہیں، وہ شاخوں اور پتھروں کو بطور اوزار استعمال کرنا جانتے ہیں۔

ہاتھی اپنے دماغ میں آبی جگہوں کے نقشے محفوظ رکھتے ہیں اور انہیں اس بات کا پتہ ہوتا ہے کہ پانی کے جوہڑ یا ندیاں کس سمت اور کتنے فاصلے پر موجود ہیں۔ ہاتھی ہاتھ کے اشاروں کو سمجھ سکتے ہیں۔ عموماً یہ صلاحیت چند اقسام کے کتوں میں ہی پائی جاتی ہے۔ اس سے بھی زیادہ غیر معمولی بات یہ کہ وہ دوسرے ہاتھیوں اور کچھ انسانی الفاظ کی آواز کی نقل کر سکتے ہیں اور اگر ان کے سامنے آئینہ رکھا جائے وہ خود کو شناخت کر سکتے ہیں۔ یہ صلاحیت ہاتھی کے علاوہ صرف بندر، کوؤں اور بوتل جیسی ناک والی ڈالفن میں پائی جاتی ہے۔

اگر دماغ کے حوالے سے دیکھا جائے تو سائنس دانوں کے مطابق جانوروں میں سب سے ذہین دماغ ڈولفن کا ہے۔ ان میں ذرائع ابلاغ کی خوبی پائی جاتی ہے۔ وہ شیشے میں اپنے آپ کو پہچان لیتی ہیں۔ وہ سیٹی کے ذریعے اپنی بات دوسری ڈولفنز کو پہنچاتی ہیں۔ گرم پانی میں رہنے والی بوتل کی ناک والی ڈولفن سب سے ذہین تصور ہوتی ہے۔ ڈولفن کو سدھایا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ٹیلی ویژن شوز میں ڈولفن مختلف کرتب کرتی دکھائی دیتی ہیں۔

طوطا واحد جانور ہے جو انسانی بولی بول سکتا ہے۔ بلکہ مختصر مدت میں بولنا سیکھ جاتا ہے۔ طوطے کی یہ خوبی ہے کہ وہ مشکل ترین صورتحال کو سنبھال لیتا ہے۔ اس ضمن میں افریقی گرے طوطا سب سے زیادہ ذہین ہوتا ہے۔ یہ جانور اپنے جسم کی حرکات سے اپنی بات اپنے ساتھیوں تک پہنچاتے ہیں۔

سائنسدانوں کے مطابق بھیڑیں بھی ہماری توقع سے زیادہ ذہین ہوتی ہیں، اگر انھیں ڈرایا جائے تو وہ فوراً گروہوں کی شکل میں اکٹھا ہو جاتی ہیں وہ اپنے ساتھی جانوروں کے ساتھ ساتھ انسانی چہروں کو بھی یاد رکھ سکتی ہیں۔ اگر وہ کسی ریوڑ سے الگ ہو جائیں تو اپنے مالک کو پہچانتے ہیں ذرا بھی غلطی نہیں کرتیں۔ وہ اپنے جذبات کا اظہار اپنی آواز سے کرتی ہیں۔ مخصوص حالات میں ان کی یادداشت تو انسانوں سے بھی تیز ہوتی ہے۔

کوے کو سب سے سیانا جانور کہا جاتا ہے۔ وہ بہت ہی چوکنا اور حالات کو قابو میں رکھنے والا جانور ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ اگر آپ کوئی اخروٹ گلی میں پھینک دیتے ہیں تو کوا منڈیر پر بیٹھا اس وقت تک انتظار کریگا جب تک کوئی کار اس اخروٹ کو روند کر توڑ نہ جائے۔ وہ مختلف آوازوں سے اپنی بات اپنے ساتھیوں تک پہنچاتے ہیں۔

کتا وفاداری کی علامت کتا ہے۔ ضرورت پڑنے پر اپنے مالک کیلئے جان بھی دے دیتا ہے۔ وہ جانوروں کے ساتھ ساتھ انسانی چہروں کو پہچاننے کی صلاحیت سے بھی معمور ہوتا ہے۔ وہ بہت ہی حساس اور بہت حد تک حاسد جانور ہے۔ کتوں کی نسل میں بارڈر کولی سب سے ذہین نسل ہے۔ کتے بھیڑیوں اور مویشیوں کی رکھوالی بھی رکھتے ہیں۔ انھیں بآسانی سدھایا جاسکتا ہے۔

جسمانی اعتبار سے گلہریاں چھوٹی ضرور ہوتی ہیں لیکن ان کا دماغ چھوٹا نہیں ہوتا۔ وہ اپنے گردونواح، درختوں، جھاڑیوں اور جنگلی پھولوں کی وجہ سے اپنے گھر کو تلاش کر لیتی ہیں۔

اخروٹ ان کی من پسند غذا ہے اور موسم سرما میں چونکہ سردی اور برف پڑتی ہے اور اس موسم میں خوراک تلاش کرنا بھی مشکل ہوتا ہے لہٰذا گلہریاں اخروٹ چھپا لیتی ہیں اور سیزن کے بعد وہ انھیں نکال کر کھاتی ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک پورے موسم کے بعد بھی انھیں یاد ہوتا ہے کہ اپنی خوراک کہاں چھپائی ہوئی ہے۔

آکٹوپس بھی ایک ذہین جانور ہے اور اپنی خوراک کی تلاش کیلئے باقاعدہ پلاننگ کرتا ہے اس کے بازو اسے آگے بڑھنے میں مدد دیتے ہیں۔ پیدائشی طور پر ہی وہ ماہر شکاریوں کی طرح ہوتے ہیں۔

صحت مند زندگی

انسان اور بیماری کا تعلق اتنا ہی پرانا ہے جتنی انسانی تاریخ۔ انسانیت روز آفرینش سے اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی ہے، اس عرصے میں بیماریوں سے نبرد آزما انسان نے کتنے ہی ایسے طریقوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی جن سے شفا حاصل ہو سکتی تھی، انسانی ارتقاء کے اس سفر میں تکالیف اور بیماریوں سے نمٹنے کے لیے نت نئے طریقہ علاج تلاش کیے گئے ہیں اور اب جدید دور میں جہاں نت نئی بیماریاں ظاہر ہو رہی ہیں وہیں جدید طریقہ علاج بھی موجود ہیں مگر اکیسویں صدی میں جبکہ سائنس و ٹیکنالوجی نے بہت سی انسانی بیماریوں پر قابو پالیا ہے بعض اوقات ایسے عوامل سے بھی واسطہ پڑتا ہے جن سے چھٹکارہ پانا ممکن نظر نہیں آتا۔

ایک طرف اگر ایڈز، کینسر، ڈینگی وائرس اور سوائن وائرس کے بخار اور دیگر پیچیدہ جسمانی بیماریوں نے انسانی زندگی کو مات دینی شروع کر دی ہے، دوسری طرف ڈپریشن، اسٹریس، فوبیا، آٹزم، شیزوفرینیا، الزائمر جیسی ذہنی بیماریوں کے آگے جدید ٹیکنالوجی بھی بے بس نظر آتی ہے۔ ایسے میں کتنے ہی ایسے متبادل طریقہ علاج سامنے آئے جنکے باعث نا صرف کئی بیماریوں سے بچا جا سکتا ہے۔

اگر جدید میڈیکل سائنس کے لئے کسی بیماری پہ قابو پانا مشکل ہے تو اور بھی بہت سے طریقہ علاج موجود ہیں جن کے باعث انسان اپنی کھوئی ہوئی صحت و تندرستی کو دوبارہ حاصل کر سکتا ہے۔

ان میں کئی طریقہ کار ایسے بھی ہیں جن کے پیچھے کوئی سائنسی یا عقلی دلیل بظاہر نظر نہیں آتی، جن کی تھیوری کو حتمی طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا مگر ان کے اندر کوئی ایسے ماورائی مظاہر موجود ہوتے ہیں جن کے باعث کئی لاعلاج امراض میں مبتلا لوگ تندرست ہو جاتے ہیں۔

آج دنیا بھر میں علاج معالجے کے ضمن میں ہزاروں ایسے مختلف متبادل طریقہ علاج موجود ہیں جن میں رنگ، روشنی، موسیقی، سانس، مقناطیس، پتھر و جواہرات، پانی، خوشبو اور جڑی بوٹیوں سے علاج کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ یوگا، ریکی، مراقبہ، ایکوپنکچر، ایکوپریشر، ریفلیکسولوجی، ہپنوتھراپی، شیاتسو، الیگزینڈر تکنیک، آیورویدا، فینگ شوئی، تائی چی، آئریڈولوجی، کائنیسولوجی، کی گونگ غرض کہ ایک طویل فہرست ہے، جن کی اہمیت، افادیت اور شفایاب خصوصیات کو جھٹلایا نہیں جا سکتا ہے۔

فینگ شوئی

Feng Shui 風水

فینگ شوئی ایک قدیم سائنس ہے اس کا تعلق چین سے ہے۔ فینگ شوئی کے ذریعے آپ اپنے گھر کی تزئین و آرائش میں معمولی تبدیلی سے فطرت کے اصول آپ کے گھر میں روبہ عمل ہوجائیں گے۔ ذہنی یکسوئی میں اضافہ ہوسکتا ہے رزق میں آسانی اور آمدنی میں نمایاں اضافہ ہوسکتا ہے۔ روحانی ڈائجسٹ کے قارئین کے لیے ان صفحات پر چین کے معروف متبادل طریقہ علاج فینگشوئی پر سلسلہ شروع کیا جارہا ہے۔

تیسرا حصہ

گزشتہ مہینے ہم نے فینگ شوئی کے بنیادی نظریے، تاریخی پس منظر اور چی توانائی کا مختصر تعارف پیش کیا تھا۔ آیئے ہم فینگ شوئی کے ذریعے عمارت سازی اور آرائش میں سمتوں کی اہمیت پر کچھ بات کرتے ہیں۔ چی توانائی کی لہریں اور سمتیں ہماری زندگی پر کس طرح اثرانداز ہوتی ہیں اسے اس کہانی سے سمجھتے ہیں۔

یہ کہانی ہے ایک نوبیاہتا جوڑے مائزہ اور شرجیل کی..... دونوں کا تعلق معاشرے کے مہذب اور تعلیم یافتہ گھرانوں سے ہے۔ دونوں میں ذہنی ہم آہنگی اور محبت بھی خوب تھی۔ شادی کے بعد سیر و تفریح سے گھر لوٹے تو شرجیل کے والدین نے ایک ویل فرنشڈ گھر کی چابی بطور تحفہ دونوں کے ہاتھ میں تھمادی۔ کچھ دن سسرال میں رہنے کے بعد دونوں نے اپنے نئے گھر میں شفٹ ہونے کا ارادہ ظاہر کیا جس کو سب نے خوش دلی سے قبول کیا۔ مکان بہت خوبصورت تھا۔ تزئین و آرائش میں پیسہ پانی کی طرح بہایا گیا تھا۔ جو بھی مکان کی سجاوٹ کو دیکھتا دم بخود رہ جاتا۔

دونوں اپنی قسمت پر نازاں تھے ایک دوسرے کا بہت خیال رکھتے تھے۔ شرجیل جب آفس سے گھر لوٹتا تو مائزہ دلکش مسکراہٹ سے اس کا استقبال کرتی۔ ان دونوں کے درمیان بے تکلف دوستوں کی طرح ہنسی مزاق چلتا تو کبھی ہمیشہ ساتھ نبھانے کی قسمیں وعدوں کی تجدید کی جاتی۔ دن خواب کی طرح گزر رہے تھے۔ شادی کے ابتدائی چند ماہ کا عرصہ پلک جھپکتے گزر گیا۔ کچھ دنوں سے مائزہ خود کو مضمحل اور کمزور محسوس کررہی تھی۔ ایک بے نام سی اداسی اس کے دل میں گھر کرنے لگی تھی اس نے اپنی اس حالت کا ذکر نا صرف شرجیل سے بلکہ اپنی والدہ سے بھی کیا مگر بات اچھی غذا بھرپور آرام کی نصیحتوں پر ختم ہو جاتی اور پھر یہی تبدیلی اسے شرجیل کے رویے میں بھی محسوس ہوئی۔ وہ اکثر گھر آتا تو اس کے چہرے

پر تھکن کے آثار ہوتے کبھی کبھی اس کے چہرے پر ایسی بیزاری ہوتی کہ وہ گھبرا جاتی۔ کبھی چائے بنا کر لاتی تو کبھی جوس کا گلاس لے کر اس کے سر پر کھڑی ہو جاتی۔ اس کے خیال کرنے پر شرجیل مزید چڑ جاتا کبھی سر میں شدید درد یا کبھی کوئی اور بہانہ بنا کر جلد سو جاتا۔ مائرہ کے لئے شرجیل کا یہ روپ حیران کن تھا اسے اپنے محبوب شوہر سے اس رویئے کی امید نہ تھی۔
مگر پھر وہ خود کو تسلی دیتی شاید آفس کا کوئی مسئلہ ہو جو وہ مجھے بتانے سے گریزاں ہوں۔ کبھی سوچتی شاید میں ہی ان کا خیال نہیں رکھ پا رہی۔ شرجیل کو خود بھی اپنے رویئے میں بدلاؤ محسوس ہو رہا تھا۔ وہ جب کبھی اسے آفس سے فون کرتا تو اس کا لہجہ محبت سے سرشار ہوتا۔ وہ بار بار اسے اپنی محبت کا یقین دلاتا مگر جب گھر آتا تو کسی نہ کسی بات پر خفا ہو جاتا اور پھر کبھی تھکاوٹ تو کبھی کوئی بہانہ بنا کر سو جاتا اور پھر یہ روز کا معمول بنتا چلا گیا۔ شرجیل کی رفیق اس کی شریکِ حیات جس کے دیدار سے وہ دن کا آغاز کرتا تھا اب وہ پری چہرہ سامنے ہو کر بھی اسے نظر نہیں آتی تھی۔

شوہر کی بے توجہی بیوی کے دل میں شک اور عدم تحفظ پیدا کرتی ہے۔ مائرہ بھی شک کے زہر سے خود کو محفوظ رکھنے میں ناکام ہو رہی تھی۔ دونوں کے درمیان تلخیاں بڑھنے لگیں تھیں دونوں ہی ایک دوسرے سے خائف اور شاکی نظر آتے تھے مگر اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھے۔ خصوصاً مائرہ کی حساس طبیعت اسے شدید کرب میں مبتلا کر رہی تھی۔ وہ اندر ہی اندر کڑھ رہی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس مسئلہ سے کیسے نمٹا جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ شرجیل کے رویئے میں اس اچانک بدلاؤ نے اسے حواس باختہ کر دیا تھا۔

اسے سمجھایا گیا تھا کہ گھر کی ہر بات میکے میں نہیں کرنی چاہیے۔ بالخصوص شوہر کے بدلتے مزاج کو جانے سمجھے بغیر شکوہ شکایت اس کی تربیت کا حصہ نہ تھا۔ کچھ دنوں سے وہ اسی ادھیڑ بن میں مبتلا تھی کہ یہ بات ماں سے کرے یا نہ کرے۔

کہتے ہیں نیت صاف ہو اور جذبے صادق ہوں تو راہیں خود بخود کھل جاتیں ہیں۔ کبھی کبھی تو منزل خود چل کر دروازے تک آ جاتی ہے۔ اس کی امی کا فون آیا تھا انہوں نے بس اتنا بتایا کہ کسی خاص مہمان کے ساتھ ملنے آ رہی ہیں اور فون رکھ دیا۔ مائرہ نے جلدی سے کچھ پکوان تیار کیے اور اپنی اداسی پر ہلکے میک اپ کا نقاب چڑھا کر مسکراتی ہوئی مہمانوں کا استقبال کرنے کے لئے تیار ہو گئی۔

آنے والے مہمان مائرہ کے ماموں جان تھے جو طویل عرصے سے امریکہ میں رہائش پذیر تھے۔ ان کا جائداد کی خرید و فروخت کا بہت اچھا بزنس تھا۔ کچھ کاروباری مصروفیات کے باعث شادی میں شریک نہیں ہو پائے تھے اور اب اس سے ملنے کے لئے بے چین تھے۔ اس نے شرجیل کو فون کر کے جلدی آنے کا کہہ دیا تھا۔ مگر امکان تھا کہ اسے دیر ہو جائے کیونکہ وہ ایک اہم کاروباری ڈیل میں مصروف تھا۔ گپ شپ کا ایک لمبا سلسلہ چل نکلا تھا۔ آج بہت دنوں بعد وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ مگر ماں ایک ایسی ہستی ہے جس سے کبھی کچھ نہیں چھپتا۔ وہ مائرہ کی اداسی اور بے چینی کو محسوس کر رہی تھیں۔ ان چند دنوں ہی میں اس کے چہرے کی شادابی پیلاہٹ میں بدل چکی

تھی۔انہوں نے موقع ملتے ہی مائرہ سے اصل معاملے کی بابت دریافت کیا۔مائرہ سے بھی مزید چپ رہا نہ گیا اس نے تمام احوال مختصراً بیان کر دیا آنسو تھے کہ تھمتے نہ تھے۔وہ ماں کے گلے لگ کر بچوں کی طرح روتی رہی اس کا خیال تھا کہ یہ کسی کی بد نظر ہے یا کسی نے جادو ٹونہ کیا ہے۔مائرہ کی والدہ ایک سمجھدار اور تعلیم یافتہ خاتون تھیں وہ کوئی بھی بات کرنے سے پہلے بذاتِ خود سارے معاملے کا جائزہ لینا چاہتی تھیں انہوں نے مائرہ کے خدشات کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے تسلی دی۔ ایسے میں لاؤنج میں موجود ماموں اور کزنز گھر دیکھنے کے لئے کھڑے ہو گئے ۔مائرہ نے خود کو نارمل کیا اور پھر سب کو لے ایک ایک کر کے ہر کمرہ دکھانے لگی۔ماموں جان ہر کمرے اور اس کی آرائش کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔ سب جانتے تھے کہ وہ تزئین و آرائش میں اعلیٰ ذوق کے مالک تھے۔انہوں نے مختلف انٹیریئر کورس بھی کر رکھے تھے اور یہ ان کے بزنس کا حصہ بھی تھا۔انہوں نے کچھ چیزوں کی تعریف کی تو کچھ پر اعتراض بھی کیا جسے مائرہ نے بغور سنا اور جس قدر ممکن تھا اس پر فوری عمل بھی کیا۔ مگر جب سب لوگ بیڈ روم میں داخل ہوئے تو ماموں جان کی بے چینی کو سب نے محسوس کیا انہیں کمرے کی سیٹنگ بالکل پسند نہ آئی ۔ان کا کہنا تھا کہ اس بڑی سی سنگھار میز کو بیڈ کے بالکل سامنے نہیں ہونا چاہیے۔اسے ہٹا کر سائیڈ پر رکھ دیا جائے اس طرح کہ بیڈ کا عکس اس میں دکھائی نہ دے۔ اس کے بعد کمرے سے ملحقہ بالکونی میں موجود دیوار پر آراستہ اس بڑے سارے شیشے کے فریم کو فوری طور پر دیوار سے الگ کر کے کسی اور جگہ منتقل کر دیا جائے۔یہ باتیں شرجیل کو بتاؤں گی تو پتہ نہیں وہ کیسے ری ایکٹ کریں اسے پریشانی کے عالم میں کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔مائرہ کی امی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تم اپنے ماموں جان کے پیار اور دانش مندی سے اچھی طرح واقف ہو اور پھر یہ کہ امریکہ میں جائداد کی خرید و فروخت کی ان کی اپنی فرم ہے جس میں فینگ شوئی کنسلٹنٹ کا الگ ڈیپارٹمنٹ کام کر رہا ہے یہ قطعی طور پر توہم پرستی نہیں بلکہ ایک مکمل سائنس ہے۔تم بس اللہ پر بھروسہ رکھو سب ٹھیک ہو جائے گا۔انہوں نے مائرہ کو مطمئن کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور وہ اس میں کچھ حد تک کامیاب بھی رہیں۔ مگر اس کا پریشان ہونا بھی ایک قدرتی امر تھا۔وہ بھی دعا کر رہی تھی کہ سب کچھ ٹھیک رہے۔ رات کو مائرہ نے شرجیل کو اپنے ماموں کے مشوروں سے آگاہ کیا۔گھر کی سیٹنگ میں تبدیلی کے لیے خلاف متوقع شرجیل فوراً ہی مان گئے۔

اگلے روز چھٹی کا دن تھا۔شرجیل نے دو آدمیوں کو بلا کر ان سے کمروں میں رکھے گئے سامان کی جگہ ماموں کی ہدایت کے مطابق تبدیل کروا دی۔

دو تین دن اسی طرح گزر گئے یعنی شرجیل اور مائرہ کے باہمی تعلقات میں پہلے جیسی گرم جوشی نظر نہ آئی بلکہ دونوں ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے ہی رہے۔ مگر آہستہ آہستہ انتہائی غیر محسوس طریقے پر دونوں دوبارہ ایک دوسرے کے قریب آنے لگے۔ انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ نرم لہجے میں بولنا شروع کیا۔

ایک دن صبح سویرے شرجیل کی آواز نے اسے

چونکہ یاد وہ اسے ناشتہ بنانے کے لئے اٹھا رہا تھا۔ جلدی اٹھو مجھے دیر ہو رہی ہے۔ مائرہ حیران تھی آج بہت دنوں بعد اسے شرجیل نے اپنے پسندیدہ ناشتے کی فرمائش کی تھی۔ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی وہ ناشتہ بناتے ہوئے بھی سوچتی رہی۔ پھر دوسرے دن بھی شرجیل اسے ناشتہ بنانے کے لئے آوازیں دے رہا تھا۔ آج تو شرجیل کا موڈ بھی بہت اچھا تھا مائرہ سارا دن یہی سوچتی رہی۔ اس شام شرجیل گھر لوٹا تو خلاف معمول بہت فریش تھا۔ اس نے آتے ہی باہر چل کر کھانے کی پیشکش کی جو مائرہ نے صاف ٹھکرا دی وہ اتنے دن کی بے التفاتی کا بدلہ لے رہی تھی۔ شرجیل اس کی بات کا برا منائے بغیر اس کے ساتھ کھانا لگانے میں اس کا ہاتھ بٹانے لگا اور پھر دیر تک آفس کے قصے سناتا رہا۔ سب کچھ پہلے جیسا ہوتا جا رہا تھا۔ مائرہ خوش تھی اور خود کو بھی پہلے سے بہتر اور چاق و چوبند محسوس کر رہی تھی۔ کچھ دن بعد اس نے امی کو فون کر کے خوشی خوشی ساری روداد سنائی۔ امی نے اسے سمجھایا کہ رویوں کی اس تبدیلی کی بنیادی وجہ فینگ شوئی کے مطابق کی گئی تبدیلی ہے۔

فینگ شوئی کے اصولوں کے مطابق بیڈ روم میں شیشے کی موجودگی بے جا اداسی اور غمگینی کا باعث بن رہی تھی اسکی وجہ یہ ہے کہ شیشہ پانی کے خواص کی حامل توانائی کو تحریک دیتا ہے، پانی کے خواص جسم کی توانائیوں کو متاثر کرتے ہیں نتیجے میں توانائی کی کثیف لہریں پیدا ہوتی جو اداسی اور نمی کا باعث بنتی ہیں۔ اور ہم خود کو تھکا تھکا اور بیزار محسوس کرتے ہیں جو آہستہ آہستہ اعصابی دباؤ اور ڈپریشن کا باعث بن سکتا ہے۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ بیڈ روم میں شیشہ یا آئینہ نہیں ہونا چاہیے۔ اصل چیز اس کی پوزیشن اور صحیح سمت ہے کہ شیشہ سونے کی جگہ کے بالکل سامنے نہ ہو۔ سائیڈ پر ہو اس طرح کے وہ کسی بھی طرح اس کا رخ بیڈ کی طرف نہ ہو۔ اور زیادہ بڑا بھی نہ ہو۔ اسی طرح ایکویریم بھی پانی کی توانائی لیے ہوئے ہے جو لاؤنج اور لیونگ روم، ماحول کو پرسکون رکھتے ہیں طبیعت میں سستی پیدا کرتے ہیں اور رزق میں کشادگی کا باعث بنتے ہیں۔ جہاں یہ شیشے گھر کے تنگ حصوں میں وسعت پیدا کرتے ہیں وہیں سونے کے کمروں میں بھی وسعت رویوں میں تنگی کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ ایکوریم رکھنے کے لیے بہترین سمتیں گھر کے مشرقی، جنوب مشرقی اور شمالی حصے ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ آپ سمتوں کی اہمیت کو بہتر طور پر سمجھ چکے ہوں گے۔ اب کچھ بات کرتے ہیں پاکوا چارٹ اور فینگ شوئی قطب نما کی جس کے بغیر صحیح سمت کا تعین ناممکن ہے۔

پاکوا چارٹ Pakwa Chart

چینی تعلیمات کی رو سے فطری چی توانائی مختلف سمتوں میں مختلف خواص کی حامل ہوتی ہے ان خواص سے مراد بنیادی عناصر میں سے کسی ایک غالب عنصر کے اثرات اور خواص ہیں۔ اسی لیے ہر سمت میں موجود مختلف خواص کی حامل چی توانائی کے بہاؤ کو بحال رکھ کر اس کی افادیت سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کے لئے فوہسی Fu-Hsi نامی چینی راہنما نے چار ہزار سال قبل (2852 تا 2737 قبل مسیح) ایک چارٹ تشکیل دیا اس کے لئے ین اور ینگ لہروں کے امتزاج سے تین لکیروں کا ایک سیٹ ترتیب دیا گیا۔ یہ سیٹ تعداد میں آٹھ ہیں۔ ہر سیٹ

کو اس کی خصوصیات اور اثرات کی بنیاد پر ایک مخصوص نام دیا گیا ہے۔ جو ان سیٹس کو امتیاز کرنے میں بھی مدد دیتا ہے۔ ان کے ملاپ سے ایک آٹھ کونوں والا یعنی ہشت پہلو چارٹ وجود میں آیا جس کو پاکوا Pa-kwa کا نام دیا گیا۔ پا کا مطلب آٹھ اور کوا کا مطلب تکون ہے۔ مغرب میں زیادہ تر اسے باگوا Ba-Gua کہا جاتا ہے۔ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ یعنی پاکوا دراصل آٹھ تکون کا مجموعہ ہے۔ جس کا ہر کونہ کسی نہ کسی سمت کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس لحاظ سے فطری توانائی کے بہاؤ کو آٹھ سمتوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جو کچھ اس طرح سے ہیں۔

Li جنوب سے آنے والی توانائی کی لہریں کہلاتی ہیں جنکا مطلب آگ ہے۔ اس سمت میں آگ کے خواص غالب ہوتے ہیں جو عزت شہرت اور کامیابی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

جنوب مغرب میں ین لہریں اپنے عروج پر ہوتی ہیں اور توانائی میں مٹی کے خواص غالب ہوتے ہیں لہٰذا اس سمت میں دور کرنے والی توانائی محبت شادمانی اور روحانویت سے بھرپور ہوتی ہیں اور شادی اور ازدواجی خوشی سے منسلک ہوتی ہیں۔ انہیں KUN کہا جاتا ہے۔

DUI مغرب میں دور کرتی توانائی کی لہروں کا نام ہے جو بچوں اور تخلیقی صلاحیتوں کے لیے توانائی فراہم کرتی ہیں۔

شمال مغرب میں یِنگ توانائی کی لہریں غالب ہوتی ہیں اور دھات کے خواص لیے ہوئے ہوتی ہیں

اسی لئے اس سمت سے آنے والی توانائی کی لہریں تعلقات میں استحکام پیدا کرتی ہیں اور بزرگوں دوستوں اور مددگار لوگوں کی تقویت کا باعث بنتی ہیں یہ QIAN کہلاتی ہیں۔

KANتوانائی کی لہریں شمال سمت میں پانی کی خصوصیات کی حامل ہوتی ہے اور اچھے کیریئر کے لئے سودمند ثابت ہوتی ہیں۔ جین GENشمال مشرق کی توانائی تعلیمی اور ذہنی صلاحیتوں کو تحریک دیتی ہیں۔ ایسا دیکھا گیا ہے کہ اس سمت میں بیٹھ کر مطالعہ کرنے سے نئے آئیڈیاز جنم لیتے ہیں اور امتحان کی تیاری میں بھی سودمند ثابت ہوتی ہیں۔ مشرق کا تعلق خاندان سے اچھے تعلقات استوار رکھنے اور صحت کی توانائیوں کا مظہر ہے۔ اس سمت میں دور کرنے والی توانائی لکڑی کے خواص کی حامل ہوتی ہے جنہیں ZHENکا نام دیا گیا ہے۔

ژن XUN جنوب مشرق خوشحالی اور دولت کی توانائی سے بھرپور ہے۔

باگوا نقش: Bagua Map

اس چارٹ کو قدیم چینی ماہرین زمین کے سروے کے لیے استعمال کیا کرتے تھے۔ جس کا مقصد پہاڑی اور ناہموار سطح رکھنے والی زمین اور نشیب و فراز پر مشتمل علاقوں میں جائے تعمیرات کی جانچ کرنا اور زرخیز زمین اور آب و ہوا کا تلاش کرنا تھا۔ تاکہ پہاڑوں اور علاقے میں موجود دریاؤں یا تالاب کی توانائی سے نہ صرف یہ کہ زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل ہوتے رہتے ہیں بلکہ ان کی توانائی محفوظ بھی رہے۔ اسے باگوا میپ کہا جاتا ہے جو آج بھی عمارتوں کی نقشہ سازی یعنی فلور میپنگ میں استعمال کیا جاتا ہے۔

قطب نما لوپان Luo-pan

اس کے لئے خصوصی طور پر تیار کردہ کمپاس یعنی قطب نما استعمال کیا جاتا ہے۔ جسے لوپان کہتے ہیں۔ لو کا مطلب ہے ہر چیز اور پان کا مطلب ہے پیالہ یعنی لوپان ایک ایسا پیالہ جس میں ہر چیز موجود ہے۔ اس کی شکل گول ہوتی ہے اور عین درمیان میں قطب نما ہوتا ہے جس سے سمت کا تعین ہوتا ہے۔ اس میں365دائرے ہوتے ہیں اور ہر دائرہ میں چینی رسم الخط لکھا ہوتا ہے جو دراصل توانائی کے مثبت اور منفی بہاؤ کی سمت، سعد اور نحس رہائشی اور تدفینی

مقامات اور پانی یعنی دریاؤں اور نہروں کے بہاؤ کے سازگار رخ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ چونکہ عام لوگوں کے لئے اس کا استعمال خاصا پیچیدہ تھا اس لئے کچھ ماہرین نے اسے آسان تر بنانے کی کوشش میں ان دائروں کو کم کر کے 36 تک کر دیا جن میں سے ہر دائرہ کسی نہ کسی خصوصیت کا حامل سمجھا جاتا جس کی تفصیل ہم بیان کر چکے ہیں۔

لوپان کمپاس

اب آپ فینگ شوئی کمپاس کو اپنے گھر کے نقشے پر رکھ کر نہ صرف یہ کہ صحیح سمتوں کا تعین کر سکتے ہیں یہ کام ایک عام کمپاس سے بھی لیا جا سکتا ہے مگر دھیان رہے کہ سمتوں کے تعین کی ابتداء گھر کے داخلی دروازے کے مقام سے کی جائے گی۔ چونکہ قدیم چینی نظریات کے مطابق توانائی جنوب سے کلاک وائز گردش کرنا شروع کرتی ہے اس لئے سب سے پہلے جنوب کی سمت کا تعین کیا جاتا ہے اور پھر کلاک وائز بقیہ تمام سمتیں ترتیب میں آجاتی ہیں۔ اس کے بعد پاکوا چارٹ کی مدد سے گھر کی توانائی کو تحریک دینے والے حصوں کو تلاش کر کے وہاں موجود گھریلو سامان اور اشیاء کی جگہ اور پوزیشن میں معمولی ردوبدل سے ان سمتوں میں دور کرنے والی توانائی کے بہاؤ کو بحال رکھ کر اس کے خواص سے بہتر انداز میں مستفیض ہو سکتے ہیں۔

اسے عملی طور پر سمجھنے کے لئے ایک چارٹ درج ذیل ہے۔ آپ چاہیں تو اپنے گھر کے کمروں کا جائزہ لیں اور سمتوں کے لحاظ سے چارٹ کو پر کریں اور نوٹ کریں کہ آیا کچن میں چولہا یا اوون اسی سمت میں ہے جہاں ہونا چاہیے۔ یا آپ کے بچوں کا کمرہ مغرب کے بجائے مشرق میں تو نہیں۔ اور یہ بھی کہ آپ کے گھر میں شیشہ کس سمت میں لگا یا ٹنگا ہوا ہے۔

اگلی اقساط میں ہم آپ کو گھر اور آفس کی آرائش کی گائیڈ لائن فراہم کریں گیں۔

لوشو چارٹ اور ذاتی پاکوا نمبر کیسے معلوم کیا جاتا ہے؟ اگلی قسط میں انشاء اللہ ان تمام سوالوں کے جوابات بیان کریں گے۔

(جاری ہے)

صحت مند نوجوان

زبیر الدین

جیسی غذا ہو، صحت بھی ویسی ہی ہوتی ہے۔ اچھی غذا سے مراد ایسی غذا ہے جو آپ کو توانائی اور صحت بخشے، امراض کا مقابلہ آپ کے جسم کی قوت مدافعت کے مستحکم ہونے ہی سے ممکن ہے۔ قوت مدافعت کے استحکام کے لیے ضروری ہے کہ اسے درکار غذائی اشیاء جسم کو ملیں، ایسی غذا جدید اصطلاح میں "حفاظتی غذا" کہلاتی ہے۔ اس غذا کا مقصد جسم کو امراض سے بچانا، زندگی طویل و خوشگوار بنا کر صحت مند رکھنا ہے۔

لڑکپن میں غذا کے معاملہ میں دو باتیں اہم ہوتی ہیں۔ معیار اور مقدار۔ لڑکپن اور بلوغت کا دور انسانی جسم میں نہایت اہم تبدیلیوں کا دور ہوتا ہے۔ 9 سے 18 سال کے لڑکے اور لڑکیاں اس عمر میں ہی تبدیلیوں کے اثرات سے گزرتے ہیں۔ اسی دور میں ہارمونز کی سطح میں تبدیلی سے جسم کی نشوونما بہتر انداز میں ہوتی ہے۔ تاہم ہارمونز کی تبدیلی سے کبھی کبھار مسائل بھی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اس دوران اکثر نوجوانوں کے چہرے پر کیل دانے اور مہاسے ابھر آتے ہیں اور مزاج میں تبدیلی آجاتی ہے۔ اس دور میں کبھی کبھی تو آپ بہت اچھا محسوس کرتے ہیں اور خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور کبھی کبھی آپ پر غمگین کیفیت طاری ہو جاتی ہے، کبھی آپ کو ایسے لگتا ہے کہ آپ کا چہرہ پرکشش نہیں رہا۔ یہ وہ دور ہوتا ہے جب آپ اپنے سراپے پر بہت زیادہ توجہ دینے لگتے ہیں اور اپنے چہرہ کا دوسرے افراد کے چہروں سے موازنہ کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ کے لباس میں فیشن کے انداز اور رنگ ڈھنگ بھی بدلتے ہیں۔ یہی عمر ہوتی ہے جب آپ مختلف کتابیں اور رسائل دیکھتے ہیں اور پڑھتے ہیں۔

اس عمر میں جس چیز کی آپ کو سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ متوازن خوراک ہے۔ جتنا ممکن ہو سکے مختلف اجزا پر مشتمل غذاؤں کا استعمال کریں۔

اکثر نوجوانوں کی غذائی عادات والدین کو پریشانی میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ مثلاً

> لڑکپن میں اچھی جسمانی و ذہنی صحت کا دارومدار مناسب و متوازن غذا، ضروری آرام مناسب ورزش تمباکو اور منشیات سے اجتناب، مناسب مقدار میں پانی اور پھلوں کے تازہ جوس پینے پر ہے۔

ناشتہ نہ کرنا، وزن کم کرنے والی غذا کھانا یا اس کے بر عکس زیادہ حرارے دار مرغن و شیریں یا فوری تیار ہونے والی غذائیں۔ فاسٹ فوڈز کا شوق ور غبت سے استعمال۔ زندگی کے آئندہ دور کی تیاری اور تندرستی کا دارومدار بھی اسی دور کی غذا پر ہے۔ مناسب غذا سے لڑکپن کی نشوونما بھی مناسب رہتی ہے۔ یہ نشوونما اس قدر زیادہ ہوتی ہے جو ماسوا زمانہ شیر خوارگی کے کسی اور زمانے میں نہیں ہوتی۔

لڑکپن میں جسمانی نشوونما یا بلوغت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس دوران جسم کو خوب غذائیت چاہیے۔ اس عمر کے لڑکوں میں عضلات پٹھوں اور ہڈیوں کی نشوونما میں اضافہ ہوتا ہے۔ لڑکیوں کو 2100 سے 2200 اور لڑکوں 2800 تک حراروں کی ضرورت روزانہ ہوتی ہے۔ بالعموم یہ کہا جاسکتا ہے کہ لڑکپن میں اسی قدر غذا کی ضرورت ہے جس قدر سخت جسمانی محنت کرنے والے محنت کش کو یعنی 2500 سے 3000 حرارے روزانہ بھی ہوسکتے ہیں۔ بہر حال!..... اس کا انحصار جسمانی فعالیت پر ہے۔ فٹ بال کھیلنے والے لڑکوں کو 4000 حرارے روزانہ کی ضرورت پڑسکتی ہے یعنی لڑکپن میں صحت کی بحالی اور بڑھوتری اور نشوونما Growth کے لئے ان اجزاء کا خیال رکھنا چاہیے۔

پروٹین: پروٹین سے آپ کے جسم کو توانائی ملتی ہے۔ یہ گوشت، مچھلی، بادام، اخروٹ، دالوں، دودھ، دہی اور پنیر میں ہوتے ہیں۔

کاربوہائیڈریٹس: اس میں شکر اور نشاستہ، یہ دونوں شامل ہیں۔

اس سے جسم میں حرارت اور انرجی پیدا ہوتی ہے۔

دال، چاول اور مختلف اناجوں میں نشاستہ اچھا خاصہ موجود ہوتا ہے۔ سویاں، میدہ، بیسن کے پکوان آلو، اروی، شکر قند وغیرہ بھی نشاستہ کے زمرے میں آتے ہیں۔

ریشہ دار غذائیں: اچھی صحت کے لیے غذائی ریشے کی بڑی اہمیت ہے خاص طور پر لڑکپن میں غذائی ریشہ پر مشتمل غذاؤں کے استعمال سے ہضم کا نظام چست رہتا ہے۔ غذائی ریشے کے استعمال سے خون میں کولیسٹرول کی سطح بھی کم رہتی ہے کیونکہ یہ غذا میں شامل رہنے والی فاضل چکنائیوں کو خوب جذب کر کے انہیں خون میں شامل ہونے سے روکتا ہے۔ سبزیاں، اناج، پنیر، بادام، اخروٹ، پھل غذائی ریشہ کے اچھے ذرائع ہیں۔ ماہرین صحت دن میں تین سبزیاں اور دو پھلوں کے علاوہ بے چھنے آٹے کی روٹی کھانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ پھلوں میں عام طور پر آڑو، کینو، موسمی، مالٹے، سیب، بہی اور کیلے زیادہ کھائے جاتے ہیں۔ پاکستان ان خوش نصیب ملکوں میں سے ہے کہ جہاں ان پھلوں کے علاوہ اور بھی پھل کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں آلو بخارے کو خاص مقام حاصل ہے کیونکہ آلو بخاروں میں غذائی ریشہ بڑی مقدار میں موجود ہوتا ہے۔

چکنائی والی غذائیں: آپ کے جسم کو تھوڑی چکنائی کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے چکنائی والی غذاؤں کا استعمال بھی ضروری ہے۔ مگر اس کی مقدار زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ ورنہ یہ نہ صرف آپ کی چربی بڑھا کر موٹا کریں گی۔ بلکہ دل پر بھی اس کے مضر اثرات مرتب ہوں گے۔ چکنائی والی غذاؤں میں مکھن، پنیر، دودھ، گوشت کچھ ساس اور فرائیڈ فوڈز شامل ہیں۔

وٹامن: وٹامن ایسے کیمیائی مادے ہوتے ہیں جن کا غذائیں مناسب مقدار میں ہونا بہت ضروری ہے۔ وٹامن جسم کے اندر بہت کم مقدار میں پیدا ہوتے ہیں چنانچہ غذائیں ان کی اتنی مقدار ہونی چاہیے جس سے صحت قائم رکھی جاسکے۔ وٹامن اے، بی کمپلیکس، سی، ڈی اور ای یہ سب جسم کی نشوونما کے لئے انتہائی اہم ہیں۔ بالخصوص دوران بلوغت ان کی اشد ضرورت پڑتی ہے۔

وٹامن اے جلد، بالوں، دانتوں، اور آنکھوں کو صحت مند رکھتا ہے۔ اسی طرح چہرے کے کیل مہاسوں اور پھوڑے پھنسیوں کے لئے بھی مفید ہے اور یہ جگر، مکھن، انڈے، مارجرین، گاجر، پالک، اور پھول گوبھی میں پایا جاتا ہے۔ وٹامن بی ہماری روز مرہ کی غذاؤں میں پائے جاتے ہیں۔ جیسے روٹی، گوشت، مچھلی، ہری سبزیاں، اور مکھن، دودھ وغیرہ اس میں شامل ہیں۔

وٹامن سی انفیکشن سے مقابلہ کرنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ انگور لیموں، نارنگی، گوبھی اور آلو میں پائے جاتے ہیں۔ اگر وٹامن سی پر مشتمل پھلوں اور سبزیوں کا استعمال روزانہ کیا جائے تو نوعمری کی تمام بڑھتی ہوئی غذائی ضرورت باآسانی پوری ہو سکتی ہیں۔ وٹامن ڈی چکنائی والی غذاؤں جیسے مچھلی، پنیر، مکھن، دودھ اور دہی میں پائے جاتے ہیں۔ وٹامن ای روٹی، بادام، اخروٹ، ہری سبزیوں اور چاولوں میں بھی موجود ہوتے ہیں۔

فولاد: لڑکپن کے زمانے میں فولاد کی ضرورت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ فولاد کی قلت 13 سے 19 سال کی عمر میں خصوصاً لڑکیوں میں عام ہے۔ اگر خود کو اسمارٹ اور دبلا کرنے کے لیے کھانا پینا بہت کم کر رکھا ہے تو فولاد کی کمی واقع ہو سکتی ہے۔ جب ایام کی ابتدا ہو تو فولاد کی کمی کی تلافی بہت ضروری ہے۔ فولاد کی کمی ان لڑکیوں میں بھی واقع ہو سکتی ہے جن کی اشتہاء ابھی تیز نہیں ہوئی ہے۔ خون کی کمی کی وجہ سے اکثر نوجوان کمزوری اور جلد تھکن کی شکایت کرتے ہیں۔ ان کے رنگ پیلے ہوتے ہیں۔ اور یہ باآسانی مختلف امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ لڑکپن میں روزانہ 18 ملی گرام فولاد کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ بات دلچسپ ہے کہ اسی قدر فولاد کی ضرورت ایک بالغ عورت کو حمل پذیر عمر یا زمانہ حمل میں ہوتی ہے۔ فولاد کے اچھے ذرائع کلیجی، گوشت، مرغی، مچھلی، سالم اناج، پھلیاں، دالیں، خشک میوے ہیں۔

کیلشیم: لڑکپن کیلشیئم کی ضرورت کا اس کی درکار مقدار روزانہ 1200 ملی گرام تک ہو سکتی ہے۔ یہ مقدار ایک لیٹر دودھ یا اس کے مساوی دہی یا پنیر سے حاصل ہو سکتی ہے۔ جو بچے دودھ ناپسند کرتے ہیں۔ انہیں بھی دہی یا پنیر دیا جاسکتا ہے۔ مگر ملائی بغیر میں چکنائی بھی کم ہوتی ہے۔ آئس کریم کھانے سے کیلشیئم کی ضرورت پوری نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی شکر و چکنائی مزید خرابی کا باعث بن سکتی ہے۔ لڑکپن میں قلت کیلشیئم کی اہم وجہ کولا مشروبات بھی ہیں۔ ان مشربات میں فاسفورس کی بڑی مقدار کی وجہ سے جسم میں فاسفورس و کیلشیئم کا تناسب و توازن بگڑ جاتا ہے اور جسمانی کیلشیئم استعمال میں نہیں آسکتا۔ کولا مشربات زیادہ پینے والے نوجوانوں آئندہ زندگی میں ہڈیوں کے مختلف امراض میں مبتلا ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

لڑکپن میں اچھی جسمانی و ذہنی صحت کا دار و مدار مناسب و متوازن غذا، ضروری آرام مناسب ورزش تمباکو اور منشیات سے اجتناب، مناسب مقدار میں پانی اور پھلوں کے تازہ جوس پینے پر ہے۔

❈

نوجوان باپ... صحت مند بچے

ویسے تو مغرب نے کم عمری کی شادیوں پر مشرقی معاشروں کو زیادہ تر تنقید کا نشانہ بنایا ہے لیکن اب وہ خود بھی اس بات کا قائل ہونے لگا ہے کہ جوان باپ کے بچے ذہنی اور جسمانی طور پر زیادہ صحت مند ہوتے ہیں۔ باپ بننے کے لیے پچیس سے سینتیس سال کی عمر بہترین سمجھی گئی ہے۔

بی بی سی کے مطابق لاکھوں افراد پر مشتمل تحقیق کے نتیجے میں معلوم ہوا ہے کہ سکول جانے والی عمر کے بچوں میں کئی مسائل اور بیماریوں کا تعلق ان بچوں کے حمل کے وقت ان کے والد کی عمر کافی زیادہ تھی۔ ان بیماریوں میں اوٹزم، بائی پولر بیماری، شیزو فرینیا، خود کشی کی کوشش اور منشیات کا استعمال جیسے مسائل شامل ہیں۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس کی وجہ تقلیب شدہ جین ہیں۔ تاہم ماہرین کا خیال ہے کہ بوڑھے باپ کے بعض سماجی فوائد زیادہ ہیں۔

امریکہ کی انڈیانا یونیورسٹی اور سویڈن کے کیرولنسکا انسٹیٹیوٹ میں کی گئی تحقیق میں 26 لاکھ افراد کا جائزہ لیا اور ان کے بچوں کی پیدائش کے درمیان فرق کو بھی مد نظر رکھا۔ اس تحقیق میں 45 سالہ باپ کا 24 سالہ باپ کے ساتھ موازنہ کیا گیا جس سے پتہ چلا کہ زیادہ عمر والے باپوں کے بچوں میں مختلف بیماریوں کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔ ان بیماریوں میں اوٹزم کا خدشہ تین گنا زیادہ، دماغی خلل کا خطرہ دو گنا، بائی پولر بیماری کا امکان 25 گنا زیادہ اور خود کشی کا رجحان یا منشیات کا رجحان ڈھائی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ سکول میں سطحی نتائج اس بات کا کوئی نقطہ آغاز نہیں تھا کہ خطرہ کہاں سے شروع ہوتا ہے، مگر عمر میں اضافے کے ساتھ ساتھ خطرے میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ لاکھوں افراد میں اس خطرے کا بہت کم حصہ سامنے آنا اس بات کے امکان کو بڑھا دیتا ہے کہ اس طرح کے واقعات بڑھ جائیں گے۔

ایک محقق ڈاکٹر برائن ڈی او نفریو کا کہنا ہے کہ اس تحقیق کی نتائج میں پہلے کی نسبت زیادہ خطرہ ظاہر کیا گیا تھا۔ انھوں نے بتایا کہ "اس تحقیق کے نتائج یہ ہیں کہ بچے دیر سے پیدا کرنے کا معاملہ بچوں میں بعد میں دماغی اور تعلیمی مسائل کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے۔ یہ تحقیق پہلے کی گئی تحقیقات میں اضافہ کر رہی ہے جن میں تجویز دی گئی کہ خاندان، ڈاکٹر اور معاشرہ مل کر بچے دیر سے پیدا کرنے کے فیصلے کے حق اور مخالفت میں بحث کرنے کے بعد فیصلہ کریں۔ ایک مرد کی زندگی کے دوران مادہ تولید مسلسل تیار ہوتا رہتا ہے اور جیسے جیسے اس نظام کی عمر بڑھتی جاتی ہے، اس کی کارکردگی میں کمی آتی جاتی ہے۔ عمر رسیدہ افراد کے نطفے میں زیادہ خرابیوں کا ہونا ان کے ذریعے آنے والی نسل کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

ڈاکٹر جیمز مکابے انسٹیٹیوٹ آف سائیکیٹری میں لیکچرار ہیں ان کا کہنا ہے کہ مردوں کو ایک تحقیق یا تحقیقات کے مشترکہ نتائج کی بنیاد پر یہ فیصلہ نہیں کرنا چاہیے کہ انھیں بچے پیدا کرنے چاہئیں اور کب کرنے چاہئیں۔ انھوں نے کہا خطرات کم ہیں اور اس میں دو گنا یا تین گنا اضافہ بھی بہت کم تعداد میں لوگوں پر اثر انداز ہوگا۔

"عمر رسیدہ والد کے فوائد بھی ہیں، مثلاً مستحکم تعلقات، بہتر آمدنی، وغیرہ اور یہ فوائد بچوں کو لاحق خطرات سے بڑھ کر ہیں۔"

گھر کا معالج

جب ہم کسی مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اس کے لیے کئی ادویات اور کسی اینٹی بائیوٹک کا بھی بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔ اگر تھوڑی سی احتیاط سے کام لیا جائے تو بہت سے امراض سے محفوظ رہا جا سکتا ہے، بیمار ہونے کی صورت میں کئی عام امراض کا آسان علاج ہمارے کچن میں بھی موجود ہے۔ کچن ہمارا شفاخانہ بھی ہے۔ یہاں ہم ایسے چند طبی مسائل کا ذکر کریں گے جن کا حل آپ کے کچن میں بھی موجود ہے۔

ماہرین صحت کا کہنا ہے کہ ہاضمہ خراب ہو تو آپ ہرگز صحت مند نہیں ہوتے۔ کئی بیماریاں خاموشی سے پیدا ہونے لگتی ہیں۔ ہاضمہ کی خرابی کی وجہ سے بھی ہم متعدی امراض میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ یعنی ستر فیصد بیمار ہونے کے امکانات بڑھ سکتے ہیں۔ تقریباً ہر گھر میں ہاضمہ کی خرابی کے مریض موجود ہوتے ہیں۔

جب کبھی ہاضمہ میں خرابی محسوس ہوتی ہے، پیٹ بوجھل لگتا ہے تو ہم جھٹ ہاضمہ کی کوئی دوا استعمال کر لیتے ہیں، ان دواؤں میں کھاری چیزیں مثلاً سوڈیم بائی کاربونیٹ وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ معدے میں ہاضم رطوبت موجود ہوتی ہیں جن کی خاصیت تیزابی ہوتی ہے۔ جب سوڈیم بائی کاربونیٹ کی معدے کی تیزابی رطوبتوں میں داخل ہوتی ہے تو کیمیائی عمل کے نتیجے میں کاربونک ایسڈ گیس بنتی ہے جو ڈکار یا ریاح کی صورت میں خارج ہونے کے بعد لوگ خود بہت ہلکا اور پر سکون تصور کرنے لگتے ہیں لیکن وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں کہ ہاضمے کی جس دوا نے جو گیس ان کے جسم سے خارج کی ہے، وہ

گیس بنتی ہی اسی دوا کی وجہ سے تھی۔

گیس و ہاضمہ کے مسائل کے لیے ذیل میں کچھ مفید نسخے دیے جا رہے ہیں۔

⊛.... چھ گرام ادرک باریک کاٹ کر تھوڑا سا نمک لگا کر دن میں ایک مرتبہ کھانا کھانے سے پہلے کھائیں۔

اس سے ہاضمہ ٹھیک ہو گا، بھوک لگے گی، پیٹ کی گیس، قبض دور ہو گی، منہ کا ذائقہ ٹھیک ہو گا اور گلے میں جما بلغم صاف ہو گا۔

⊛.... سونٹھ اجوائن پیس کر لیموں کے رس میں تر کر لیں۔ اسے سائے میں خشک کر کے نمک ملا لیں۔ صبح و شام پانی سے ایک گرام لیں۔ اس سے تمام ہاضمہ کی خرابی، گیس درد، کھٹے ڈکار ٹھیک ہوتے ہیں۔

⊛.... ایک چمچ زیرہ بھون کر پیس لیں۔ اس کو ایک چمچ شہد میں ملا کر کھانا کھانے کے بعد کھائیں۔ ڈکار میں مفید ہے۔

⊛.... بد ہضمی، بھوک میں کمی، کھانے میں دلچسپی نہ ہونا، قبض، گیس ہونے پر کھانے کے ساتھ مولی پر نمک، سیاہ مرچ ڈال کر کھائیں۔ اس سے فائدہ ہو گا۔ پیٹ کی بیماریوں میں مولی کی چٹنی، اچار سبزی بھی مفید ہے۔

⊛.... پیٹ میں گانٹھ کی طرح ابھار کو "گیس گولہ" کہتے ہیں۔ یہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ دو چمچ لیموں کا رس گرم پانی میں ملا کر پلانے سے "گیس گولہ" میں آرام ملتا ہے۔

⊛.... سونٹھ نمک ایک حصہ، دیسی چینی چار حصے، ملا کر آدھا چمچ گرم پانی سے روزانہ تین مرتبہ لینے سے "گیس گولہ" میں فائدہ ہوتا ہے۔

⊛.... انگور کی تازہ کونپلوں کی چٹنی پیس لیں اس میں تین عدد کالی مرچ بھی شامل کر لیں۔ نمک حسب ذائقہ رکھیں۔ اس چٹنی کو چند دن کھانے سے تبخیر معدہ کی شکایت کا ازالہ ہو جاتا ہے اور کھٹے ڈکار بھی آنا بند ہو جاتے ہیں۔

⊛.... غذا کے ہضم ہونے میں خرابی پیدا ہو جائے تو سیاہ مرچ، سفید زیرہ اور نمک ہم وزن لے کر باہم پیس کر ملا لیں، تازہ تربوز کاٹیں اور اس پر یہ مسالہ چھڑک کر کھائیے۔

⊛.... کھانے سے ایک دو گھنٹے قبل دو آڑو کھا لیے جائیں تو معدے کی تیزابیت دور ہو جاتی ہے، اس سے معدے کی گرمی بھی دور ہو جاتی ہے اور اشتہا بڑھ جاتی ہے۔

⊛.... ریاحی تکلیف کے لیے آدھا لیموں کاٹ لیں۔ اس کا رس نکال کر اس میں آدھا چمچ اجوائن ملائیے۔

اسے تھوڑی دیر بعد چاٹیے۔ اس طرح تکلیف رفع ہو جاتی ہے، اگر ہری ہلدی مل جائے تو اسے ادرک کے لچھوں کی طرح باریک باریک کاٹ لیجیے۔ اس پر لیموں کا رس، حسب ذائقہ نمک اور کالی مرچ چھڑک کر ہر کھانے کے ہمراہ استعمال کیجیے۔

⊛.... اگر گلا سردی یا کھٹی چیزیں استعمال کرنے سے بیٹھ گیا ہو تو ہر آدھے گھنٹے بعد آدھا چمچ ادرک کا رس پیتے رہنے سے بیٹھا ہوا گلا ٹھیک ہو جاتا ہے۔

❖

حکیم عادل اسمعیل

گزشتہ چار دہائی سے سائنسی ترقی نے ہمارے معاشرے میں بہت سی تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔ ہمارا ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہوا بڑی بڑی بلڈنگ اور شاہراہیں تعمیر ہونے لگیں۔ پارک اور تفریحی مقامات بنائے گئے۔ الیکٹرانکس میڈیا اپنے عروج کے دور میں داخل ہوگیا۔

اس مشینی دور میں سب سے زیادہ ضرورت ہماری نوجوان نسل کی اصلاح کی تھی۔ VCR، ڈش، انٹرنیٹ موبائل کے بے جا استعمال سے ہماری موجودہ جنریشن بہت متاثر ہوئی۔ الیکٹرانک میڈیا کے آزادانہ استعمال سے بچے بے راہ روی کا شکار ہوگئے۔ غیر اخلاقی فلمیں، تصاویر اور لٹریچر کے مطالعے نے ہماری سن بلوغت کو پہنچنے والی نسل کو ذہنی و اخلاقی پستی میں گرا دیا ہے۔

سائنسی ترقی بری چیز نہیں ہے۔ اچھی بات ہے کہ مہینوں کا سفر دنوں میں اور گھنٹوں کا کام منٹوں میں ہونے لگا لیکن جس بات کی اشد ضرورت تھی اس پر توجہ نہیں دی گئی۔ ہمارے معاشرے کا ایک مسئلہ یہ بھی رہا ہے کہ ہم نے اپنے بچوں کو مناسب الفاظ میں کبھی بلوغت کے مسائل سے آگاہ ہی نہیں کیا۔ تیرہ سال سے پندرہ سال کے درمیان جب بچہ سن بلوغت کو پہنچتا ہے تو اس کے اندر ہارمونز کی تحریک شروع ہوجاتی ہے۔ لڑکے کی آواز میں بھاری پن آنا، مونچھیں اور داڑھی نکلنا شروع ہوجاتی ہے۔ ان ہارمونز کی وجہ سے طبیعت میں جوش و ولولہ پیدا ہوجاتا ہے۔ طبیعت میں تیزی آجاتی ہے اور اکثر لڑکوں کے چہرے پر دانے نکل آتے ہیں۔ اس عمر میں بچہ سمجھ سے کم اور جوش سے زیادہ کام لیتا ہے۔ اگر بچے کو اس کے اندر ہونے والی تبدیلیوں سے آگاہ نہ کیا جائے تو وہ مختلف طریقوں سے اپنے جذبات کو تسکین دینے لگتا ہے۔ اس قبیح عادت کی وجہ سے لڑکا اپنے آپ کو رفتہ رفتہ ضائع کرنے لگتا ہے۔ اس کام کی زیادتی کی وجہ سے وجہ سے آہستہ آہستہ جسمانی اور اعصابی نظام کمزور ہونے لگتا ہے۔

اسباب

شادی نہ کرنا، بری صحبت میں رہنا، غیر اخلاقی فلم، لٹریچر اور تصاویر دیکھنا، دائمہ قبض اور ایسی سواری پر بیٹھنا جس سے عضو کو بار بار رگڑ لگے۔

علامات

چہرہ زرد، قوت ارادی کمزور ہوجاتی ہے۔ کسی کام میں دل نہ لگنا ذہنی و جسمانی کام میں جلد تھک جانا، سانس پھولنا، دل کی دھڑکن تیز ہوجانا، سر میں درد،

سر چکرانا، ہر بات پر اہم دستک کرنا، شرم کی وجہ سے نظریں چرانا۔

علاج

خود لذتی کی بری عادت سے نجات کے لیے ضروری ہے کہ نوجوان روزانہ غسل کریں۔ اچھے لٹریچر کا مطالعہ کریں۔ غذا ہلکی اور زود ہضم استعمال کریں۔ غیر اخلاقی فلمیں، تصاویر اور باتوں سے احتیاط کریں۔

غذا میں گائے کا گوشت، انڈہ، پراٹھا، گرم مسالے، کھٹی اور تلی ہوئی اشیاء سے پرہیز کریں۔ کوشش کریں کہ رات کا کھانا کھانے کے دو سے ڈھائی گھنٹے بعد سوئیں جذباتی ہیجان کی بڑھتی ہوئی حدت کی تسکین کے لیے قدرتی اجزاء پر مشتمل مندرجہ ذیل نسخہ بھی مفید ہے۔

❀.... تخم ریان چھ گرام، تخم کدو دو گرام، تخم خیارین چھ گرام، تخم خرفہ چھ گرام، دھنیا دو گرام یہ ایک خوراک کا وزن ہے۔ ایک چمچ شربت نیلوفر پانی میں حل کر کے صبح نہار منہ یہ ایک خوراک اس شربت کے ساتھ پئیں۔

❀.... اسگندھ سو گرام، بدھاری قند سو گرام، مصری 200 گرام، تینوں اجزاء کا سفوف بنالیں۔

صبح نہار منہ اور شام آدھا آدھا چمچ دودھ کے ساتھ لیں۔

❀.... ستاور سو گرام، گوکھرو سو گرام، بیج کنگنی سو گرام، تل کھانا سو گرام۔ چاروں ادویہ کا باریک سفوف بنالیں۔ چھ گرام سفوف صبح دودھ میں اچھی طرح پکا کر کھیر بنالیں حسب ذائقہ مصری شامل کر کے نہار منہ کھائیں اس کے آدھے گھنٹے بعد ناشتہ کریں۔

❀

جسم کے عجائبات

انسانی جسم بظاہر ایک سادہ سی چیز ہے مگر اس کے اندر ایک کائنات چھپی ہوئی ہے۔ یوں تو پورا جسم ایک قدرتی نظام کا پابند ہے مگر ہر عضو کا ایک اپنا باقاعدہ واضح نظام بھی ہے۔ ہر نظام ایک نہایت ہی حیرت انگیز طریقے سے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہے۔

"جسم کے عجائبات" کے عنوان سے محمد علی سید صاحب کی تحقیقی کتاب سے انسانی جسم کے اعضاء کی کہانی ان کی اپنی زبانی قارئین کی دلچسپی کے لیے ہر ماہ شائع کی جارہی ہے۔

محمد علی سید

آپ جب کسی کو تحفہ دیتے ہیں تو اسے بڑی خوبصورتی سے پیک کرتے ہیں لیکن خود آپ جس پیکنگ میٹریل میں پیک ہو کر دنیا میں آئے ہیں اس پر آپ نے شاید ہی کبھی غور کیا ہو!

(گزشتہ سے پیوستہ)

پیکنگ میٹریل

جلد

کھال میں رہنے والا محاورہ تو آپ نے سنا ہوگا...! یہ مشورہ اکثر خود آپ کو بھی دیا گیا ہوگا کہ میاں! اپنی کھال میں رہو۔

محاورے سے قطع نظر اپنی کھال میں رہنا ہر انسان کی مجبوری ہے اور دراصل یہ میں ہی ہوں جو ہر ایک کو اس کی کھال میں رکھتی ہوں۔ میں آپ کی جلد ہوں۔ آپ کے لیے ایک عظیم نعمت، ایک نایاب تحفہ، ایک ناگزیر ضرورت!

میرے بغیر آپ کے جسم کا وجود ممکن ہی نہیں تھا کیونکہ جسم میں قدرت کی صناعی، مہارت، حسن اور اعلیٰ ترین ٹیکنالوجی کے جو ہزاروں نمونے موجود ہیں ان کی حفاظت مجھ جیسے "پیکنگ میٹریل" کے بغیر ناممکن تھی۔ اس "پیکنگ میٹریل" میں اگر سوئی کی نوک کے برابر سوراخ ہو جائے تو لاکھوں مہلک جراثیم اس جگہ سے اندر داخل ہو کر آپ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

میں آپ کے لیے جو خدمات سرانجام دیتی ہوں۔ وہ آپ کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتیں۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں بہت سے پیچیدہ کیمیائی اجزاء بھی تیار کرتی ہوں جو آپ کی زندگی کے لیے بہت ضروری ہیں! یہ بھی آپ کو شاید

ہی معلوم ہو کہ میں آپ کے جسم کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ایک انتہائی ضروری وٹامن (حیاتین) بناتی ہوں۔ جی ہاں! وٹامن ڈی میرے ہی ذریعے آپ کو فراہم کیا جاتا ہے۔ جنسی ہارمون ٹیسٹو سیٹرون کو میں ہی متحرک کرتی ہوں۔ یہ ہارمون آپ کے ٹیسٹی کلرز تیار کرتے ہیں۔

میں ہی آپ کے جسم کے پانی کو اندر محفوظ رکھتی ہوں اور باہر کے پانی کو جسم میں بھر جانے سے روکتی ہوں۔ آپ گھنٹوں پانی میں تیرتے رہیں، نہاتے رہیں، بارش میں بھیگتے رہیں لیکن پانی کا ایک قطرہ بھی جسم کے اندر داخل نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ آپ کے پورے جسم پر کم و بیش بیس لاکھ ننھے ننھے سوراخ موجود ہیں۔ یہی نہیں میں آپ کے بلڈ پریشر کو اعتدال میں رکھنے میں بھی مدد فراہم کرتی ہوں۔

دماغ اور اس میں موجود پچوٹری گلینڈ اور ہائی پوتھیلیمس یقیناً آپ کے لیے زندگی کو برقرار رکھنے والی حیران کن خدمات انجام دیتے ہیں۔ مجھے ان کی اہمیت سے انکار نہیں ہے لیکن دماغ اور پراسرار غدود کے حیران کن کارنامے میرے بغیر کہاں سرانجام پاسکتے ہیں اس لیے کہ وہ جس پیچیدہ اعصابی نظام کے ذریعہ اطلاعات و معلومات حاصل کرتے ہیں وہ سارا احساس نظام میرے ہی اندر پوشیدہ ہے۔

درد، تکلیف، سردی گرمی، لمس ان سب کا احساس صرف مجھ ہی کو ہوتا ہے۔ دماغ خود کسی تکلیف سے نہیں گزرتا۔ میں ہی احساسات کی اطلاع دماغ کو فراہم کرتی ہوں۔ اگر میرے یہ اطلاعاتی مراکز کام نہ کریں تو آپ زخموں کی اذیت، آگ کی حرارت، برف کی ٹھنڈک، کانٹوں کی چبھن، ریشم کی نرمی، دھوپ کی گرمی اور ماں کے شفقت بھرے ہاتھوں کے لمس کو کبھی محسوس نہ کر سکیں۔

آپ مجھے جسم کے قلعے کی فصیل بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ فصیل آپ کو کھربوں دشمنوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ بے شمار جراثیم، لاتعداد بیکٹیریاز اور وائرس جسم میں داخل ہونے کے لیے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے بیکٹیریاز اور جراثیم تو ہر وقت بیرونی سطح پر پڑاؤ ڈالے رکھتے ہیں۔ لاکھوں مزید جراثیم ہر لمحے آآ کر مجھ پر چپکتے رہتے ہیں۔ اگر یہ فصیل تعمیر نہ ہو تو یہ جراثیم چند ہی دنوں میں انسان کو عالم بالا کی طرف روانہ کر سکتے ہیں۔

یہ خدمات تو میں ہر انسان کے لیے انجام دیتی ہی ہوں جبکہ نابینا افراد کے لیے میں ان کی آنکھیں بھی بن جاتی ہوں۔ نابینا افراد میرے ہی ذریعے دیکھتے ہیں۔ میرے ہی ذریعہ علم حاصل کرتے ہیں۔ ہنر سیکھتے ہیں۔ ایسے افراد بڑی بڑی ڈگریاں میری ہی مدد سے حاصل کرتے ہیں۔

میری بہت سی قسمیں ہیں۔ آپ کے ناخن، بال، پاؤں کی ایڑیوں کا گداز، یہ سب میری ہی قسمیں ہیں۔ جسم کے زیادہ تر مقامات پر میری تہہ کاغذ کی مانند پتلی ہے۔ یہ تہہ اتنی پتلی ہے کہ آپ یہاں پر اپنی بیرونی رگوں کو بہ آسانی دیکھ سکتے ہیں۔

میری تین تہیں ہوتی ہیں۔ بیرونی تہہ کو ایپی ڈرمس (Epidermis) کہا جاتا ہے۔ خدانخواستہ جسم کہیں سے جل جائے تو اس جگہ ایک چھالا پڑ جاتا ہے۔ یہ بلبلہ میری اسی تہہ کے اندر بند ہوتا ہے۔ درمیانی تہہ ڈرمس (Dermis) کہلاتی ہے۔ نچلی تہہ کو سب کوٹینیس (Subcutaneous) کا نام

he Skin
Hair
Sebaceous Gland
Sensory Nerve Ending
Epidermis
Nerve
Dermis
Subcutaneous Tissue
Capillaries
Arteriole
Muscle
Sweat Gland
Fat, Collagen, Fibroblasts

دیا گیا ہے۔

آپ نہاتے ہیں، منہ دھوتے ہیں، ہاتھوں کو رگڑتے ہیں، کپڑے پہنتے ہیں۔ اس طرح کے سارے کاموں کے دوران کروڑوں خلیے جسم سے الگ ہو جاتے ہیں۔ لیکن آپ کو اس نقصان کا اندازہ تک نہیں ہو پاتا۔ کیونکہ روزانہ ننھے منے کروڑوں نئے خلیے اسی دوران میری تہہ کے اندرونی حصوں میں پیدا ہوتے ہیں اور میرے بیرونی حصوں کی طرف بڑھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ خلیے تیزی سے ضائع ہونے والے خلیوں کی جگہ سنبھالتے رہتے ہیں۔ اس طرح ہر ستائیس دن کے بعد آپ کی بیرونی جلد مکمل طور پر تبدیل ہو جاتی ہے۔

اگر اس وقت آپ کی عمر پینتالیس سال ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کی کھال کم و بیش 540 مرتبہ تبدیل ہو چکی ہے۔ سانپ کی کینچلی بدلنے کے بارے میں تو آپ نے سنا ہی ہوگا لیکن انسان کس طرح اپنی کینچلی بدلتا ہے۔ یہ شاید آپ کو آج ہی معلوم ہوا ہو۔

میری نچلی تہہ "سب کوٹینیس" خاصی دبیز اور موٹی ہے۔ اس کے تین فائدے تو ایک عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ یہ دبیز تہہ آپ کے نازک اعضاء کے لیے پیکنگ میٹریل اور شاک آبز ربر کا کام کرنے کے ساتھ ساتھ انسولیٹر کے فرائض بھی سرانجام دیتی ہے۔ اسی کے ذریعے جسم کی حرارت محفوظ رہتی ہے۔ جلد کی اس فوم جیسی تہہ کی وجہ سے آپ کو بیٹھنے اور لیٹنے میں کسی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔ اگر کولہوں کی ہڈیوں پر یہ آرام دہ کشن موجود نہ ہوتے تو آپ کو بیٹھنے یا لیٹنے میں آرام اور لذت کی بجائے تکلیف کا احساس ہوا کرتا۔ جسم کے نشیب و فراز کو ایک خاص طرح کا حسن عطا کرنا بھی میری اسی تہہ کی ذمہ داری ہے۔ مردوں کی نسبت خواتین اس سے زیادہ فائدہ حاصل کرتی ہیں۔ ویسے کچھ ماہرین اس تہہ کو میرا یعنی آپ کی جلد کا حصہ نہیں سمجھتے۔

میری درمیانی تہہ "ڈرمس" بے حد مضبوط مگر لچکدار ہے۔ یہ جسم کے تمام اندرونی اعضاء کو سمیٹے رکھتی ہے۔ خون کی نالیوں کا ہزاروں میل لمبا عظیم الشان نیٹ ورک اسی تہہ کے ذریعے اپنی جگہ قائم رکھتا ہے۔ یہ ہزاروں میل لمبی مختلف سائز کی رگیں، شریانیں اور نسیں اس اعلیٰ پیکنگ کی وجہ سے نہ آپس

میں الجھنے پاتی ہیں اور نہ اپنی مقررہ جگہ سے ہٹ سکتی ہیں۔ یہی نہیں بے شمار غدود اور آپ کا نازک اعصابی نظام بھی میری اسی تہہ میں بیک ہے۔

اس تہہ میں مختلف چیزوں کی موجودگی کا اندازہ آپ اس طرح کر سکتے ہیں کہ ایک اسکوائر سینٹی میٹر یعنی ایک انچ کے تقریباً آٹھویں حصے کے برابر جگہ میں پسینہ پیدا کرنے والے 100 غدود، بارہ فٹ سیکڑوں اعصاب کا اختتام، بالوں کی دس جڑیں، پندرہ سیبکوس گلینڈز اور خون کی تین فٹ لمبی رگیں بیک ہوتی ہیں۔

گرمی کے دنوں میں جب باہر کا درجہ حرارت آپ کے جسم کو گرم کر رہا ہوتا ہے تو میرے اندر موجود خون کی نالیاں پھیل جاتی ہیں اور آپ کا چہرہ تمتمانے لگتا ہے۔ میں آپ کے جسم کی گرمی کو اسی طرح باہر نکالتی ہوں۔ سردیوں کے موسم میں اس کے برعکس ہوتا ہے۔ کم درجہ حرارت میں میری خون کی نالیاں سکڑ جاتی ہیں۔ میری بیرونی نالیوں میں موجود خون کی زیادہ تر مقدار دماغ کے احکامات کے مطابق آپ کے جسم کے اندرونی حصوں کی طرف جانے لگتی ہے۔ اسی لیے شدید سردی میں آپ کے چہرے کا رنگ سفید پڑ جاتا ہے۔

مجھ میں موجود خون کی یہ نالیاں آپ کے جذبات سے بھی متاثر ہوتی ہیں۔ مثلاً غصے کی حالت میں آپ کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔ خوف کی وجہ سے رنگ سفید پڑ جاتا ہے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ گرمی میں پسینہ آنے سے آپ کا جسم ٹھنڈا رہتا ہے لیکن ائیر کنڈیشننگ کا یہ بے حد پیچیدہ نظام کس طرح کام کرتا ہے یہ جان کر آپ حیران رہ جائیں گے۔

جسم کا نارمل درجہ حرارت 98.6 فارن ہائٹ ہوتا ہے۔ اب اگر کسی سبب سے یہ درجہ حرارت چند ڈگری زیادہ ہو جائے تو وہ بڑے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ آپ کو ان مشکلات سے بچانے اور جسم کی اندرونی شخصیات کو زیادہ گرمی کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے قدرت نے آپ کو خودکار انداز سے کام کرنے والا ائیر کنڈیشننگ نظام عطا کیا ہے۔

جسم کے نارمل درجہ حرارت میں اضافہ ہوتے ہی میرے اندر موجود پسینہ پیدا کرنے والے تیں لاکھ کارخانے اپنے چشموں کے منہ کھول دیتے ہیں۔ ان تیں لاکھ غدود کو پسینے کے غدود (Sweat Glands) کہا جاتا ہے۔ یہ آپ کی جلد پر ہر جگہ موجود ہیں۔ یہ غدود پانی کو اپنے اندر اسٹور رکھتے ہیں۔ ہر غدود مختصر سی جگہ میں پلٹے ہوئے ٹیوب کی طرح میری درمیانی تہہ کے اندر ہوتا ہے اور اس کا ایک سرا درمیانی تہہ سے نکل کر اوپر میری بیرونی تہہ میں موجود پسینے کے مسامات تک پہنچتا ہے۔ ان میں سے ہر غدود کا پائپ یا ٹیوب پچاس انچ لمبا ہوتا ہے۔

میرے اندر پسینہ پیدا کرنے والے یہ کارخانے یعنی پسینہ پیدا کرنے والے غدود تقریباً چوبیس گھنٹے کام کرتے ہیں۔ پانی، نمکیات اور جسم کے اندر موجود کئی فاضل مادوں کی کچھ مقدار کو جسم سے باہر نکالنا انہی غدود کی ذمہ داری ہے۔ حتیٰ کہ سردیوں کے موسم میں جب پسینے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اس وقت بھی یہ غدود جسم کی غیر ضروری نمی کو جسم سے باہر نکال رہے ہوتے ہیں۔ اس وقت بھی یہ غدود ایک دن میں پون لیٹر کے قریب پانی باہر نکالتے ہیں۔

(جاری ہے)

خوبصورت ہاتھ .....

شخصیت کے نکھار کا ذریعہ

صدف قمر

کسی کی شخصیت کا جائزہ لینے کے دوران پہلی نظر مخاطب کے چہرے پر اور دوسری اس کے ہاتھوں پر پڑتی ہے۔ ہاتھ جسم کا وہ حصہ ہیں جو چہرے سے بھی پہلے عمر کا راز کھول سکتے ہیں۔ عموماً خواتین جوان اور دلکش نظر آنے کے لیے سب سے زیادہ وقت اور پیسہ چہرے کی آرائش پر خرچ کرتی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہاتھوں کی جلد چکنائی پیدا کرنے والے غدود کی عدم موجودگی اور گھریلو کام کاج کے دوران ہر قسم کے کیمیکلز، ٹھنڈے گرم پانی اور دھول مٹی کا سامنا کرنے کی وجہ سے بہت جلد جھریوں میں مبتلا ہو جاتی ہے جھریوں بھرے ہاتھ آپ کو اپنی عمر سے دس سال بڑا دکھا سکتے ہیں لہٰذا اب مزید وقت ضائع نہ کیجیے۔ اپنے آپ کو دلکش بنانے کے پروگرام میں چہرے کے ساتھ ساتھ ہاتھوں کو بھی شامل کر لیجیے۔

ہم آپ کو کچن میں موجود کچھ اشیاء اور کچھ وقت صرف کر کے گھر پر ہی ہاتھوں کو نرم اور خوبصورت بنانے کے گر بتا رہے ہیں۔ ہاتھوں کی نرمی برقرار رکھنے کے لیے سب سے پہلے تو ان کی حفاظت ضروری ہے۔ اس لیے اگر ہو سکے تو کپڑے اور برتن دھونے کے دوران دستانے استعمال کریں۔

دستانوں کا استعمال ہاتھوں کی نازک جلد کو ڈٹرجنٹ میں موجود سخت کیمیکلز کے اثرات سے محفوظ رکھتا ہے۔

موسم کے اثرات ہاتھوں کی جلد کو بہت خشک کر کے دیتے ہیں۔ اس لیے دن بھر میں جب بھی فرصت ملے وقتاً فوقتاً ہاتھوں پر کوئی نہ کوئی موئسچرائزر ملتے رہیں تاکہ ان کے اندر نمی اور چکنائی کو برقرار رکھا جاسکے۔ خصوصاً کپڑے اور برتن دھونے کے بعد اور رات کو سونے سے پہلے کسی بھی

اچھی موئسچرائزنگ کریم کا استعمال ہاتھوں میں قدرتی نمی کو قائم رکھتا ہے۔ کوئی بھی اچھی ہینڈ کریم اپنے باتھ روم، کچن اور بیڈ روم میں مستقل رکھیے۔ ایک اچھی ہینڈ کریم آپ گھر پر بھی تیار کر سکتی ہیں۔ اس کے لیے آپ کو مندرجہ ذیل اشیا درکار ہوں گی۔

ایک مرتبہ استعمال کے لیے

⊛.... ایک چائے کا چمچ گلیسرین۔
⊛.... ایک چائے کا چمچ لیموں کا رس۔
⊛.... پانچ قطرے عرق گلاب۔

اس محلول کو آپ زیادہ مقدار میں بنا کر کسی بوتل میں محفوظ کر سکتی ہیں۔ وقتاً فوقتاً اس کی مالش کریں ہاتھوں کی خوبصورتی کو آپ خود بھی سراہیں گی۔

سرد اور خشک موسم کے دوران ہاتھوں کی جلد بے رونق ہو جاتی ہے۔ اس مسئلے کو آپ بڑی آسانی سے حل کر سکتی ہیں۔ ایک چائے کا چمچ شہد اور تین چائے کے چمچ مکھن کو ایک کھانے کے چمچ عرق گلاب میں اچھی طرح حل کرلیں ہاتھوں پر مالش کے دوران اگرچہ یہ کریم دیر سے جذب ہو گی مگر ہاتھوں کو نرم رکھنے میں اس کے اثرات بہت دیرپا ہوں گے۔

ہاتھوں کی ملائمت برقرار رکھنے کے لیے اور نہایت صحت بخش کریم بھی آپ گھر پر تیار کر سکتی ہیں۔ ہفتے میں ایک دو مرتبہ اس کریم کے مساج سے ہاتھوں میں ایک نئی چمک اور خوبصورتی پیدا کی جا سکتی ہے۔

⊛.... ایک کھانے کا چمچ گلیسرین۔
⊛.... ایک انڈے کی زردی۔
⊛.... دو کھانے کے چمچ بادام یا زیتون کا تیل۔
⊛.... ایک لیموں کا رس۔
⊛.... ایک کھانے کا چمچ عرق گلاب۔

ان سب اشیا کو اچھی طرح حل کرلیں۔ یہ کریم خشکی دور کرنے کے لیے بہت کارآمد ہو گی۔

ہاتھوں کی حفاظت کے پروگرام کے دوران اپنے ناخنوں کو بھی نظر انداز نہ کریں۔ ان کی صحیح طرح سے کٹائی، رگڑائی یعنی فوائلنگ اور پالش کا عمل ان کو خوبصورت اور چمکدار بنا کر ہاتھوں کی دلکشی کو بڑھا دیتا ہے۔

اگر آپ کے پاس وقت ہو تو آپ گھر پر مینی کیور کر سکتی ہیں۔ مینی کیور کا مرحلہ وار طریقہ ذیل میں دیا جا رہا ہے۔

پرانی نیل پالش کو صاف کریں

صاف روئی کو کسی اچھے نیل پالش ریمور میں ڈبو کر چند لمحوں کے لیے اپنے ناخن پر رکھیں۔ نرم ہونے کی صورت میں نیل پالش جلد اور بغیر رگڑے صاف کی جا سکتی ہے۔ نیل پالش صاف کرنے کے بعد ریموور میں بھگوئی روئی سے اچھی طرح کیوٹکلز میں موجود پالش کو بھی اتار لیں۔

ناخنوں کی تراش

حسب خواہش ناخنوں کو تراشنے کے بعد فائلر سے ان کو بیضوی شکل دیں۔ یہ عمل بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے شروع کر کے انگوٹھے پر ختم کیا جاتا ہے۔ فائلر کو بائیں سے دائیں اور دائیں سے بائیں اور اطراف سے ناخن کے درمیانی حصے تک حرکت دیں۔ ناخن کی صحیح شکل اوپر سے نہیں بلکہ اندرونی طرف سے جانچیں۔

❄

دسترخوان

فلک ناز

لذیذ اور غذائیت سے بھرپور نت نئی ڈشز کی یہ ترکیبیں آپ کے دسترخوان کی رونق میں اضافہ کر دیں گی۔

کنٹری اسٹائل فش چاؤڈر

اشیاء: مچھلی آدھا کلو (آٹھ پیسز میں کٹی ہوئی)، فارس بین آٹھ عدد، پھول گوبھی چار عدد، مٹر ایک کپ، شلجم ایک عدد، پیاز چھ عدد (چھوٹے)، خالص تیل ایک کھانے کا چمچ، لہسن (پیسٹ) ایک کھانے کا چمچ، سیلری (کٹے ہوئے) ایک چوتھائی کپ، آٹا چار کھانے کے چمچ، تیز پتے دو عدد، نمک اور کالی مرچ حسب ذائقہ، پارسلے چھ سے آٹھ عدد، نمک اور کالی مرچ حسب ذائقہ۔

ترکیب: مچھلی کو اچھی طرح دھولیں۔ کوئی بھی مچھلی جیسے کہ راہو، سرمئی، بھیکٹی یا پومفریٹ لے لیں۔ سبزیوں کو دھو کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی شکل میں کاٹ لیں اور کاٹنے کے بعد مت دھوئیں۔ پیاز چھیل کر پورا ہی رہنے دیں۔ ایک ساس پین میں تیل گرم کریں اور لہسن ڈال کر اتنا پکائیں کہ خوشبو آنے لگے۔ پھر سیلری ڈال کر ایک منٹ تک پکائیں۔ پھر اس میں سبزیاں شامل کر دیں اور تھوڑی دیر بعد پیاز ڈال کر ایک منٹ تک فرائی کریں۔ اس کے بعد آٹا ڈالیں اور چمچ

ہلاتے ہوئے پکائیں۔ چھ کپ پانی، تیز پتے، نمک اور پسی ہوئی کالی مرچ بھی ڈال دیں اور ڈھکن دے کر اتنا پکائیں کہ سبزیاں اچھی طرح گل جائیں، پھر ڈھکن ہٹا کر مچھلی اور پارسلے ڈالیں۔ مزید اتنی دیر پکنے دیں کہ مچھلی اچھی طرح پک جائے۔ نیم گاڑھا سیال ساس پین میں ہونا چاہیے۔ اس ڈش کو پیش کرنے سے پہلے تیز پتے نکال لیں۔

آپ مچھلی کی جگہ چکن بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

بیک میکرونی

اشیاء: میکرونی 150 گرام (ابال کر چھان لیں)، چکن 250 گرام (بون لیس اور کیوبز میں کٹی ہوئی)، مشروم سو گرام (کٹی ہوئی)، مکئی کے دانے 200 گرام، شملہ مرچ (کٹی ہوئی) چار کھانے کے چمچ، براؤن بریڈ کا چورا چار کھانے کے چمچ، کش کی ہوئی پنیر دو کھانے کے چمچ۔

ساس کے لیے: خالص تیل ایک کھانے کا چمچ، آٹا چار کھانے کے چمچ، دودھ 450 ملی لیٹر، نمک اور کالی مرچ حسب ذائقہ، مرچ پاؤڈر ایک چائے کا چمچ، دہی (پانی نکلا ہوا) پچاس گرام، پنیر (کش کی ہوئی) پچاس گرام۔

ترکیب: تیل کو ایک برتن میں گرم کریں، پھر چولہے سے ہٹا کر ہلاتے ہوئے آٹا ڈالیں اور بالکل ہموار کر لیں۔

پھر تھوڑا تھوڑا کر کے دودھ ملائیں اور دوبارہ چولہے پر رکھ کر دو سے تین منٹ تک پکائیں۔ چمچ سے مسلسل ہلاتے رہیں یہاں تک کہ وہ خاصا گاڑھا سا آمیزہ بن جائے۔ پھر اسی طرح چمچ سے ہلاتے ہوئے نمک، کالی مرچ، زیرہ وہی اور چیز ڈال کر مزید دو منٹ تک پکاتے رہیں۔ اس کے بعد میکرونی، مشروم، مکئی کے دانے، شملہ مرچ اور چکن کو آپس میں مکس کر کے ساس کے اوپر ڈال دیں۔ پھر اس سارے آمیزہ کو مکس کر کے ایک اوون پروف ڈش میں ڈالیں۔ ڈبل روٹی کے چورے اور چیز کو الگ سے مکس کریں اور ڈش کے اوپر چھڑک دیں۔ پھر اوون میں رکھ کر درمیانے درجہ حرارت پر پندرہ سے بیس منٹ تک بیک کریں۔ اس ڈش کو بطور اسنیک، مین ڈش یا سبزیوں کے ساتھ لنچ یا ڈنر میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

کلکتہ برگرز

اشیاء: ہری مرچ ایک عدد، لہسن (پیسٹ) ایک کھانے کا چمچ، چکن قیمہ 250 گرام، شملہ مرچ (کٹی ہوئی) دو کھانے کے چمچ، ٹماٹر پیوری (کٹی ہوئی) دو کھانے کے چمچ، میدہ تین چائے کے چمچ، دھنیا پاؤڈر چٹکی بھر (پاؤڈر کی شکل میں پسی ہوئی)، چلی پاؤڈر چٹکی بھر (پاؤڈر کی شکل میں پسی ہوئی)، خشک ادرک چٹکی بھر (پاؤڈر کی شکل میں پسی ہوئی)، کھوپرا چٹکی بھر (پاؤڈر کی شکل میں پسا ہوا)، لونگ چٹکی بھر (پاؤڈر کی شکل میں پسی ہوئی)، دار چینی چٹکی بھر (پاؤڈر کی شکل میں پسی ہوئی)، نمک اور کالی مرچ حسب ذائقہ، سیب کا رس دو کھانے کے چمچ۔

ترکیب: ہری مرچ اور ادرک کو ایک ساتھ چھوٹا چھوٹا کاٹ لیں۔ سیب کا رس اور نصف میدہ چھوڑ کر باقی تمام اجزاء کو باہم مکس کر لیں۔ اس کے بعد اتنا سا جوس ڈال دیں کہ تمام اشیاء گاڑھی لیس کی شکل اختیار کر لیں۔ اس کے بعد انہیں میدہ کی مدد سے برگر کی شکل دے لیں۔ پھر ان برگرز کو پہلے سے گرم کی گئی گرل پر پندرہ سے بیس منٹ تک وقتاً فوقتاً رخ تبدیل کرتے ہوئے اتنا پکائیں کہ وہ اچھی طرح گل جائیں اور ان کا رنگ بھورا ہو جائے۔ آپ اس پر صاف برش کی مدد سے تھوڑا سا تیل بھی لگا سکتے ہیں۔ اگر آپ ان برگرز کا حجم ذرا زیادہ رکھیں گے تو یہ زیادہ بہتر طور پر پک سکیں گے۔

کدو گوشت

اشیاء: مٹن سو گرام کے چھ پیس، کدو Ash Ground چھ بڑے ٹکڑے، پیاز ایک عدد، لہسن ایک عدد، ہری مرچ ایک عدد، ادرک ایک چھوٹا ٹکڑا، ہلدی پاؤڈر چٹکی بھر، دہی ایک چوتھائی کپ، تیز پتا ایک عدد، تیل ایک کھانے کا چمچ، نمک ذائقہ کے لیے۔

ترکیب: دہی کو پھینٹ کر اس میں گوشت اچھی طرح ڈبو دیں اور تقریباً ایک گھنٹہ تک یونہی پڑا رہنے دیں۔ پیاز، ادرک، لہسن، ہلدی اور ہری مرچ کو اکٹھا گرائینڈ کریں، چاہیں تو ہری مرچ کے بغیر بھی کام چلا سکتے ہیں۔ ایک برتن میں تیل گرم کر کے اس میں گرائینڈ کیے ہوئے اجزاء کی پیسٹ ڈال دیں۔ جب آپ دیکھیں کہ یہ آمیزہ فرائی ہو چکا ہے تو اس میں گرم مسالہ پاؤڈر، گوشت، تیز پتا ڈالیں اور چمچ سے ہلاتے ہوئے پکائیں۔ جب تیل الگ ہو جائے تو گرم پانی شامل کر لیں اور ڈھکن دے کر مزید پکائیں۔ اس دوران کدوؤں کو چھیل کر اتنا پکائیں کہ وہ نرم ہو جائیں۔ پھر انہیں چمچ سے بھون کر کے پیوری (Puree) سی تیار کر لیں پھر اس میں دہی اور گوشت کا مرکب ڈال کر اتنا پکائیں کہ گوشت گل جائے جب خوشبو آنے لگے اور گاڑھی گریوی بن جائے تو چولہے سے اتار لیں اور ہرے دھنیے سے گارنش کر کے پیش کریں۔

کدو Ash Goura انتہائی زود ہضم ہوتا ہے اور جسم کو ٹھنڈک اور سکون پہنچاتا ہے۔

اشرف باجی کے ٹوٹکے

صحت کی حفاظت اور زیر استعمال اشیاء کی افادیت میں اضافے کے لیے مختلف ٹوٹکوں کا استعمال دنیا بھر میں عام ہے۔ مختلف ٹوٹکوں سے مرد بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور خواتین بھی.... تاہم امور خانہ داری میں ٹوٹکوں کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے۔ خانہ داری چونکہ خواتین کا شعبہ سمجھا جاتا ہے اس لیے ٹوٹکوں کا استعمال بھی خواتین زیادہ کرتی ہیں۔

محترمہ اشرف سلطانہ برسہابرس سے مرکزی مراقبہ ہال میں خدمت خلق کے پروگرام سے وابستہ ہیں۔ خاص و عام میں اشرف باجی کے نام سے معروف ہیں۔ آپ ایک کوالیفائیڈ طبیبہ بھی ہیں۔

روحانی ڈائجسٹ کے قارئین کے لیے

اشرف باجی کے ٹوٹکے کے زیر عنوان گھریلو ترکیبوں پر مشتمل ایک نیا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے۔

اگر آپ بھی اپنی آزمودہ کوئی ترکیب قارئین کو بتانا چاہیں تو روحانی ڈائجسٹ کی معرفت اشرف باجی کو لکھ بھیجئے۔

کاجل سیاہی کا داغ

کپڑوں پر لگے کاجل یا سیاہی کے داغ پر نمک ملیں سو داغ دھبے صاف ہو جائیں گے۔

آلو جلدی گل جائیں

آلو اگر جلدی گلانا ہو تو ابلاتے وقت چٹکی بھر ہلدی ڈال دیں۔ آلو جلدی گل جائے گا۔

سادا پانی

اگر کھیر پکانے سے پہلے دیگچی میں سادا پانی ڈال کر گرم کریں پھر پانی پھینک کر دودھ ڈال کر گرم کریں پھر پکائیں تو کھیر دیگچی کی تلی میں نہیں لگے گی۔

لوہے کی کڑاہی

لوہے کی کڑاہی توا وغیرہ صاف کرنا ہو تو پانی میں سوڈا ملا کر دھوئیں۔ لوہے کی چیزیں ایک دم صاف ہو جائیں گی۔

چاقو کے دستے

چاقو، چھریوں وغیرہ کے پلاسٹک کے دستے بدرنگ ہو جائیں تو لیموں پر نمک چھڑک کر دستے پر ملیں۔ دستے چمک جائیں گے۔

نرم پوری

پوری بناتے وقت اگر میدے میں چٹکی بھر چینی

ڈال لیں تو پوریاں پھولی ہوئی اور نرم بنیں گی۔

سالن کی تری

نہاری اور پائے میں تری اچھی لگتی ہے۔ لیکن بعض مرتبہ تری اوپر نہیں آتی۔ اگر کبھی یہ صورتحال ہو جائے تو سالن میں برف کی کیوبس ڈال دیں۔ تو تری اوپر آجائے گی۔

جلی ہوئی دال یا سبزی کی بُو دور کرنا

پکاتے ہوئے اگر دال یا سبزی جل گئی ہو تو اس میں زیرے اور ٹماٹر کا بگھار ڈال دیں جلنے کی بو دور ہو جائے گی۔

چھولوں کے چھلکے

اگر سفید چنے پکانے سے پہلے اگر چھولوں پر تیل مل دیں تو اس کا چھلکا نہیں اترتا ہے۔

گاجر اور مٹر کا رنگ

گاجر اور مٹر بناتے ہوئے اگر اس میں املی کا گودا شامل کرلیں تو اس کا رنگ خراب نہیں ہوگا۔

پان کا داغ دور کرنا

داغ والے حصے پر پیاز رگڑ کر تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ دیں پھر صابن سے دھولیں داغ دور ہو جائے گا۔

جوؤں کا خاتمہ

عرق گلاب میں شہد ملا کر لگانے سے جوئیں مرجاتی ہیں اور ساتھ ہی بال نرم و ملائم اور چمکدار ہو جاتے ہیں۔

مچھلی کی بُو دور کریں

مچھلی کی بو دور کرنے کے لیے مچھلی پر سرسوں کا تیل اور دہی لگا کر تقریباً ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔

کائی دور کرنا

اکثر گھروں میں جہاں زیادہ پانی گرے سبز رنگ کی کائی جم جاتی ہے۔ اسے دور کرنے کے لیے بلیچنگ پاؤڈر کو کائی والی جگہ چھڑک دیں بیس منٹ بعد برش سے وہ جگہ "رگڑیں" کائی اتر جائے گی اور جگہ صاف ہو جائے گی۔

کچن کا سنک کھولنا

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سنک میں کھانے کے ذرات یا سبزیوں وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے چلے جاتے ہیں اس سے سنک بند ہو جاتا ہے اس کا سب سے آسان حل یہ ہے کہ کپڑے دھونے والا سوڈا لے کر اس کا ایک بڑا چمچ نالی کے سوراخ پر ڈالیں اور اس پر گرم پانی ڈال دیں نالی صاف ہو جائے گی اور سنک و حل جائے گا۔

فرائی کرتے ہوئے انڈے کو چپکنے سے بچانا

انڈا فرائی کرتے ہوئے اگر گھی میں تھوڑا سا نمک ڈال دیں تو انڈا نہیں چپکے گا۔

باسی چاول تازہ کرنا

اگر رات میں آپ نے چاول ابالے اور وہ بچ گئے تو اگلے دن دوپہر میں ایک دیگچی میں پانی ابالیں اور چاول اس میں ڈال دیں دو منٹ بعد پانی نچوڑیں اور دو منٹ دم پر رکھ دیں یوں لگے گا کہ آپ نے ابھی چاول پکائے ہیں۔

تلی ہوئی چیزوں کو خوش ذائقہ بنائیں

کوئی بھی چیز فرائی کرنے سے پہلے کوکنگ آئل گرم کریں اور ایک لونگ ڈال کر دو منٹ کڑکڑائیں اب چیز تلیں تو ہر چیز کا ذائقہ دوبالا ہو جائے گا۔

ڈائپرز کا غیر صحتمندانہ استعمال .... اور بچوں کی صحت

ہر شے کو ڈسپوزایبل (ایک یا ایک سے زیادہ بار استعمال کر کے ضائع کر دینے) کا رجحان عام ہوتا جارہا ہے۔ سوفٹ ڈرنکس اور کولڈ ڈرنکس کے کین، سیل پیک دودھ کے ڈبے، انسانی صحت اور ماحول کی دشمن پولی تھین کی تھیلیاں شامل ہیں۔ ڈسپوزایبل پولی تھین کی تہہ کی بنی ہوئی بچوں کی نیپیاں اور ڈائپرز کا استعمال بھی عام ہورہا ہے۔ اس کی ایک وجہ کپڑے کی نیپیوں کو بار بار دھونے کی "زحمت" سے بچنا بھی ہے۔

ڈائپر جسے پیمپر اور نیپی بھی کہا جاتا ہے کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنا حضرت انسان پرانا ہے۔ تاریخی کتب کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس مقصد کے لیے مخصوص جانوروں کی کھال بھی استعمال کی جاتی رہی ان میں خرگوش کی کھال سرفہرست ہے۔ اس طرح مخصوص درختوں کے پتے بھی شامل ہیں۔ کچھ قدیم امریکی قبائل خرگوش کی کھال میں گھاس پھونس ڈال کر اپنے بچوں کو ڈائپر بنا کر دیتے تھے۔

چند برس قبل تک مائیں ایک نہالچہ گدی بچے کے نیچے رکھتی تھیں تاکہ بستر پیشاب اور فضلے سے آلودہ نہ ہو ماڈرن دور میں اس کی جگہ ڈائپر نے لے لی ہے جو کہ ٹشو پیپر کی طرح ہوتا ہے۔

ڈسپوزایبل ڈائپرز آجانے سے مائیں بچوں کو بار بار دھونے جیسی جھنجھٹ سے آزاد ہو گئی ہیں۔ ہمارے ملک میں گزشتہ چند سالوں سے ڈسپوزایبل ڈائپرز کا بے تحاشہ استعمال شروع ہوا ہے۔ مہنگی ہونے کی وجہ سے اکثر والدین ان ڈائپرز اور نیپیوں کو ایک بار بچے کو باندھنے کے بعد گھنٹوں دیکھنے کی زحمت گوارہ نہیں

ڈائپرریش

ڈائپر ریش جلد کی جھنجھلاہٹ ہوتی ہے جو شیر خوار اور رینگنے والے بچوں کی ڈائپر والی جگہ کو متاثر کرتی ہے۔ زیادہ تر یہ پیشاب اور فضلہ کے بچے کی نازک جلد کے ساتھ لگنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ زیادہ تر شیر خوار بچوں کو بیت الخلاء کی مہارت حاصل کرنے سے پہلے ایک دفعہ ضرور ڈائپر ریش ہوتے ہیں۔ ڈائپر ریش شیر خوار کی جلد پر عام طور پر نشانات اور چھالے ہو جاتے ہیں یا پھر جلد کی رنگت سرخ ہو جاتی ہے۔ ہلکا ڈائپر ریش جلد پر گلابی نشانات کی طرح نظر آتا ہے اور اس کی شدید صورت تیز سرخ اور اکڑی ہوئی جلد ہوتی ہے۔ یہ عام طور پر بہت تکلیف دہ ہوتی ہے۔ اگر سرخ نہ بھی ہو تو عموماً تکلیف دہ جلد کی وجہ سے بچہ جھنجھلاہٹ کا اظہار کرتا ہے۔ یہ عام طور پر کولہوں اور ٹانگوں کو متاثر کرتا ہے۔ پلاسٹک کے نیپی یا ڈائپر اسکو مزید شدید کر دیتے ہیں۔ یہ انفیکشن گرم اور نم جگہ میں پیدا ہوتی ہے۔
اس کا علاج یہ ہے کہ ڈائپر کا استعمال چھوڑ دیں۔ اپنے بچے کی جلد کو جتنا ہو سکے گرم اور خشک ہوا میں کھلا رکھیں۔ ڈائپر

کرتے، جس کی وجہ سے بچوں کے نازک اور حساس اعضاء سے گھنٹوں غلاظت کا تھیلا بندھا رہتا ہے، جو بچوں میں نازک اعضاء کے گرد خارش کے مرض کا ایک اہم سبب ہے۔

متعدد ممالک میں ڈائپرز کے غیر محتاط استعمال اور ان سے بچوں کی صحت پر مرتب ہونے والے مضر اثرات پر بحث کی جارہی ہے۔ ذیل میں ہم آپ کو ان ڈائپرز سے پیدا ہونے والی بیماریوں کے بارے میں بتاتے ہیں:

جلدی امراض DiaperDermatitis

نیپیوں اور ڈائپرز کے حوالے سے برٹش میڈیکل جرنل میں شائع ہونے والی رپورٹ نے حیرت انگیز انکشاف کیا ہے، رپورٹ کے مطابق ایک سے تین سال کا عرصہ بچوں کی بڑھوتری میں اہم ہوتا ہے بچوں کو پلاسٹک کی یہ نیپیاں پہنا دینے کی وجہ سے بچوں کی نازک اور حساس جلد پر مضر اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔

قدرت نے ہر انسان کی جلد کو بیرونی ماحولیاتی اثرات سے بچانے کے لئے ایک حفاظتی روغنی تہہ stratum corneum بنائی ہے۔ پلاسٹک کے ڈائپرز اس تہہ کی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ پیدائش کے چند دنوں بعد اگر ڈائپرز باندھ دیا جائے تو بڑی تیزی سے بچے کی جلد کی یہ حفاظتی تہہ برباد ہونے لگتی ہے۔ پیدائش کے پانچویں ماہ بچے کو ماں کے دودھ کے ساتھ ساتھ ٹھوس غذا دینے سے بچے کے فضلے کی کیمیائی ترکیب میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ ڈائپرز کی شکل میں بچوں کے جسم کے ساتھ غلاظت کا ایک تھیلا گھنٹوں بندھے رہنے سے بچے کے فضلے سے خارج ہونے والے Lipases اور Proteases نامی انزائمز پیشاب کے ساتھ کیمیائی عمل کرتے ہیں جس کی وجہ سے بچے کے نازک اعضاء پر سرخ دھبے ابھرنے کے ساتھ ساتھ سرخ دانے بھی نکل آتے ہیں۔ بچوں کے ڈائپرز استعمال کرنے اور دودھ پلانے والی وہ مائیں جن کی غذا میں ٹماٹر اور اس سے بنی ہوئی دیگر غذائیں شامل ہوتی ہیں ایسی ماؤں کے بچوں کے نازک اعضاء کے علاوہ سرخ دانے اور دھبے پھیلتے ہوئے پیٹ تک بھی پہنچ جاتے ہیں

ماحول دشمن

جرمنی میں ہونے والی ایک تحقیق کے مطابق رفع حاجت محسوس Toilet Trained ہونے تک ایک

بدلتے وقت اپنے بچے کے نچلے حصے کو ہلکے صابن اور نیم گرم پانی سے اچھی طرح صاف کرکے خشک کریں۔ اگر آپ اپنے بچے کو نیم گرم پانی سے غسل دے کر صاف کریں تو یہ اس کے لئے کم تکلیف دہ ہوگا۔ الکوحل والے وائپ سے گریز کریں کیونکہ یہ آپ کے بچے کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہو سکتے ہیں۔ ہر دفعہ ڈائپر بدلنے کے بعد اپنے بچے کی ڈائپر والی جگہ کی حفاظت کرنے کے لئے بلا خوشبو مرہم مثلاً پٹرولیم جیل کا استعمال کریں۔ اپنے بچے کی کریم دوسرے بچوں کے ساتھ مت بانٹیں۔ کریم کو آلودہ ہونے سے بچائیں۔ کریم کی بوتل میں ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھ اچھی طرح دھوئیں۔

اگر آپ کے بچے کے ریش ایک دو دن میں ٹھیک نہ ہوں یا پھر آپ کے بچے کو بخار ہو یا وہ بیمار نظر آئے تو فوراً اپنے ڈاکٹر سے ملاقات کریں۔

ڈائپر ریش سے بچنے کا بہترین طریقہ بچے کے ڈائپر کو کثرت سے بدلنا ہے۔ اگر آپ کے بچے کو ڈائریا (دست ٹٹی) ہو تو اپنے بچے کے ڈائپر کو اور بھی کثرت سے بدلیں۔

بچہ تقریباً آٹھ ہزار ڈائپرز اور نیپیاں استعمال کرلیتا ہے ڈسپوزایبل ڈائپرز اور نیپیوں میں کاغذ کی تہوں میں کیمیائی مادہ ڈائی اوکسن Dioxin بھی ہوتا ہے۔ ڈائی اوکسن ایک انتہائی خطرناک کیمیائی مادہ ہے۔ پلاسٹک کے شاپنگ بیگز کے جلنے سے ان کا اخراج بھاری مقدار میں ہوتا ہے جو کینسر کا باعث بنتا ہے۔ ڈائپرز پہننے والے بچوں کی حساس اور نازک جلد کو ڈائی اوکسن سے سخت خطرات لاحق رہتے ہیں، بچوں کی نازک اور حساس جلد کے ذریعے ڈائی اوکسن کے جسم میں سرایت کرنے کے امکانات موجود ہوتے ہیں۔

مردانہ بانجھ پن MaleInfertility

بی بی سی نیوز آن لائن کی ایک رپورٹ کے مطابق جرمنی میں ہونے والی تحقیق سے یہ ثابت ہوا ہے کہ پولیتھین کے بعض ڈسپوزایبل ڈائپرز بچوں میں مردانہ بانجھ پن Male Infertility کا سبب بن رہے ہیں۔ جرمنی کی یونیورسٹی آف کیل کے سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ پلاسٹک کے ڈائپرز استعمال کرنے والے معصوم بچوں کے خصیوں Testicales کے گرد درجہ حرارت میں اضافہ ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے ان کو بچپن ہی میں مردانہ بانجھ پن کا روگ لگ سکتا ہے۔

بیشتر یورپی اور امریکی ممالک میں تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ پلاسٹک کی تہہ والی نیپیاں اور ڈائپرز پہننے والے اکثر بچے خصیوں کے سرطان Testicular Cancer میں بھی مبتلا ہوئے۔

آخر حل کیا ہے

اس پوری بحث کا یہ مقصد نہیں کہ ڈائپرز اور نیپی کا استعمال مکمل طور پر ترک کردیا جائے بلکہ ان کا استعمال اعتدال کے ساتھ کیا جائے، بچوں کی نیپی کی باقاعدگی سے تبدیلی کرنا بہت ضروری ہے۔

بچہ دن میں متعدد بار عموماً ہر ایک سے تین گھنٹے کے بعد پیشاب کردیتا ہے اس لئے پورے دن میں آٹھ سے دس مرتبہ اس کی نیپی کو بدلنا چاہیے۔ بھیگ جانا بچوں کے لئے بہت زیادہ معنی نہیں رکھتا اس لئے آپ نیپی بدلنے کے لئے ہر دفعہ بچے کے رونے کا انتظار نہ کریں۔ ہر گھنٹے دو گھنٹے کے بعد بچے کی نیپی میں دیکھتے رہیں کہ کہیں بچے نے پیشاب تو نہیں کر دیا ہے۔ پیشاب اور فضلے کے جراثیم کی وجہ سے بچے کو خارش ہو سکتی ہے جس کا نتیجہ نیپی ریش ہوتا ہے۔ ہر

کھانے سے پہلے یا اس کے بعد یا اس وقت جب اس نے رفع حاجت کی ہو، بچے کی نیپی کو تبدیل کر دیں۔ صرف رات میں نیپی نہ بدلیں (کیونکہ اس سے بچے کی نیند خراب ہونے کا اندیشہ ہے)۔

چھوٹے بچوں کی مائیں حفظ ماتقدم کے تحت مختلف اقسام کی اشیائے ضرورت کا ذخیرہ کرنے کی شوقین ہوتی ہیں۔

اس حوالے سے ڈائپرز سر فہرست ہیں۔ ماؤں کی اکثریت کم قیمت پر دستیاب ہونے کی صورت میں ڈائپروں کا ایک بڑا ڈھیر اکٹھا کر لیتی ہے۔ حالانکہ طویل عرصے کے لئے ڈائپر اکٹھا کرنا خطرناک ہے اور اس سے بچے کی صحت کو سخت خطرہ لاحق ہوتا ہے حالیہ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ بچوں کی جلد کی نازک ساخت کو مد نظر رکھ کر تیار کئے جانے والے یہ ڈائپر دراصل وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اتنے محفوظ نہیں رہتے جتنا کہ یہ تیاری کے وقت ہوتے ہیں، ایسے میں مناسب بھی ہے کہ ڈائپر خریدتے ہوئے بچے کی صحت کو ملحوظ خاطر رکھا جائے اور ڈائپر کی اتنی ہی تعداد خریدی جائے جو کہ ایک ماہ کی مدت میں استعمال ہو جائے۔ اس حوالے سے یہ رجحان بھی دیکھنے میں آیا کہ پاکستانی مائیں ڈائپروں کی نہ صرف یکمشت بڑی تعداد خرید لیتی ہیں بلکہ اس مقصد کے لئے وہ معیار کو ترجیح دینے کے بجائے قیمت کو مد نظر رکھتی ہیں۔ اس حوالے سے ماہرین کا کہنا ہے کہ اچھے اور معیاری برانڈ ڈائپرز کا کھلے ہوئے ڈائپرز کے مقابلے میں نقصان دہ ہونے کا خطرہ کم ہوتا ہے۔

مستقبل قریب میں ماں بننے والی خواتین ننھے مہمان کی تیاری میں جہاں دیگر اشیاء خریدیں گی وہاں ڈائپر کا بے تحاشہ اہتمام کرنے سے گریز کریں۔ اس حوالے سے ماہرین نے کہا ہے وہ مائیں جو گھریلو خواتین ہیں وہ دن کے اوقات میں کوشش کریں کہ بچوں کو ڈائپر کے بجائے کپڑا استعمال کریں۔ ماہرین کی رائے میں کھلے ڈائپر کے مقابلے میں گھر میں استعمال کیا جانے والا کپڑا زیادہ مناسب اور محفوظ ہے، کیوں کہ عام طور پر ململ یا سوتی کپڑے کی مدد سے تیار کئے جانے والے یہ گھریلو ڈائپرز ایک بار استعمال کے بعد اچھی طرح دھوئے جاتے ہیں۔ ایسے میں ان میں جراثیم کی موجودگی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، نیز جہاں تک ان کے نسبتاً کم جاذب ہونے کا سوال ہے تو گھریلو خواتین کے لئے دن کے اوقات میں کپڑے کا استعمال اتنا مشکل نہیں۔ مزید براں اس حوالے سے ماہرین نے مشورہ دیا ہے کہ گھریلو طور پر استعمال سے قبل اس پر گرم استری پھیری جائے تو ان میں موجود جراثیم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی اولاد صاف ستھری اور دوسروں کی اولاد سے منفرد نظر آئے، مگر بیرونی طور پر اپنے بچوں کو صاف ستھرا دکھانے کے لئے بچوں کی صحت کو داؤ پر لگا دینا ہرگز مناسب بات نہیں ہے۔ یورپ اور امریکہ کے متعدد ممالک میں ڈسپوزایبل ڈائپرز اور نیپیوں کی مضر اثرات سامنے آنے کے بعد والدین میں ان کے استعمال کے رجحانات کم ہو رہے ہیں اور دوبارہ سے پرانے ماحول دوست اور باکفایت طریقہ کار یعنی ململ اور سوتی کپڑے کی دوبارہ استعمال ہونے والی نیپیوں کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

❖

فزاء علی

کھیرا ایسی سبزی ہے جس میں دوسری کئی سبزیوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ معدنی اجزاء پائے جاتے ہیں۔ ماہرین غذا کے مطابق اس کے چھلکے میں نہایت قیمتی وٹامنز اور نمکیات ہوتے ہیں اس لیے اسے چھلکے سمیت استعمال کرنا چاہیے۔

ایک تازہ کھیرا آپ کو بھرپور غذائیت فراہم کرسکتا ہے اگر آپ کو کھانا پسند نہیں تو معدے اور جگر کے گرمی سے تحفظ کے لیے کھیرے کا جوس نکالیے ایک گلاس جوس میں کیلشیم، فولاد، زنک، میگنیشیم، وٹامنز سی، بی 1، بی 2، بی 3، بی 5 اور بی 6 کے ساتھ فولک ایسڈ کی وافر مقدار بھی دستیاب ہوجائے گی۔
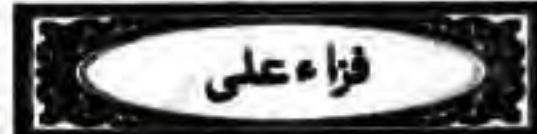
ایک کھیرے کے جوس میں آدھا ٹماٹر، دو سے تین گاجریں، سنگترے، موسمی کا رس اور لیموں کے رس کو شامل کرکے ایک گلاس جوس بنالیں تو اضافی حیاتین (وٹامنز) دستیاب ہوسکتے ہیں۔ کھیرا عام دستیاب سبزی ہے اور قیمتاً بھی مہنگا نہیں۔ یہ انتہائی کم حراروں پر مشتمل سبزیوں میں سے ایک ہے۔ بازار میں دستیاب جنک فوڈ میں سلاد کی اہم ضرورت پوری کرنے کے لیے کھیرے اور سلاد کے پتوں کا استعمال کیا جاتا ہے

لیکن بچے کھیرا پلیٹ میں رکھا رہنے دیتے ہیں جبکہ اگر جنک فوڈ کے ساتھ بھی اسے کھالیا جائے تو اضافی چکنائی زائل کرنے میں مدد ملتی ہے۔ کھیرا مسلسل استعمال کرنے سے پٹھوں، عضلات اور جسم کے کھنچاؤ کے خلاف قوت مدافعت میں اضافہ ہوتا ہے۔

زیادہ مرغن غذائیں اور گوشت کھانے والے افراد کو کھیرا ضرور کھانا چاہیے تاکہ نظام ہاضمہ بہتر ہوسکے۔ بعض ادویات مثلاً اینٹی بایوٹکس لینے کے زمانے میں متوازن غذا کا استعمال بہت ضروری ہوتا ہے۔ بچے ہوں یا بڑے مدافعتی قوت بڑھانے کے لیے دوپہر کے کھانے میں خصوصیت کے ساتھ اسے غذا کا جز بنالیں تو دواؤں کے ضمنی اثرات بھی زائل ہوسکتے ہیں۔

کھیرے کا بیرونی استعمال

کوئی ایسی کاسمیٹکس جو جلد پر الرجی کر رہی ہو۔ جلد پر سفید رنگ کے دھبے ابھرنا شروع ہو رہے ہوں اور آپ کو کیلشیم غذا میں شامل کرنے کا مشورہ دیا جا رہا ہو تو آپ کھیرے کے رس کو جلد پر لگائیں اور کھیرا کھائیں.....

یہ دونوں طرح سے چہرے اور جسم کے لیے مفید ہے۔ بیوٹیشنز آنکھوں کے حلقوں کا علاج کھیرے کے قتلے آنکھوں پر رکھ کرتی ہیں۔ کھیرے کا ماسک، مساج کی کریمیں اور دیگر کاسمیٹکس میں اسے شامل کیا جاتا ہے۔

ہاضمہ درست کرنے کے ساتھ ساتھ سانس کی ناگوار بو دور کرنے کے لیے کھیرے کا استعمال مفید ہے۔ جو سانسوں کی مہک بہتر کرنے میں مدد دیتا ہے۔ بیکٹیریا کو ختم کرتا ہے۔ چہرے کی شادابی اور تازگی لوٹانے کے لیے کھیرے کا رس چہرے پر لگائیں یا سلائس لے کر صابن کی طرح ملیں اور اس کا رس چہرے پر لگا رہنے دیں اور استعمال میں کہیں یہ شرط بھی نہیں کہ صرف آنکھوں کے حلقے دور کرنے کے لیے ہی مفید ہے۔ جھلسی ہوئی یا تیز دھوپ میں کمہلائی ہوئی جلد کے تحفظ کے لیے پورے چہرے پر یہ رس لگائیں۔ اس سے جلد میں قدرتی کھنچاؤ بھی آئے گا، لکیروں میں کمی آئے گی۔ چہرے کی جلد کا ڈھلکنا جاتا رہے گا اور یہ تازگی کا باعث بھی ہے۔ یہ ہمہ صفت سبزی ہے اگر آپ کے گھر میں کوئی کیاری موجود ہے تو روزانہ استعمال کی چند ایک سبزیاں ضرور اگا لیں یہ پودے چھوٹی کیاریوں میں بھی اگائے جا سکتے ہیں اور یہ کوئی ضروری تو نہیں کہ آپ ہر وقت کچا کھیرا ہی کھائیں اپنی تخلیقی فکری کو کام میں لائیں کبھی لہسن ادرک اور دہی میں ہلکا سا پکا کر سیاہ مرچ اور نمک کے ساتھ کھا لیں، کبھی رائتہ بنا لیں کبھی اوون میں بیک کر لیں یہ ضرورت سے زیادہ نہ پکے تو غذائیت برقرار رہتی ہے۔

کھیرے کے سلائسز سے جوتے چمکائے جاتے ہیں۔ مکانوں کی کھڑکیاں صاف کرنے کے لیے، اسٹیل کے سنک اور سرامک ٹائلز کی صفائی کے لیے کھیرے کے رس میں چند قطرے لیموں شامل کر کے صفائی کے مقاصد کی تکمیل کی جا سکتی ہے۔

کچھ لوگ گاڑیوں کا بونٹ چمکانے کے لیے بھی کھیرا استعمال کرتے ہیں اور کچھ لوگ کچن اور باتھ روم کے فرش صاف کرنے کے لیے تھوڑا سا سرکہ ملا کر ایک نیا محلول تیار کر لیتے ہیں جو صحت بخش صفائی کی مصنوعات میں سے ایک ہے۔

❄

Infertility
بانجھ پن

مردانہ بانجھ پن
Oligozoospermia

حکیم وقار یوسف عظیمی
فاضل الطب، پی ایچ۔ڈی۔ کراچی یونیورسٹی۔
حکیم محمد عبدالسمیع
بی ای ایم ایس، ایم فل، پی ایچ۔ڈی اسکالر ہمدرد
حکیم مسز وسیم فاطمہ
بی ای ایم ایس۔ ہمدرد

فیق اور شہناز کی شادی کو آٹھ سال ہو چکے تھے۔ کے ہاں شادی کے پہلے ہی سال بیٹے کی ولادت ہوئی ی۔ اس بچے کے حمل کو آٹھواں مہینہ تھا کہ ایک روز شہناز کا بلڈ پریشر اچانک بہت بڑھ گیا۔ لیڈی ڈاکٹر نے ایک دن انہیں ہسپتال میں رکھا۔ اس وقت لیڈی ڈاکٹر نے بتایا کہ بلڈ پریشر کنٹرول نہ ہوا تو بچے کو نقصان ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ولادت قبل از وقت کروانی پڑ جائے تاہم اچھے علاج، مناسب دیکھ بھال اور دونوں کے گھر والوں کی دعاؤں کے نتیجے میں شہناز کا بلڈ پریشر کنٹرول ہو گیا۔

مقررہ وقت پر نارمل ڈلیوری ہوئی۔ صحت مند اور بہت خوبصورت بیٹے کی ولادت پر سارے خاندان میں بہت خوشیاں منائی گئیں۔ بچے کو دیکھ کر ہر شخص یہ کہتا تھا کہ یہ تو بالکل اپنے باپ کی کاپی ہے۔ اس بچے کی عقیقے کی تقریب بہت دھوم دھام سے ہوئی۔

رفیق اور شہناز دونوں ہی چاہتے تھے کہ ان کے ہاں چار پانچ بچے ہوں تاہم پہلے بچے کے حمل کے آخری دور میں شہناز کا بلڈ پریشر بڑھ جانے پر یہ دونوں کچھ خوف زدہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے اس بارے میں ڈاکٹر سے بات کی۔

لیڈی ڈاکٹر نے بتایا کہ آئندہ حمل میں بلڈ پریشر بڑھنا لازمی نہیں تاہم اگلا حمل ہونے کے بعد شروع سے ہی محتاط رہنا ہوگا۔

انہوں نے ڈاکٹر سے پوچھا کہ آئندہ حمل میں کتنا وقفہ ہونا چاہیے....؟

لیڈی ڈاکٹر نے انہیں مشورہ دیا کہ انہیں کم از کم دو سال تک احتیاط کرنا چاہیے۔

ننھا فرقان تو گھر بھر کا لاڈلہ بچہ تھا۔ کبھی وہ ماں کی گود میں ہوتا، کبھی دادی کے پاس اور کبھی پھوپھی اور چچا کے پاس.... فرقان کی دوسری سالگرہ بہت دھوم دھام سے منائی گئی۔

اب گھر والوں کی فرمائشیں بھی آنے لگیں کہ فرقان کا بھائی یا بہن آنی چاہیے۔ شہناز اور رفیق کو بھی مزید بچوں کی تمنا تھی۔ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق دو سال احتیاط سے گزارنے کے بعد اب انہیں بے چینی سے اگلے بچے کی خوش خبری کا انتظار رہنے لگا۔

مہینوں پر مہینے

گزرتے رہے۔ شہناز کا پاؤں بھاری نہ ہوا۔ دو سال گزر گئے مگر خوش خبری نہ ملی تو شہناز لیڈی ڈاکٹر سے ملی۔ ڈاکٹر نے شہناز کا الٹرا ساؤنڈ اور کچھ بلڈ ٹیسٹ کروائے۔ طبی معائنے اور رپورٹوں سے پتہ چلا کہ اندرونی ورم کے ساتھ ساتھ کچھ ہارمونل پرابلم بھی ہے۔

ڈاکٹر نے شہناز کے لیے کچھ ادویات تجویز کیں۔

ڈاکٹر علاج کے ساتھ روحانی علاج بھی ہوتا رہا۔ کئی ماہ علاج کے بعد لیڈی ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ اب شہناز طبی لحاظ سے بالکل ٹھیک ہے۔ ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ شہناز کے شوہر کو اپنے ٹیسٹ کروانے چاہئیں۔

یہ بات شہناز نے رفیق کو بتائی تو وہ تو ایک دم جیسے بھڑک اٹھے۔

مجھے ٹیسٹ کرانے چاہئیں.... میں کیوں ٹیسٹ کرواؤں.... میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ ہمارا ایک بیٹا بھی ہے۔

جی میں نے بھی ڈاکٹر سے یہی کہا تھا لیکن ڈاکٹر نے مجھے کہا کہ آپ کے شوہر کا ٹیسٹ بھی ضروری ہے۔

نہیں بھئی.... مجھے تمہاری اس ڈاکٹر کی بات بالکل سمجھ نہیں آرہی۔ تم ایسا کرو کسی اور لیڈی ڈاکٹر کو دکھاؤ۔

جی ٹھیک ہے....

اپنے شوہر کے کہنے پر شہناز نے ایک اور ماہر لیڈی ڈاکٹر سے رابطہ کیا۔ شہناز کی مختلف رپورٹس دیکھ کر انہوں نے بھی یہی کہا کہ آپ کے شوہر کو اپنا ٹیسٹ کروانا چاہیے۔

شہناز نے تین لیڈی ڈاکٹروں سے رابطہ کیا تینوں نے ایک ہی بات کہی کہ شوہر کا ٹیسٹ ضروری ہے۔

ڈاکٹروں کے مشوروں پر رفیق ایک ہی بات دہراتے کہ شادی کے دوسرے مہینے میں ہی ہمیں اولاد کی خوش خبری مل گئی تھی۔ یہ بات بذات خود میری صحت کی دلیل ہے۔ اگر مجھ میں کوئی خامی میرے ہاں اولاد کیوں ہوتی....؟

رفیق کی اس دلیل کا جواب شہناز کے پاس نہیں تھا۔ باہمی تعلقات میں بھی اسے رفیق میں کوئی کمی محسوس نہ ہوئی تھی.... لیکن ڈاکٹروں کی رائے اپنی جگہ تھی۔

جب کئی ڈاکٹروں نے ایک ہی بات کہی تو رفیق باول نخواستہ اپنا ٹیسٹ کروانے پر تیار ہوگئے۔ انہوں نے شہر کی ایک معروف معتبر لیب میں اپنا سیمپل ٹیسٹ کے لیے دیا۔

اس ٹیسٹ کا نتیجہ رفیق کے لیے بہت حیران کن تھا۔ اس ٹیسٹ کے ذریعہ یہ پتہ چلا کہ رفیق اور شہناز کے ہاں دوسرا حمل نہ ہونے کی وجہ شوہر میں جرثوموں کی شدید کمی ہے۔

ooo

ہمارے معاشرے میں بانجھ پن کو عام طور پر عورتوں کا مسئلہ سمجھا جاتا ہے۔ شادی کے بعد اولاد ہونے میں تاخیر ہورہی ہو یعنی پرائمری انفرٹیلیٹی کا معاملہ ہو تو پہلے عورت ہی سے پوچھا جاتا ہے کہ اس نے اپنے ٹیسٹ کروائے ہیں یا نہیں۔ عورت میں کسی قسم کی علامات نظر آجائیں تو کئی ڈاکٹر بھی مرد کو ٹیسٹ کا کہے بغیر ہی اس عورت کا علاج شروع کردیتی ہیں۔

اولاد میں تاخیر کے حوالے سے عورت میں چند علامات نظر آنے کے باوجود اس کے شوہر کا ٹیسٹ کروانا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ دونوں کو ہی اپنے اپنے علاج کی ضرورت ہو۔ جن جوڑوں کے ہاں نارمل ازدواجی تعلقات میں شادی کے پہلے یا دوسرے سال بچے کی ولادت ہوجاتی ہے۔ ایسے کسی جوڑے کے ہاں دوسرے بچے کی ولادت میں تاخیر ہورہی ہو یعنی

ایسے مرد جن کے ہاں ایک یا دو اولادیں ہو چکی ہوں
وہ بھی انفرٹیلیٹی کے مرض میں مبتلا ہو سکتے ہیں

سینکنڈری انفرٹیلیٹی کا معاملہ ہو، وہاں مرد کو بالعموم صحت مندہی تصور کیا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ تولیدی لحاظ سے ایک صحت مند مرد کو جن کے ہاں ایک یا دو بار بچے ہو چکے ہوں بعد میں کسی وقت کسی مسئلے کا سامنا ہو سکتا ہے۔ ان مسائل میں جرثوموں کی تعداد میں کمی، جرثوموں کی حرکت پذیری میں کمی، جرثوموں کی مارفالوجی کے مسائل، کسی انفیکشن سے متاثر ہونا، زیادہ گرمی میں بیٹھنا، اپنی ٹانگوں پر رکھ کر لیپ ٹاپ کا زیادہ استعمال اور دیگر کئی اسباب شامل ہیں۔

اپنے معاشرے میں رائج مختلف تصورات اور لوگوں کے رویوں کے جائزوں سے پتہ چلتا ہے کہ مرد اپنی کمزوری کو بہت مشکل سے تسلیم کرتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ اپنے چیک اپ اور علاج کے لیے بھی آمادہ نہیں ہوتے۔ بعض مرد ٹیسٹ کروانے کے بعد بے دلی سے علاج کروانے لگتے ہیں لیکن اگر فوری فائدہ نہ ہو تو کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے علاج چھوڑ دیتے ہیں۔

بیماری کو تسلیم نہ کرنا صرف انفرٹیلیٹی تک ہی محدود نہیں ہے۔ اکثر لوگ (ان میں خواتین بھی شامل ہیں) اپنا جنرل چیک اپ کروانے سے بھی کتراتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس چیک اپ کی وجہ سے کوئی بیماری نکل آئی تو....؟

ایسے لوگ دراصل خود کو شوگر یا ہائی بلڈ پریشر کا مریض تسلیم کرنے تیار نہیں ہوتے.... ڈاکٹر کے کہنے پر یا اپنے طور پر ٹیسٹ کروانے پر اگر کسی کو پتہ چلتا ہے کہ اس کی شوگر بڑھی ہوئی ہے تو عموماً اسے ایک شاک سا محسوس ہوتا ہے۔ بعض لوگ اس شاک پر جلد قابو پا لیتے ہیں بعض لوگ طویل عرصے تک اس شاک کے زیر اثر رہتے ہیں۔

انفرٹیلیٹی کے حوالے سے تو مرد میں کسی کمی کا پتہ چلنا اس آدمی کے لیے شدید فکر مندی اور غیر یقینی کا سبب بن سکتا ہے۔ عام مشاہدہ یہ ہے کہ اکثر اپنی بیگم کے سامنے کمزور کہلانا نا تو پسند کرتے ہیں اور نا ہی اپنی کمزوری کو تسلیم کرتے ہیں۔

اولاد ہونے میں تاخیر کی وجوہات مرد میں سامنے آئیں تو اس کے رد عمل میں کئی مرد طعنہ بھی کرنے لگتے ہیں۔ یہ بھی مشاہدے میں آتا ہے کہ ایسی صورت میں بعض مردوں کا رویہ اپنی بیگم کے ساتھ طنزیہ یا سختی والا بھی ہو گیا۔

سینکنڈری انفرٹیلیٹی کے حوالے سے یہ حقیقت پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ اس میں عورت یا مرد یا دونوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔

مردوں میں سینکنڈری انفرٹیلیٹی کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ جرثوموں کی کمی یا ان کی حرکت میں کمی کے مسائل قابل علاج ہیں۔

مردانہ بانجھ پن کے کئی اقسام کے لیے حکمت، کلر تھراپی اور روحانی علاج کے امتزاج سے کئے جانے معالجوں کے اچھے نتائج سامنے آئے ہیں۔

رنگوں میں ایسی شفا بخش خاصیت موجود ہے جو کئی طرح کے امراض کو صحت فراہم کرتی ہے۔ رنگ ہمارے ذہن اور ہمارے احساسات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ رنگ باطنی اندھیرے اور جسم کی کثافتیں ختم کرنے کا ذریعہ بھی ہیں۔

رنگ و روشنی سے علاج

رنگوں میں بھرپور توانائی انداز میں موجود ہوتی ہے۔ رنگوں کے اثرات کو جدید دور میں تسلیم کیا جا چکا ہے۔ ان میں موجود توانائی انسانی صحت کے لیے بے حد مفید ہے۔

ایک عام مشاہدے کے مطابق جسم کے عضلات کسی عام روشنی کی نسبت نیلی روشنی میں زیادہ متحرک ہو سکتے ہیں۔

سبز روشنی کے اثرات عضلات کی کارکردگی کو بڑھا دیتے ہیں۔ رنگ جسم میں کوئی تحریک پیدا کرنے یا اسے کم کرنے یا ختم کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ بزرگوں سے سنتے آئے ہیں کہ پرانے زمانے میں آنکھوں کی تکلیف سے نجات پانے کے لیے سبز رنگ کی پٹیاں استعمال کی جاتی تھیں۔ آج کل آنکھوں کی بیماریوں کے علاج کے لیے رنگوں سے کام لیا جاتا ہے۔ ایک ماہر گلیڈی مائر اپنی کتاب Color and the Healing میں لکھتی ہیں۔

"اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آنکھوں کے علاج میں رنگ بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اگر اس علاج میں نمایاں فرق والے رنگ استعمال کیے جائیں تو زیادہ بہتر رد عمل سامنے آتا ہے۔ مثال کے طور پر دور یا نزدیک کی نظر بحال کرنے کے لیے سرخ اور نیلے رنگ استعمال کیے جا سکتے ہیں۔

رنگوں سے علاج کے موضوع پر متعدد کتابوں

کے مصنف اور مشہور محقق ڈاکٹر رولینڈ۔ ٹی۔ہنٹ اپنے ایک مریض کے بارے میں لکھتے ہیں کہ کسی زبردست ذہنی صدمے کے باعث اس شخص کی بینائی اس حد تک کمزور ہو گئی تھی کہ وہ چند فٹ کے فاصلے کی چیز بھی واضح طور پر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ڈاکٹر ہنٹ نے اس کے کمرے کی دیواروں اور فرنیچر وغیرہ کا رنگ تبدیل کرادیا۔ اس کمرے میں نارنجی اور پیلے کی بجائے سبز رنگ کے تین ہلکے اور گہرے رنگ استعمال کیے گئے۔ اس کے ساتھ ہی دن میں دو مرتبہ اس کی آنکھوں پر ہلکے بنفشی رنگ کی شعاعیں ڈالی جاتیں۔ سات ہفتوں میں مریض کی بینائی جزوی طور پر بحال ہو گئی اور سات مہینے کے عرصے میں وہ بالکل ٹھیک ہو چکا تھا۔

ڈاکٹر بنڈکٹ لسٹ اپنی کتاب Natural Method of Healing Catract میں لکھتے ہیں "۔ آنکھوں میں موتیا بند کے علاج کا ایک ذریعہ روشنی بھی ہے۔ لائٹ تھراپی کی بنیاد جس اصول پر قائم ہے وہ یہ ہے کہ روشنی خون اور شریانوں میں پائے جانے والے رقیق مادے کو متحرک کرتی ہے اس سے آنکھوں کی بافتوں پر غیر ضروری دباؤ کم ہو جاتا ہے جس سے بینائی درست طور پر کام کرنے لگتی ہے۔ ڈاکٹر لسٹ ہمیں برلن یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ڈاکٹر ولیم لفنگ کے بارے میں بھی بتاتے ہیں۔ جنہوں نے لائٹ تھراپی کی تکنیک میں ایک جدت اختیار کی ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اس طریقہ علاج سے آنکھوں کے موتیا بند کو بالکل صاف کیا جاسکتا ہے۔

معروف روحانی اسکالر حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی اپنی کتاب کلر تھراپی میں تحریر کرتے ہیں۔ جب ایک یا ایک سے زائد مراکز میں رنگوں کی معین مقداروں کا تناسب بگڑ جاتا ہے تو نئے نئے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ رنگ کی مقدار متوازن ہو جائے تو مرض کا علاج آسان ہو جاتا ہے۔ رنگوں کی کمی پورا کرنے یا زیادتی کو ختم کرنے کے لیے سورج کی شعاعوں اور روشنی سے مدد لی جاتی ہے۔

جیسے نگاہ کی کمزوری..... قریب کی نظر کمزور ہو تو تھوڑی دیر لکھنے پڑھنے یا نظر کا کام کرنے سے آنکھیں تھک جاتی ہیں اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا آجاتا ہے۔ کتاب وغیرہ پڑھتے ہوئے حروف پر نگاہ نہیں جمتی اور حروف خلط ملط نظر آتے ہیں۔ آنکھوں میں سے پانی آتا ہے اور سر میں خفیف درد کی شکایت ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات نظر دھندلا جاتی ہے۔

دور کی نظر کمزور ہو تو دور کی چیزیں صحیح نظر نہیں آتیں جبکہ قریب کی چیزیں صاف نظر آتی ہیں۔

علاج:

1- آسمانی رنگ کی عینک دن میں دو تین گھنٹے کے لیے لگائیں۔

2- Indigo رنگ پانی صبح وشام۔

3- سبز رنگ پانی کھانے سے پہلے۔

4- صبح سورج نکلنے سے پہلے ایسی جگہ بیٹھ جائیں جہاں سے سورج نکلتا ہوا نظر آئے۔ افق میں ایک منٹ تک پلک جھپکائے بغیر نکلتے سورج کو دیکھیں۔ ایک منٹ سے زیادہ نہ دیکھیں۔

5- آسمانی رنگ پانی سے صبح اور سبز رنگ پانی سے رات کی آنکھیں دھوئیں۔

کیفیاتِ مراقبہ

ترقی یافتہ ممالک میں مراقبے کے موضوع پر سائنسی بنیادوں پر تحقیقی کام شب و روز جاری ہے۔ جدید سائنسی آلات سے اخذ کیے جانے والے نتائج سے یہ ثابت ہوا ہے کہ مراقبے سے انسان کو ہمہ جہت فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ ان تحقیقی نتائج کے پیشِ نظر مغرب میں تو مراقبہ کو ایک ٹیکنالوجی کی حیثیت دے دی گئی ہے۔ ان تحقیقات سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ مراقبے سے ہماری عام زندگی پر بھی کئی طرح کے خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مراقبے کے ذریعے کئی جسمانی اور نفسیاتی بیماریوں سے نجات مل سکتی ہے، کارکردگی اور یادداشت میں اضافہ ہوتا ہے اور ذہنی صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے۔

ماضی میں مشرق کے اہلِ روحانیت نے ماورائی علوم کے حصول میں مراقبے کے ذریعے کامیابیاں حاصل کیں۔

ان صفحات پر ہم مراقبے کے ذریعہ حاصل ہونے والے مفید اثرات مثلاً ذہنی سکون، پرسکون نیند، بیماریوں کے خلاف قوتِ مدافعت میں اضافہ وغیرہ کے ساتھ روحانی تربیت کے حوالے سے مراقبے کے فوائد بھی قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اگر آپ نے مراقبے کے ذریعے اپنی شخصیت اور ذہنی کیفیت میں مثبت تبدیلی محسوس کی ہے تو صفحات کے ایک طرف تحریر کر کے روحانی ڈائجسٹ کے ایڈریس پر اپنے نام اور مکمل پتے کے ساتھ ارسال کر دیجیے۔ آپ کی ارسال کردہ کیفیات اس کالم میں شائع ہو سکتی ہیں۔

کیفیاتِ مراقبہ۔
روحانی ڈائجسٹ 1/7, D-1 ناظم آباد۔ کراچی 74600

میں کافی عرصے سے نفسیاتی عارضے میں مبتلا تھا۔ اپنی الجھنیں حل کرنے کے لیے جہاں کہیں کوئی معلومات ملتیں انہیں بغور پڑھتا تھا اور ان کی روشنی میں اپنا علاج کرنے کی کوشش کرتا۔ لیکن میرا مرض دور نہیں ہو رہا تھا۔ آخرکار میں نے جب خود اپنا تجزیہ کیا تو مجھے لگا کہ میں احساسِ کمتری کا مریض ہوں۔ اس تجزیے کی چند وجوہات تھیں۔

میں خوبصورتی، قابلیت اور دولت وغیرہ میں اپنے سے برتر کسی شخص سے ملتا تھا تو اس کمتری میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ زندگی کے کسی شعبے میں دوسروں کو آگے بڑھتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میرے قریبی عزیز بھی اس رویے سے محفوظ نہ تھے، سیکنڈری اسکول میں پڑھنے والے میرے دو بھانجے انتہائی ذہین ہیں، وہ پڑھائی کے سلسلے میں مجھ سے مدد کے طالب ہوئے تو میرا جی چاہا کہ انہیں صاف جواب دے دوں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ پڑھ لکھ کر لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بن جائیں اور میں بدستور ایک عام انسان شمار کیا جاؤں۔ اپنے سے برتر سے ملتا تو عجیب طرح کی حرکتیں سرزد ہونے لگتیں۔ مقابل کی نظریں بچا کر کبھی بالوں کو اسٹائلش بنانے کی کوشش کرتا اور کبھی ٹائی کی اچھی بھلی ناٹ دوبارہ ٹھیک کرنے لگتا۔ موضوعِ بحث خواہ کچھ بھی ہو، میں خواہ مخواہ کسی ایسے موضوع پر آجاتا تھا جس سے دوسروں پر قابلیت کا رعب پڑے۔ مجھے سوائے اپنی ذات کے کسی سے محبت نہیں تھی۔ اپنی اس ذہنی کشمکش کی وجہ سے کوئی کام دل لگا کر نہیں کرتا تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ حسرتیں اور ناکامیاں میرا مقدر ہیں۔ ہر وقت مردہ دلی چھائی رہتی۔ دوست احباب یہاں تک کہ گھر والوں نے بھی مجھے اپنے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ تنہائی میں رویا کرتا مگر روشنی کی کرن کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ کتاب پڑھنے کا شوق مجھے بچپن سے ہی تھا۔ اب کتابیں تنہائی کی ساتھی بھی بن گئی تھیں اور ذہن میں یہ بات گردش کرتی رہتی تھی کہ شاید میری الجھنوں کا حل ان کتابوں کے ذریعے مجھے مل جائے۔

ایک روز ایک کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اس میں ذہنی الجھنوں کے بارے میں تحریر تھا کہ جس طرح ذہنی کیفیت کا جسم پر اثر ہوتا ہے اسی طرح جسم کی حالت سے ذہن متاثر ہوتا ہے۔ جسم کی آسودگی، آسودگیٔ ذہن کا باعث ہوتی ہے، اس طرح سلسلہ آسودگی چلتا رہتا ہے۔ جب ذہن ہیجان میں ہو تو جسم کے لیے انبساط (Relaxation) کی کیفیت دشوار ہوتی ہے۔ فکر و پریشانی، تشویش، خوف، احساسِ کمتری اور احساسِ گناہ، اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب کوئی شخص زمانہ حال میں نہیں رہتا، بلکہ ماضی کی ناکامیاں اور مستقبل کے اندیشے بے چین و مضطرب رکھتے ہیں۔ ان تمام جسمانی و ذہنی پریشانیوں سے خود کو نکالنے کے کئی طریقے ہیں مگر زیادہ بہتر طریقہ "مراقبہ" ہے۔

میں نے اس پیراگراف کو کئی مرتبہ بغور پڑھا پھر مراقبہ کے بارے میں سوچنے لگا کہ آخر یہ کیسا طریقہ ہے جو ذہنی الجھنوں میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ میں نے مراقبہ کے بارے میں کتابیں خریدیں اور ان کا مطالعہ شروع کیا۔

میں نے مراقبہ کے بارے میں تفصیل سے

مطالعہ کیا اور اسے کرنے کا طریقے کے مطابق بھی اچھی طرح آگہی بھی حاصل کی۔

ایک روز پختہ ارادے سے مراقبہ کا آغاز کر دیا۔ کئی روز تک مراقبہ میں بے چینی اور اکتاہٹ رہی۔ دل کرتا کہ اسے چھوڑ دوں۔ مگر ہمت کر کے مراقبہ جاری رکھا۔ فرصت بھی تھی، وقت بھی تھا اور ذہنی سکون کی تلاش بھی تھی۔ ان تمام باتوں نے مراقبہ جاری رکھنے پر آمادہ کیا۔

ایک روز مراقبہ میں بیٹھا تھا۔ چڑیوں کے چہچہاہٹ سنائی دی ہے۔ کچھ دیر بعد آواز آنا بند ہو گئی۔

ایک روز دوران مراقبہ نظروں کے سامنے رنگ برنگے پھول ہی پھول کھلے ہوئے تھے۔ شبنم کے قطرے ان پھولوں کی نازک پنکھڑیوں پر موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں۔ میں پھلوں کے درمیان ننگے پاؤں چلا جارہا تھا۔ نرم نرم گھاس پیروں کے ساتھ ذہن کو بھی سکون پہنچا رہی تھی۔

ایک روز مراقبہ میں ہزاروں کی تعداد میں خوبصورت چھوٹی بڑی تتلیوں کو دیکھا جو انگور اور سیب کے باغات میں اڑتی پھر رہی تھیں۔

کئی روز مراقبہ سے ذہنی سکون حاصل ہونے لگا تھا۔

ایک روز مقررہ وقت سے پہلے ہی مراقبہ شروع کر دیا۔ مراقبہ میں محسوس ہوا کہ صبح کا وقت ہے آفتاب طلوع ہو رہا ہے۔ سردیوں کی آمد ہے۔ سورج کی کرنیں آہستہ آہستہ چاروں طرف پھیل رہی ہیں۔

چند مہینوں کے مراقبہ سے ذہنی سکون اور یکسوئی کافی بہتر ہوئی ہے۔ اعتماد میں اضافہ اور احساسِ کمتری میں کمی آئی ہے۔ مثبت سوچ اجاگر ہو رہی ہے۔ اب لوگوں کی برائیوں سے زیادہ اچھائیوں پر نظر رہتی ہے۔ اپنی کمزوریوں اور خامیوں پر نظر رکھتے ہوئے اسے دور کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ گفتگو میں ٹھہراؤ آیا ہے، بولنے سے زیادہ سننے کو ترجیح دینے لگا ہوں۔ مجھ سے بیزار رہنے والے میرے عزیز اور دوست مجھ سے قریب ہونے لگے ہیں۔

❀

لیکچر نمبر 10
کلاسز کا مقصد
تزکیۂ نفس کا اہتمام:

ان کلاسز کا مقصد اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن پاک کی مختلف آیات میں غوروفکر کرنا ہے اور کلام پاک کے نور سے ذہن، قلب اور باطن کو روشن اور منور کرنے کی سعی کرنا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے رہنمائی حاصل کرکے اپنی شخصیت کو سنوارنا اور نکھارنا ہے۔

سلسلہ عظیمیہ کا مقصد یا سلسلہ عظیمیہ کا نصب العین عرفانِ الٰہی کی راہوں پر چلنا ہے۔ اس کلاس کا مقصد عرفانِ الٰہی کی راہوں کے تقاضوں کو سمجھنا ہے عرفانِ الٰہی کی راہوں پر چلنے کے لیے نفس تزکیہ لازمی ہے۔ پیغمبروں کی بعثت کے مقاصد میں ایک بڑا مقصد انسانوں کے تزکیہ نفس کا اہتمام کرنا ہے۔

تمام سلاسل طریقت حضرت محمد رسول اللہؐ کے مشن کا تسلسل ہیں اور رسول اللہ کی تعلیمات کے فروغ کا ذریعہ ہیں۔ تمام سلاسل طریقت نے اپنے وابستگان کے لیے، تزکیہ نفس کی تربیت کا بہت زیادہ اہتمام کیا ہے۔ تزکیہ نفس کے لیے ایک سال کا یا دو سال کا یا پانچ سال کا عرصہ درکار نہیں بلکہ یہ تو ساری عمر چلنے والا کورس ہے۔ اس میں مرشد کی طرف سے دی جانے والی ہدایات بھی کام کرتی ہیں اور مرشد کی جانب سے مرید پر کیا جانے والا تصرف بھی اس میں بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

مرشد کی توجہ سے اور تصرف سے طالب علم میں ایک ایسی استعداد پیدا ہو جاتی ہے جس کے ذریعے وہ خود اپنا جائزہ لینے والا بن جاتا ہے۔

خود اپنی خامیوں کا جائزہ لینا بظاہر بڑا آسان کام لگتا ہے لیکن در حقیقت یہ ایک مشکل کام ہے۔ سب

سلسلہ عظیمیہ کے اراکین کو روحانی علوم کی مبادیات سے آگہی فراہم کرنے کے لیے، قرآن پاک کی آیات میں غوروفکر کی ترغیب دینے اور معلم و مربیٔ اعظم حضرت محمد ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں اپنی شخصیت کی تعمیر کی طرف متوجہ کرنے کے لیے مرکزی مراقبہ ہال کراچی میں قلندر شعور اکیڈمی کے زیرِ اہتمام ستمبر 2010ء سے ہر ماہ ایک خصوصی نشست منعقد ہو رہی ہے۔ اس نشست میں ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی آن لائن لیکچر دیتے ہیں۔ اس آن لائن کی تلخیص روحانی ڈائجسٹ کے علم دوست قارئین کے لیے بھی قسط وار پیش کی جارہی ہے۔

سے مشکل کام تو اپنے آپ کو accept کرنا ہے، اس کام میں سب سے پہلی مزاحمت خود اپنی ego کے ہاتھوں ہوتی ہے۔ جب انسان اپنی انا کو ترجیح دینا شروع کرتا ہے پھر وہ شیطان کے لیے بہت ہی آئیڈیل بندہ بن جاتا ہے۔ شیطان کے لیے اپنی انا سے مغلوب بندے کو ورغلانا اور اس پر غلبہ پانا آسان ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے یہ کہا جاتا ہے کہ تسلیم رضا کا پیکر ہونا چاہیے۔ تسلیم رضا کا پیکر بننا یہ ہے کہ آدمی اپنی رائے کو اپنی انا کو اپنی خودی کو نظر انداز کرنا شروع کردے۔

درحقیقت انسان کی زندگی میں یہ ایک بہت مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ ہم زبانی طور پر بلند و بانگ دعوے کرسکتے ہیں۔ ہم یہ اعلان کرسکتے ہیں کہ ہم اپنے آپ میں ہر تبدیلی کے لیے اور ہر طرح کے ارتقاء کے لیے تیار ہیں لیکن اپنے ان دعووں کو عملاً پورا کرنا آسان نہیں ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان تبدیلیوں کا فائدہ کسی دوسرے کو نہیں بلکہ خود اپنے اندر مثبت تبدیلیاں لانے والے ہی کو پہنچے گا لیکن جو بھی لوگ عام طور پر اپنے انتہائی محدود مفادات کو اولیت دیتے ہیں، دوسروں کے مفادات کے لیے خود پر جبر کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔ سلاسل طریقت کا مثبت ماحول میں خود کو تبدیلیوں کے لیے تیار کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

سلاسل طریقت کے اسباق میں ریاضت اور مجاہدے ہی شامل نہیں بعض ریاضتیں آسان ہیں بعض مشکل اور بعض بہت مشکل، لیکن ان تمام ریاضتوں کا مقصد ایک اچھی شخصیت کی تعمیر ہے۔

فرض کریں کہ میں کراچی سے سکھر جارہا ہوں ایک بذریعہ روڈ اور مجھے بتایا جائے کہ راستے میں فلاں فلاں جگہ روڈ خراب ہے یا فلاں جگہ پیٹرول دستیاب نہیں ہے یا فلاں جگہ سروسز دستیاب نہیں ہیں تو میں اس کے مطابق اپنی ضروری تیاری کر کے چلتا ہوں آگے جب کوئی خراب سڑک آنے لگتی ہے تو بائی پاس کا راستہ اختیار کرتا ہوں یا اس کے مطابق سفر کرتا ہوں تو یہ مشکلات آپ کو اس لئے بتائی جا رہی ہیں کہ آپ manage کر سکیں۔ یہ مشکلات آپ کو سفر کی دشواریوں اور دقتوں سے بچانے کے لئے بتائی جارہی ہیں ان کے بتانے کا مقصد آپ کو روکنا نہیں ہے سفر تو کرنا ہے اس سفر کی دشواریاں اگر آپ کو پتہ چل جائیں تو آپ اپنا زاد راہ اس کے مطابق لے کر چلتے ہیں۔

انسان کو خود اس کی ego الجھا دیتی ہے۔ جب ہماری ego اکساتی ہے تو شیطان کے لیے کام آسان ہو جاتا ہے اور دماغ negative چلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اب ان negative باتوں میں الجھ کر یا تو انسان سازشیں اور جوڑ توڑ کرتا ہے یا اس negative feeling کے تحت انسان مایوسی میں چلا جاتا ہے۔ دونوں باتیں غلط ہیں۔

مرشدِ کریم کی قربت کا بدل:

ان تعلیمات کا مقصد ہماری شخصیت کی تعمیر personality development اور کردار سازی ہے۔ تزکیہ نفس کا اہتمام کرتے ہوئے تو personality development کے مختلف پہلو ہیں مثال کے طور پر ایک بات یہ کہ میری شخصیت میں negative چیزیں نمایاں نہ ہوں اور جو ہیں وہ کم سے کم ہو جائیں۔ میری شخصیت کی اچھائیاں اور positive چیزیں ترقی کریں۔

ego ذاتی انا اپنے حقوق طلبی پر بہت زیادہ ظرف چیزوں کے منفی اثرات کو پہچاننے والے ہیں اور ان کے منفی اثرات سے خود کو بچانے کا اہتمام کیا جائے۔
اس کلاس کا مقصد اس طرح کی شخصیت کو تیار کرنا ہے۔
اس کلاس کا مقصد یہ بھی ہے کہ آپ کی لاشعوری استعداد میں اضافہ کیا جائے یعنی شعوری استعداد میں اضافے کے ساتھ لاشعوری استعداد میں بھی اضافہ ہو۔

کلاس کے تحت یاحی یاقیوم کا چلہ کیا گیا اللہ تعالیٰ کے اسماء یاحی یاقیوم یا دیگر اسما کے ذکر کی برکتیں ہیں۔
جب بھی اللہ کا نام لیا جائے گا۔ انشاء اللہ آپ کو اس کی برکتیں ضرور ملیں گی۔ جس جگہ اللہ کا ذکر کیا جائے اس جگہ برکتیں نازل ہوتی ہیں ایک تو یہ برکتیں ہیں اور ایک اللہ کے اسماء کی روشنیاں ہیں۔ روحانی صلاحیتوں میں ترقی یا لاشعوری استعداد میں اضافہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذکر کرنے والا جب یاحی یاقیوم کا ذکر کر رہا ہوگا تو یاحی یاقیوم کی روشنیاں بھی اس بندے کے قلب کو روشن کریں گی۔ زبان سے ذکر کرنے سے ضروری نہیں کہ اس اسم کی روشنیاں بھی داخل ہو رہی ہوں۔ یہ بات اس وقت وقوع پذیر ہوگی جب آپ کی لاشعوری یا ریسیونگ capacity میں اضافہ ہو۔

قربت کا کچھ بدل نہیں ہے یہ تو اپنی جگہ طے ہے قربت کا تو کچھ بدل نہیں ہے جو تعلیم آپ مرشد کے ساتھ رہ کر حاصل کریں گے۔ اس کا کوئی بدل نہیں اگر قربت ضروری نہ ہوتی خانقاہیں وجود میں نہ آتیں۔ مدرسے درسگاہیں یہ فاصلاتی کلاسز اس ضرورت کا نعم البدل نہیں ہیں تاہم ان کلاسز کا یہ مقصد ضرور ہے کہ جو ہمارے عظیمی بہن بھائی جغرافیائی لحاظ سے ایک فاصلہ پر رہتے ہیں ان کے لیے تعلیم کا تربیت کا ایک ایسا انتظام نافذ کیا جائے جو کم از کم ایک level maintain کر دے اور جتنا بھی ہو سکے دور رہتے ہوئے ان کو نہ صرف آگہی دی جائے بلکہ ان کی باقاعدہ تربیت کا بھی اہتمام کیا جائے۔

(جاری ہے)

قارئین کرام سے گزارش

ادارہ روحانی ڈائجسٹ قارئین کرام کی سہولت کی خاطر خط لکھنے والے کرم فرما قارئین سے گزارش کرتا ہے کہ آپ روحانی ینگ مائنڈز کلب، میری پسندیدہ کتاب، قند سخن، معلوماتِ عالم، بچوں کا روحانی ڈائجسٹ، اس ماہ کے بہترین مضامین اور روحانی سوال وجواب کو ایک ہی لفافے میں ارسال کرنے کے ساتھ ساتھ روحانی ڈاک، محفل مراقبہ، اور شعبہ سرکولیشن کے خطوط بھی اسی لفافے میں ارسال کرسکتے ہیں۔ اگر آپ کسی بھی شعبہ کے خطوط کے ساتھ روحانی ڈاک بھی ایک ہی لفافے میں ارسال کر رہے ہوں تو لفافہ پر اس شعبے کے نام کے ساتھ ساتھ روحانی ڈاک لکھنا نہ بھولیں۔ نگارشات کے ہمراہ اپنا پورا نام اور مکمل ایڈریس اور تاریخ ضرور تحریر کریں۔ بصورت دیگر نگارشات کی اشاعت ممکن نہیں ہوگی۔ سرکولیشن سے متعلق استفسارات کے ساتھ اپنا رجسٹریشن نمبر لازماً تحریر کریں۔

شرح لوح و قلم

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاءؒ

شارح : خواجہ شمس الدین عظیمی

اللہ تعالیٰ نے اپنے ذہن کے اندر، کائنات کے تصورات کو جب "کُن" فرمایا تو کائنات وجود میں آگئی۔ کائنات میں کوئی ترتیب نہ تھی۔ ترتیب نہ ہونا لاتناہیت میں پھیلنا ہے۔ جب ارادہ الٰہیہ نے شے کے تصور کو لاتناہیت سے الگ کرنا چاہا تو شے کی ایک صورت بن گئی۔ جیسے ہی شے کی صورت بنی شے کو اپنے ہونے کا علم حاصل ہو گیا۔ یعنی شے کی صورت ایک علم بن گئی۔ شے کے مجموعی تصورات جب علم کا سانچا بنے تو لفظ بن گئے۔ پھر شے کی ہستی لفظ کی گرفت میں آگئی اور لفظ اسے پردہ (کتاب المبین) سے باہر کھینچ لایا۔

لفظ کی تین قسمیں ہیں۔

دو قسمیں ایسی ہیں کہ ان کو برائے لفظ کہا جاسکتا ہے۔

یہ دو قسم کے لفظ ظہور کے بعد استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً اچھا یا برا۔ اچھا ایسا لفظ ہے جو تائید کرتا ہے۔ برا ایسا لفظ ہے جو تردید کرتا ہے۔ دونوں الفاظ میں تصورات کا ایسا مجموعہ پوشیدہ ہے جو ظہور میں آچکا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے۔ اول آخر، ظاہر باطن پر تفکر کیا جائے تو اس کے

کتاب لوح و قلم روحانی سائنس پر وہ منفرد کتاب ہے جس کے اندر کائناتی نظام اور تخلیق کے فارمولے بیان کیے گئے ہیں۔ ان فارمولوں کو سمجھانے کے لیے سلسلہ عظیمیہ کے سربراہ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی نے روحانی طلباء اور طالبات کے لیے باقاعدہ لیکچرز کا سلسلہ شروع کیا جو تقریباً ساڑھے تین سال تک متواتر جاری رہا۔ یہ لیکچرز بعد میں کتابی صورت میں شائع کیے گئے۔ ان لیکچرز کو روحانی ڈائجسٹ کے صفحات پر پیش کیا جا رہا ہے تا کہ روحانی علوم سے دلچسپی رکھنے والے تمام قارئین حضرات و خواتین ان کے ذریعے آگاہی حاصل کر سکیں۔

علاوہ کوئی معنی نہیں نکلتے کہ اللہ محیط کل ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم ظاہر کو دیکھتے ہیں اور باطن کو نہیں دیکھتے۔ ہم جو دیکھ رہے ہیں دراصل وہ نہیں دیکھ رہے کیونکہ نہیں جانتے کہ کس سے دیکھ رہے ہیں اور ادراک کر رہے ہیں لیکن ادراک نہیں کر رہے اس لیے کہ نہیں معلوم کس سے ادراک کر رہے ہیں۔ لوح و قلم کے ابتدائی صفحات میں حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے انسانی جسم اور روح کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انسانی جسم دراصل روح کا لباس ہے۔ ہم اس طرف متوجہ نہیں ہوتے کہ ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں اس کی کنہ سے واقف نہیں ہیں۔ اگر ہمارا دیکھنا اپنا دیکھنا ہوتا تو ہم اس وقت بھی دیکھ سکتے جب روح لباس کو چھوڑ دیتی ہے۔ اگر سمجھنا فی الواقع سمجھنا ہوتا تو ہمارے اندر فہم اس وقت بھی کام کرتی جب روح لباس چھوڑ جاتی ہے۔ جب ہم اپنی ذات کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس تذکرے میں ذہنی رابطہ صرف جسمانی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری فہم امر تک رسائی نہیں کرتی۔

ہم الفاظ کو کسی چیز کے رد کرنے یا قبول کرنے میں استعمال کرتے ہیں جس لفظ کو رد میں استعمال کیا جاتا ہے اس لفظ میں رد ہونے کے تصورات کام کرتے ہیں اور جن الفاظ کو قبولیت کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے اس میں قبولیت کے تصورات کام کرتے ہیں۔ لفظ رد میں استعمال کیا جائے یا قبول میں دونوں صورتوں میں الفاظ خلق ہیں کیونکہ یہ خلاء نہیں ہے تصورات سے لبریز ہونے کے بعد وجود میں آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

تمام امور اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ پانی ایسے تصورات کا خول ہے جس شے میں داخل ہو جاتا ہے وہی شے بن جاتا ہے۔ پانی پھول میں جا کر پھول کانٹے میں کانٹا پتھر میں پتھر سونے میں سونا ہیرے میں ہیرا بن جاتا ہے۔ یہ پتھر سونا ہیرا پھول کانٹا سب تصورات کا مجموعہ ہے۔ ہمارے ذہن میں تصورات کا ایک مجموعہ ہے جس کو ہم سونا کہہ کر پکارتے ہیں اور تصورات کا ایک دوسرا مجموعہ ہے جس کو ہیرا کہتے ہیں۔ سونا اور ہیرا دو لفظ ہیں یا دو خول ہیں جن میں تصورات کے الگ الگ مجموعے مقید ہیں۔ ان میں ہر مجموعہ ادراک ہے۔ ادراک کو آواز میں قید کیا جائے تو لفظ بن جاتا ہے۔

ہم کوئی بات سوچتے ہیں وہ بات ہمارے ادراک میں ہے لیکن ابھی یہ لفظ ادراک کے اندر داخل ہو کر آواز کی شکل میں نہیں آیا تو جب تک ادراک آواز میں قید نہ ہو لفظ نہیں بنتا اور جب ادراک آواز کے روپ میں سامنے آتا ہے تو لفظ بن جاتا ہے۔

انسان کے اندر ادراک ذہن ہے۔ ذہن کی وسعت کائنات کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہے۔

انسان کے ادراک میں لامتناہی وسعت ہے۔ یہ لامتناہی وسعت پوری کائنات کو محیط ہے۔ مثلاً جب ہم تصور کرتے ہیں تو ہمارا تصور زمین سے نکل کر عرش پر عرش سے پرواز کر کے باری تعالیٰ کی ہستی تک پہنچ جاتا ہے۔ ہم تشریح اس طرح کریں گے کہ ادراک کا ایک رخ گہرائی ہے جو زمان ہے۔ دوسرا رخ پھیلائی ہے جس کو مکان کہا جاتا ہے۔ ہر انسان ادراک کے اعتبار سے زمان و مکان کا مجموعہ ہے۔

(جاری ہے)

قرآن پاک رشد وہدایت کا ایسا سرچشمہ ہے جو ابد تک ہر دور اور ہر زمانے میں انسان کی رہنمائی کرتا رہے گا۔ یہ ایک مکمل دستورِ حیات اور ضابطۂ زندگی ہے۔ قرآنی تعلیمات انسان کی انفرادی زندگی کو بھی صراطِ مستقیم دکھاتی ہیں اور معاشرے کو اجتماعی زندگی کے لیے رہنما اصول سے بھی واقف کراتی ہیں۔

بَهْجَة

عربی زبان میں لفظ بھج کے لغوی معنی خوش منظر شاداب اور حسین چیز کے ہیں۔ کسی انسان کا خوش و مسرور Gladden & Cheer ہونا، کسی چیز کا خوبصورت اور پر رونق Brilliance & Splendour ہونا اور کسی جگہ کا سرسبز و شاداب Fresh & Verdant ہونا اس کے معنوں میں آتے ہیں۔ علامہ راغب اصفہانی کی کتاب المفردات کے مطابق "اَلْبَهْجَةُ کے معنی خوشنمائی اور فرحت و سرور کے ظاہر ہونے کے ہیں.... بَهُجَ کے معنی خوشنما اور تروتازہ ہونے کے ہیں اور بَهِيج کے معنی خوشنما چیز کے ہیں، اِبْتَهَجَ کہتے ہیں کوئی اس قدر خوش اور مسرور ہو کہ چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہو جائیں، اِبْهَجَهُ کے معنی خوش کرنے کے ہیں۔"

قرآن مجید میں یہ لفظ سرسبز (بَهْجَة) اور خوشنما (بَهِيج) کی صورت میں کل تین 3 مرتبہ آیا ہے۔
ترجمہ: "بھلا کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور (کس نے) تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا؟ (ہم نے) پھر ہم ہی نے اس سے سرسبز (بَهْجَة) باغ اگائے .... تمہارا کام نہ تھا کہ تم ان کے درختوں کو اگا سکتے.... تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟....(ہر گز نہیں) بلکہ

یہ لوگ راستے سے الگ ہو رہے ہیں۔" [سورۂ نمل (27): آیت 60]

ترجمہ: "اور زمین کو (دیکھو اسے) ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑ رکھ دیئے اور اس میں ہر طرح کی خوشنما (نباتات کی جوڑا جوڑا) چیزیں اگائیں۔" [سورۂ ق (50): آیت 7]

ترجمہ: "اور (اے دیکھنے والے) تو دیکھتا ہے (کہ ایک وقت میں) زمین خشک (پڑی ہوتی ہے) پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ شاداب ہو جاتی ہے اور ابھرنے لگتی ہے اور طرح طرح کی بارونق (نباتات کی جوڑا جوڑا) چیزیں اگاتی ہے۔" [سورۂ حج (22): آیت 5]

۩۩۩

بَہَل

عربی زبان میں لفظ بہل کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کا اس حال میں ہونا کہ اس کی دیکھ بھال نہ کی جائے، یعنی اپنے حال پر چھوڑ دینا.... عرب میں باہل عموماً اس اونٹ یا چوپائے کو کہتے ہیں جسے بندیا نشان لگائے بغیر یا پھر بغیر مہار کے کھلا چھوڑ دیا جائے کہ جہاں چاہے جا کر گھاس چرتا پھرے، یا ایسی اونٹنی یا چوپایا جس کے تھن باندھے بغیر چھوڑ دیے جائیں تاکہ اس کا بچہ دودھ پی سکے۔ باہلہ ایسی عورت کو کہا جاتا ہے جسے اس کا شوہر آزاد چھوڑ دے کہ تمہیں پوری آزادی ہے اور وہ اپنی مرضی سے جس طرح چاہے زندگی گذارے.... ابہلت کہا جاتا ہے کسی کو اس کی رائے اور ارادہ میں آزاد چھوڑ دینا.... البہل اور ابتہال کے ایک معنی لعنت بھیجنے یا بددعا کرنے کے بھی ہیں، یعنی کسی کو برائی میں مبتلا دیکھ کر اس پر لعنت بھیج کر اس کا معاملہ خدا پر چھوڑ دینا.... قرآن مجید میں یہ لفظ دعا و التجاء (نَبْتَهِلْ) کی صورت میں صرف ایک مرتبہ آیا ہے۔

ترجمہ: "بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے کہ اس نے مٹی سے ان کا قالب بنایا پھر فرمایا کہ ہو جاؤ تو وہ (جیتے جاگتے انسان) ہو گئے، (یہ بات) تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے، سو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا، پھر اگر یہ (نصاریٰ) لوگ عیسیٰ کے بارے میں تم سے جھگڑا کریں اور تم کو حقیقت الحال تو معلوم ہو ہی چلی ہے تو ان سے کہنا کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں اور تم خود بھی آؤ پھر دونوں فریق (خدا سے) دعا و التجاء (نَبْتَهِلْ) کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت بھیجیں۔" [سورۂ آل عمران (3): آیت 59-61]
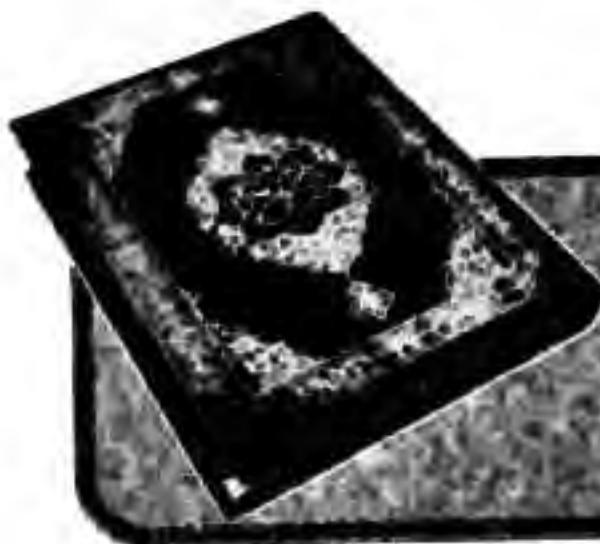
۩۩۩

ان صفحات پر روحانی سائنس سے متعلق آپ کے سوالوں کے جوابات محقق نظریہ رنگ و نور الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی پیش کرتے ہیں۔ اپنے سوالات ایک سطر چھوڑ کر صفحے کے ایک جانب خوشخط تحریر کر کے درج ذیل پتے پر ارسال فرمائیں۔ برائے مہربانی جوابی لفافہ ارسال نہ کریں کیونکہ روحانی سوالات کے براہ راست جوابات نہیں دیے جاتے۔ سوال کے ساتھ اپنا نام اور مکمل پتہ ضرور تحریر کریں۔

روحانی سوال وجواب-1/7،D-1، ناظم آباد۔ کراچی74600

سوال: ماورائی علوم سیکھنے کے لیے اسباق کا مقصد یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ سالک کے خیالات میں پاکیزگی پیدا ہو جائے۔

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اصل علم سیکھنے کی ابتدا ابھی نہیں ہوئی بلکہ وہ علم سیکھنے کے لیے خود کو تیار کرنے کا مرحلہ میں داخل ہوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا مخفی علوم حاصل ہو جانے کے بعد از خود ذہنی یکسوئی اور مثبت طرز فکر طالب علم کو حاصل نہیں ہو جاتی....؟

(محمد حامد۔ کراچی)

جواب: انسان ان ہی حقیقتوں کو سمجھنے اور پالینے کی کوشش کرتا ہے جن کی کوئی بنیاد ہوتی ہے۔ ان میں زیادہ حقیقتیں ایسی ہیں جو موجود ہونے کے باوجود ہمارے شعور میں نہیں آتیں۔ شعور کے دائرہ کار میں رہ کر ہم لاکھ کوششیں کریں لیکن ہم ان حقیقتوں کو اپنے اعصابی نظام اور گوشت پوست کے دماغ سے نہیں پہچان سکتے۔ جب ہم ان اٹل حقیقتوں کی چھان بین کرتے ہیں تو اس ادراک کی بنیاد وہ علم نہیں ہوتا جس میں شعوری حواس اور ادراک کا دخل ہوتا ہے اور ہماری عقل ان گتھیوں کو سلجھانے سے قاصر نظر آتی ہے۔ عقل عملی تجربہ کی بنیاد پر آگے بڑھتی ہے جبکہ غیب میں آباد دنیا کے رموز و نکات کا تعلق لاشعوری حواس سے ہے۔ جدید سائنس کی رو سے آدمی سو سے زائد عناصر سے مرکب ہے۔ آگ، پانی، ہوا، مٹی، ہائیڈروجن، ریڈیم، کاربن، نائٹروجن وغیرہ

غرض یہ کہ جتنے بھی عناصر مل کر کسی مادہ کی تشکیل و تخلیق کرتے ہیں وہ سب آدمی کے اجزائے ترکیبی میں بھی شامل ہیں۔

جب ہم مادی اعتبار سے آدمی، حیوانات، چرندے، پرندے، درندے ذی روح اور غیر ذی روح کبھی جانے والی مخلوق کا تجزیہ کرتے ہیں تو سب ایک خالق کی تخلیق نظر آتے ہیں۔ آدمی جہاں افضل ہو کر انسان بنتا ہے اور اس میں جو چیز تمام مخلوق سے افضل و اعلیٰ ہے وہ اس کی قوت ارادی ہے۔ انسان اپنی قوت ارادی سے وہ ہر کام کر لیتا ہے جو دوسری مخلوق نہیں کر سکتی۔

زمین پر سے خس و خاشاک دور کر کے کوئی پودا لگا دیا جائے تو وہ جلد نشو و نما پاتا ہے اور جوان ہو کر اچھا پھل دیتا ہے۔ اسی طرح جب ذہن کو پوری طرح صاف کر کے کسی تنے علم کا پودا اس میں لگایا جائے تو اس پر بہت جلد پھل لگ جاتا ہے۔

جس طرح آپ اپنے جسم کا فاسد مادہ خود ہی خارج کر دیتے ہیں یا وہ قدرتی نظام کے تحت خارج ہو جاتا ہے اسی طرح ہیجان، جذبات اور خیالات کی کثافت کا خارج ہونا بھی ضروری ہے جب تک دماغ جذبات و ہیجان کی کثافت سے صاف نہیں ہوتا۔

آدمی روحانی ترقی نہیں کر سکتا۔ اس صفائی کو حاصل کرنے کے لیے براہ راست مخفی علوم منتقل کرنے سے پہلے ذہنی یکسوئی حاصل کرنے کے اسباق تجویز کیے جاتے ہیں۔ نظریہ رنگ و نور کی رو سے ماورائی طاقت کی کارکردگی اور دماغ کے کمپیوٹر کو سمجھ لیا جائے، ظاہر ہے کہ جب ہم عملاً اس مادی نظام سے الگ ہو کر دماغ کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے دماغ کی کارکردگی اور دماغ میں موجود مخفی صلاحیتیں ہمارے سامنے نہیں آئیں گی۔ ان مخفی اور لامحدود صلاحیتوں سے آشنا ہونے کے لیے یہ امر لازم ہے کہ ہم اس بات سے واقف ہوں کہ مفروضہ حواس کی گرفت سے آزاد ہونا کس طرح ممکن ہے۔

سوال: اہل روحانیت مراقبے (Concentration) کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے....؟

(اشفاق علی۔لاہور)

جواب: انسان گوشت پوست اور ہڈیوں کے ڈھانچے کا نام نہیں ہے، کیا انسان کے اوپر ایک اور روشنیوں کا بنا ہوا جسم ہے جس کو "نسمہ" کا نام دیا گیا ہے۔ روشنیوں سے بنا یہ جسم روح نہیں ہے جس طرح روشنیوں کے بنے ہوئے جسم نے اپنے لیے گوشت پوست کا لباس "مادی جسم" بنایا ہے اسی طرح روح نے یہ روشنیوں کا انسان تخلیق کیا ہے....

انسان کے اندر روشنی کے چھ نقطے یا روشنی کے چھ قمقمے ہوتے ہیں جن کو تصوف میں "لطائف" کہا جاتا ہے، ہر دو لطائف سے ایک روح بنتی ہے اور ان تین روحوں کے مجموعے کا نام انسان ہے۔ مثلاً شعلے کا رنگ، شعلے کا اجالا اور گرمی جو شمع کے جلنے سے پیدا ہوتی ہے۔ جب ہم لفظ شمع کہتے ہیں تو اس سے مراد تینوں اجزاء کی اجتماعی

شکل وصورت ہوتی ہے، ان تینوں میں سے کسی ایک کو بھی شمع کے وجود سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ بعینہٖ اسی طرح انسان تین روحوں سے مرکب ہے۔ ہر روح میں لطائف کی ترتیب کچھ اس طرح سے ہے کہ لطیفۂ نفسی اور لطیفۂ قلبی سے "روح حیوانی" کا جسم بنتا ہے۔ لطیفۂ روحی اور لطیفۂ سرّی سے "روح انسانی" وجود میں آتی ہے۔ لطیفۂ خفی اور لطیفۂ اخفیٰ سے "روح اعظم"..... کی تشکیل ہوتی ہے۔ روح حیوانی کے اوپر ہمیشہ زرد رنگ غالب رہتا ہے۔ روح انسانی پر سبز رنگ غالب رہتا ہے اور روح اعظم پر نیلے رنگ کا غلبہ رہتا ہے جس قدر زرد رنگ کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے آدمی دنیاوی لوازمات میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

روحانیت میں مراقبہ اس لیے کرایا جاتا ہے کہ آدمی کے اوپر سے زرد رنگ کی گرفت کم ہو جائے۔ زرد رنگ کی گرفت کم ہونے سے آدمی کا ذہن سبز روشنیوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ یہ سبز روشنیاں اسے سکون دیتی ہیں اور ذہنی ارتکاز میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ جب ذہنی ارتکاز سبز روشنیوں پر ہوتا ہے تو ذہن نیلی روشنیوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ نیلی روشنیوں کے بعد بے رنگی کی کیفیت ہے۔ جب کوئی بندہ نیلی روشنیوں کی گرفت سے آزاد ہو جاتا ہے تو اس کا ذہن بے رنگی میں منتقل ہو جاتا ہے۔ ذہن انسانی کی تخلیق اللہ نے کچھ اس طرح کی ہے کہ وہ کسی جگہ ٹھہرتا نہیں ہے۔ رنگینی سے آزاد ہو کر بے رنگی اور بے رنگی سے نکل کر "ورائے بے رنگ" کا مشاہدہ کرلیتا ہے۔

تصوف میں سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ارادے اور اختیار سے اپنے اوپر ایسی کیفیات محیط کرے جو اس کو دنیاوی خیالات سے آزاد کردیں دنیاوی خیالات سے آزاد ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی کھانا پینا چھوڑ دے، کپڑے نہ پہنے، گھر میں نہ رہے، شادی نہ کرے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیاوی معاملات میں ذہن کا انہماک نہ ہو، صرف انہیں روٹین کے طور پر پورا کرے۔ مثلاً ایک آدمی کی ضرورت ہے کہ وہ پانی پیئے۔ اسے جب پیاس لگتی ہے پانی پی لیتا ہے، وہ تمام دن اپنے اوپر پیاس کو مسلط نہیں کرتا۔ پانی کا تقاضہ پیدا ہوا، پانی پیا اور بھول گیا۔

اسی طرح آدمی زندگی قائم رکھنے کے لیے کھانا کھاتا ہے، لیکن کوئی آدمی صبح سے شام اور شام سے صبح تک اس خیال میں غرق نہیں رہتا کہ کھانا کھاتا ہے یا کھانے میں اتنی دیر باقی ہے۔ یہی صورتحال سونے اور جاگنے کی ہے۔ یہی صورتحال رشتہ داروں اور دوستوں سے میل جول کی ہے۔ جب کوئی بندہ کسی ایک، دو، دس، بیس، پچاس خیالات میں اس طرح گھر جاتا ہے کہ اس کا ذہن کسی وقت یکسو نہیں ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ بے رنگی سے دور ہو کر رنگوں کی دنیا میں مصروف ہو گیا ہے۔ اگر کوئی بندہ دنیاوی ضروریات کے تمام اعمال کو Routine کے طور پر انجام دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ رنگوں کی دنیا میں رہتے ہوئے بے رنگ دنیا کی طرف سفر کررہا ہے۔

❁❁❁

پوری نوع انسانی میں ایک باہمی ربط اور تعلق ہے اور یہ ربط اور تعلق انسان کو یقین فراہم کرتا ہے کہ انسان مخلوق ہے، مخلوق سے مراد یہ ہے کہ اس کا کوئی سر پرست ہے جس نے اسے پیدا کیا اور زندگی گزارنے کے لئے وسائل مہیا کئے۔

علمائے دین اور دنیا کے مفکرین کو چاہیے کہ وہ مل کر خالق اور مخلوق کے تعلق کو صحیح طرزوں میں سمجھنے کی کوشش کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ قلبی تعلق استوار کرنے کے لئے جدوجہد کریں، یہی وہ یقینی عمل ہے جس سے نوع انسانی کو ایک مرکز پر جمع کیا جا سکتا ہے۔

اس وقت نوع انسانی مستقبل کے خوفناک تصادم کی زد میں ہے۔ دنیا اپنی بقا کی تلاش میں لرز رہی ہے۔ آندھیاں چل رہی ہیں، سمندری طوفان آ رہے ہیں، زمین پر موت رقص کر رہی ہے۔

انسانیت کی بقا کے ذرائع توحید باری تعالیٰ کے سوا کسی اور نظام میں نہیں مل سکتے۔

ترجمہ: اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسا کر تمہارے کھانے کے لئے پھلوں کو نکالا، پس تم اللہ کے ساتھ شریک نہ بناؤ اور تم جانتے تو ہو۔ (سورۃ البقرہ۔ 21-22)

خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ! کونسا گناہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا ہے؟"......

آپ ﷺ نے فرمایا "یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرو حالانکہ تمہیں پیدا کرنے والا اللہ ہے"۔ (صحیح بخاری، کتاب الایمان، جلد اوّل صفحہ نمبر 180)

اللہ تعالیٰ کو یکتا اور وحدہٗ لاشریک ماننا، اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت اور ختم نبوت کو زبان اور دل سے قبول کرنا ایک مسلمان کے لئے لازم ہے۔ عقیدۂ توحید و رسالت اور ختم نبوت میں گہرا تعلق ہے اور ان عقائد میں سے کسی ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔

از طرف: ایک بندۂ خدا

خطباتِ عظیمی

روحانی زندگی میں داخل ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی کھانا نہ کھائے، پانی نہ پئے، کپڑے نہ پہنے، اس کے دوست احباب نہ ہوں۔ یہ سب اس لئے ہونا ضروری ہے کہ دنیا کو وجود بخشنے والا اس دنیا میں رونق دیکھنا چاہتا ہے۔ اس دنیا کو قائم رکھنا چاہتا ہے۔ دنیا میں جو وسائل پیدا کئے گئے ہیں ان کا فائدہ بہر حال انسانوں کو پہنچتا ہے اور پہنچتا رہے گا۔

روز مرہ زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ اہم ہے وہ روزی اور رزق کا حاصل کرنا ہے اس لئے کہ رزق حاصل کئے بغیر زندگی ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔

زندگی کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ہمارے سامنے یہ بات موجود ہے کہ ہماری زندگی مختلف مراحل اور مختلف زمانوں سے مزین ہے۔ زندگی کے قیام کا پہلا زمانہ یا مرحلہ ایسی بند کوٹھری ہے جس میں بظاہر نہ ہوا کا گزر ہے۔ نہ ہی اس کوٹھری میں رہتے ہوئے وہ پانی روزی حاصل کرنے کے لئے کوئی محنت اور مشقت کرتا ہے۔ لیکن اسے روزی ملتی ہے۔ اس کی نشو و نما بھی ہوتی ہے۔ اس کے بعد مکمل آدمی کی شکل و صورت اختیار کر کے بچہ اس کوٹھری سے باہر آجاتا ہے اب بھی وہ اس قابل نہیں ہے کہ اپنی ضروریات خود پوری کر سکے۔ اس کی زندگی کو نشو و نما دینے کے لئے اللہ تعالیٰ ماں کے دل میں محبت ڈال دیتا ہے اور ساتھ ہی ماں کے سینے کو اس بچے کے لئے دودھ کا چشمہ بنا دیتا ہے۔ بچہ بغیر کسی جدوجہد کے غذا حاصل کرتا رہتا ہے اور اس کی پرورش ہوتی رہتی ہے۔ بچپن سے گزر کر لڑکپن کے زمانے میں بھی اس کو اپنی روزی حاصل کرنے کی کوئی فکر لاحق نہیں ہوتی۔ اس کی تمام ضروریات کا کفیل اللہ تعالیٰ نے اس بچے کے ماں باپ کو بنا دیا ہے۔ اب بچہ لڑکپن سے نکل کر شعور کی دنیا میں داخل ہوتا ہے۔ شعور کی دنیا میں یہ انقلاب برپا ہوتا ہے کہ وہ سوچتا ہے کہ مجھے روزی حاصل کرنے کے لئے کچھ کرنا ہوگا۔ وہ اس تگ و دو میں اپنی پچھلی ساری زندگی کو فراموش کر دیتا ہے۔ اس کے ذہن سے یہ بات

اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس بات کا پابند کر دیا ہے کہ وہ نوعِ انسان اور زمین کے اوپر آباد تمام مخلوق کو روزی فراہم کرے

روز مرہ زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ اہم ہے وہ روزی اور رزق حاصل کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کا سہارا سمجھنے لگتی ہیں تو ایسی قومیں زمین پر بوجھ بن جاتی ہیں۔

نکل جاتی ہے کہ بغیر کسی جدوجہد کے بھی اللہ تعالیٰ مجھے رزق دیتے رہے ہیں۔ ہمارا جوانی کے دور میں یہ سوچنا کہ ہمیں رزق ہماری محنت سے ملتا ہے۔ صحیح طرز فکر کے خلاف ہے، اس لئے کہ ہماری زندگی کا تین چوتھائی بغیر محنت اور مزدوری کر کے گزرتا ہے۔ محنت، مزدوری اور کوشش اس لئے کی جانی چاہئے کہ اللہ کا نظام یہ ہے کہ اللہ اس کائنات کو ہر لمحہ اور ہر آن متحرک دیکھنا چاہتا ہے۔ جس طرح کہ اللہ نے ماں کے دل میں محبت پیدا کر دی اور ماں کو رزق پہنچانے کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس بات کا پابند کر دیا ہے کہ وہ نوع انسان اور زمین کے اوپر آباد تمام مخلوق کو روزی فراہم کرے۔ آپ زمین میں بیج ڈالتے ہیں۔ اگر زمین بیج کی نشوونما کرنے سے انکار کر دے تو دنیا ویران ہو جائے گی جب کوئی چیز پیدا ہی نہیں ہو گی تو تمام حرکت اور تمام گردشیں رک جائیں گی۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ماں کے دل میں محبت ڈال دی اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زمین کے دل میں بھی اپنی مخلوق کی محبت ڈال دی اور اسے پابند کر دیا کہ وہ زمین پر آباد مخلوق کی خدمت کرے۔ اسی طرح چاند اور سورج کو بھی اللہ تعالیٰ نے خدمت گزاری کے لئے مسخر اور پابند کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ زمین اگر اپنا ارادہ اور اختیار استعمال کر کے گیہوں نہ اگائے، سورج اپنی روشنی یا دھوپ سے گندم کو نہ پکائے تو آپ روٹی کیسے کھائیں گے؟ اور روٹی پر ہی کیا دارومدار ہے ہر چیز کی یہی صورت ہے۔ جب زمین پر کوئی چیز پیدا نہیں ہو گی تو ہم زندہ کیسے رہیں گے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آدمی کو رزق اس کی ذاتی محنت کی وجہ سے نہیں ملتا، رزق پہلے سے موجود ہے۔ اسے رزق حاصل کرنے کے لئے صرف حرکت کرنی پڑتی ہے۔

طرز فکر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ مجھے اس لئے حرکت کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ حرکت پسند فرماتے ہیں، اس لئے کہ ساری کائنات بجائے خود ایک حرکت ہے۔ کائنات کا وجود اسی وقت زیر بحث آیا جب اللہ تعالیٰ کے ذہن نے حرکت کی یعنی اللہ تعالیٰ نے "کُن" فرمایا۔ "کُن" اللہ تعالیٰ کے ذہن کی ایک حرکت ہے اور یہ حرکت جاری و ساری ہے۔ انسان کے اندر جب یقین راسخ ہو جاتا ہے تو اس کی طرز فکر یہ ہوتی ہے کہ میری ہر حرکت، میرا ہر عمل اللہ کے رحم و کرم پر قائم ہے۔ وہی روزی دیتا ہے۔ وہی حفاظت کرتا ہے، وہی زندہ رکھتا ہے، وہی آفات اور بلاؤں سے محفوظ رکھتا ہے، وہی خوشی دیتا ہے۔ جب آدمی کا یقین ٹوٹ جاتا ہے تو اس کی طرز فکر ناقص ہو جاتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بندوں کے سہارے تلاش کرتا ہے۔

جب کسی قوم کی طرز فکر بہت زیادہ گمراہ ہو جاتی ہے یعنی اللہ کے علاوہ دوسروں کا سہارا ڈھونڈنے لگتی ہے تو ایسی قومیں زمین پر بوجھ بن جاتی ہیں اور زمین انہیں رد کر دیتی ہے۔ وہ مفلوک الحال ہو جاتی ہیں اور ان کے اوپر احساس کمتری کا عذاب مسلط ہو جاتا ہے۔

انبیاءؑ کی طرز زندگی کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ہمارے سامنے صرف ایک ہی بات آتی ہے کہ انبیاء کی طرز زندگی اور طرز فکر یہ ہے کہ وہ ہر بات، ہر عمل اور زندگی کی ہر حرکت کو اللہ کی طرف سے دیکھتے ہیں اور اللہ ہی کی طرف موڑ دیتے ہیں۔

❁

اپریل 1989ء کے شمارے کا سرورق

اس ماہ کے مضامین میں صاحب خلق عظیم، رمضان کی برکات، فضائل تحصیل دین، عرس کی تقریبات، حضرت خواجہ غلام سدید الدینؒ، محمد رسول اللہؐ، الرجی ایک مرض، ام المومنین حضرت عائشہؓ، غازی مرد، میری امی، صبر کا پھل جبکہ سلسلہ وار مضامین میں نور الٰہی نور نبوت، آواز دوست، تصوف اور معترضین، محفل مراقبہ، پیراسائیکولوجی، اخلاقی مہمان، اللہ رکھی، آپ کے مسائل شامل تھے۔ اس شمارے سے منتخب تحریر "فطین بچے" قارئین کے ذوق مطالعہ کے لیے دی جارہی ہے۔

فطین بچے

اوسافضل واحدی

جو بچے ذہین اور ہونہار ہوتے ہیں، وہ ابتدائے عمری سے اپنی حرکات و سکنات اور نشوو نما میں نمایاں ہوتے ہیں۔ ان کے خدوخال میں کشش پائی جاتی ہے۔ ان کی اٹھان اچھی ہوتی ہے۔ ان کا مستقبل روشن نظر آتا ہے۔ شروع ہی سے ان کے ہر انداز میں انفرادیت، سعادت اور عظمت کے آثار واضح ہوتے ہیں۔ وہ نو عمری میں ہی اپنی فطری صلاحیت اور محنت کی بدولت بہت کچھ سیکھ لیتے ہیں۔ جس چیز کو ایک مرتبہ دیکھ لیں، سن لیں یا پڑھ لیں وہ ہمیشہ کے لیے ان کے ذہن پر مرتسم ہو جاتی ہے۔ نقش دل ہو جاتی ہے۔ انہیں حقیقت کی ہمیشہ تلاش رہتی ہے بسا اوقات تو معلم مشکل میں پڑ جاتا ہے کہ ان طلبہ کو کیا جواب دے کہ ان کا قلب و ذہن مطمئن ہو سکے۔ راقم الحروف کو بار بار بحیثیت معلم اس چیز کا تجربہ ہوا ہے اور دل نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات....

سچ تو یہ ہے کہ پوت کے پاؤں پالنے میں ہی نظر آجاتے ہیں۔ فطین بچے بڑے ہو کر دنیا میں نام پیدا کیا کرتے ہیں۔

ان بچوں کو نفسیات کی اصطلاح میں "فطین بچے" کہا جاتا ہے۔ مگر ان بچوں کی تعداد ہر ملک و ملت اور زمانے میں کم ہی پائی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے فطین بچے کسی ملک اور قوم کا بہت قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک جرمن مصنف بچے کی تعلیم و تربیت کو پودے سے تشبیہ دیتا ہے۔ اس لیے جدید فلسفہ تعلیم کی روشنی میں ان کی تعلیم و تربیت مخصوص ماحول، اصول تدریس اور قابل معلمین و معلمات کے تحت ہونی چاہیے تاکہ ان کی فطری نشو و نما اور ذہنی ارتقا کا عمل خوش اسلوبی کے ساتھ جاری رہے اور بخیر و خوبی تکمیل کو پہنچے۔ اس میں ملک و قوم کی بہتری، ترقی اور خوشحالی کا راز مضمر ہے۔

جو قوم اور حکومت فطین بچوں کی قدر و منزلت نہیں کرتی وہ کبھی دنیا میں ممتاز مقام حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ ذہانت اور فطانت کی قدر و منزلت ارتقائے انسانیت کے لیے ضروری ہے۔

تعلیم کا اصل نصب العین اثبات اخلاق ہے۔ نفیٔ اخلاق نہیں ہے اس لیے بہتر تعلیم وہ ہے جو سیرت سازی کرتی ہے۔ عظمت کردار پیدا کرتی ہے۔ تربیت ذہن کے عمل کو پورا کر کے فرد کو معاشرے کا ایک مفید رکن بناتی ہے۔ اس کے قلب و ذہن میں جذبہ ایثار اور قوت تعمیر کا احساس دلاتی ہے ورنہ تعلیم کو تعلیم کہنا مشکل ہے۔

اس سلسلے میں اس حقیقت کو بھی اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ جب تک گھر پر تربیت اچھی نہ دی جائے، تعلیم بیکار ثابت ہو گی، کیونکہ تعلیم سے بڑی چیز تربیت ہوا کرتی ہے۔ اعلیٰ تعلیم ناقص تربیت کا بدل ہرگز نہیں تربیت کا نقص کردار کا نقص ہوتا ہے۔ آدمی تعلیم سے نہیں، تربیت سے بنا کرتا ہے۔

گھر کی تربیت سے آراستہ ہو کر جب بچہ مکتب یا مدرسے پڑھنے جاتا ہے تو اس میں ایک امنگ اور ترنگ ہوتی ہے جہاں اس کو اچھا اور خوشگوار ماحول ملنا چاہیے کیونکہ بچپن کا یہ نازک اور خوبصورت زمانہ گزرنے کے بعد کبھی واپس نہیں آتا، مگر افسوس کہ اس دور کی نزاکت اور اہمیت پر ہمیشہ کم توجہ دی گئی ہے۔

بچوں کی جسمانی، ذہنی، روحانی اور اخلاقی نشو و نما، تعلیم و تربیت کا خیال رکھنا ماں باپ کی ایک اہم ذمہ داری ہے، جس میں خلوص نیت، اپنائیت اور توجہ کی بڑی ضرورت ہوتی ہے ورنہ آدمی کی شخصیت نامکمل اور کردار کمزور رہ جاتا ہے اور تربیت ناقص ہو تو آدمی زندگی بھر نامکمل ہی رہتا ہے۔

یہ چیز اپنی جگہ مسلم ہے، بچوں کی طبیعت بے حد اثر پذیر ہوتی ہے۔ خاص کر کتاب زندگی کے پانچ سال تو ان کی شخصیت پر بہت اثر انداز ہوتے ہیں۔ ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر اور فلم بینی کے اثرات بہت تیزی کے ساتھ ہماری معاشرتی و اخلاقی زندگی میں خطرناک حد تک پھیل چکے ہیں۔ ان چیزوں سے نو عمر بچے متاثر ہو رہے ہیں۔

میں ریڈیو، ٹی وی کا مخالف نہیں ہوں اور برا نہیں سمجھتا، مگر میرے نزدیک ان ایجادات کا استعمال بہت غلط کیا جاتا ہے۔ اگر استعمال درست ہو تو اس مفید ایجاد سے اصلاح معاشرت، سیاسی شعور، تعلیمی بیداری اور قومی ترقی کا کام لے کر حق ایجاد ادا کیا جا سکتا ہے۔

پروگراموں کو غلط طریقے سے پیش کرنے کا ایک بالکل منطقی نتیجہ یہ ہے کہ معاشرتی اور اخلاقی بگاڑ میں متواتر اضافہ ہو رہا ہے۔

تبصرے کے لیے کتاب کی دو جلدیں ارسال کریں....

تاجدارِ گولڑا
سید پیر مہر علی شاہ

مصنف: ڈاکٹر اختر نواز خان
صفحات:100 قیمت: پانچ سو اسی روپے
ناشر: ژمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی

اللہ کی سنت میں نہ تعطل ہوتا ہے نہ تبدیلی پیغام توحید کو مخلوقِ خدا تک پہنچانے کی انبیاء اکرام علیہم السلام کا سلسلہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اختتام پذیر ہوا۔ رہنمائی اور ہدایت کا یہ سلسلہ اب نسبتِ رسول اکرم ﷺ سے ان علماء اور اولیاءؒ کے سپرد ہے جو نورِ نبوت اور قرآن کریم سے روشنی اور رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے جب جب دینِ حق کے خلاف کوئی فتنہ کھڑا ہوا، کسی ولی اللہ نے اس کا منہ توڑ جواب دیا۔ معاملہ چاہے دینِ الٰہی کا ہو یا ختم نبوت کا ولی اللہ کبھی حق سے پیچھے نہیں ہٹے اور باطل کے خلاف سیسہ پلائی دیوار ثابت ہوئے۔ بات جب پاکستان کی تحریکِ آزادی کی ہوتی ہے تو برصغیر میں علماؤں کے ساتھ ساتھ اولیاء اللہ کا اہم اور بنیادی کردار نظر آتا ہے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ بھی اللہ کے ایسے ولی تھے۔ جنہوں نے دینِ اسلام میں پیدا ہونے والی نت نئی برائیوں اور فتنوں کا تدارک اپنے قول و فعل سے کیا۔ زیرِ تبصرہ کتاب مصنف نے حضرت پیر مہر علی شاہ بخاری کے حالاتِ زندگی، علمی اور روحانی صلاحیتوں اور برصغیر کے مسلمانوں کی منتشر اور ابتر حالت کو سدھارنے کے لئے کی جانے والی کوششوں کے ساتھ ساتھ انگریزوں کے دورِ حکومت میں جنم لینے والے فتنہ قادیانی مذہب اور اس کے خلاف حضرت کی کاوشوں اور اس کے نتیجے میں اٹھائے جانے والے اقدامات کو ازحد تفصیل اور باریک بینی کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ مختلف مقامات پر حالات اور رونما ہونے والے واقعات کی مناسبت سے ایک ولی کے مقام اور اس کے کردار و اہمیت پر قرآن حکیم اور نبی پاک ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں تفصیل بھی بیان کی گئی

ہے۔ بحیثیت مجموعی ایک ضخیم اور معلوماتی بالخصوص تحریک پاکستان اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ ایک مفید اور معلوماتی کتاب ہے۔

پاکستان سے لبنان

رحمت اور محبت کا سفر

مصنف: پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید (ستارہ امتیاز)

صفحات: 100

قیمت: تین سو روپے

ناشر: عالمی صوفی فورم پاکستان

حدیث قدسی ﷺ ہے "جنت میں تمہارا داخلہ بجز ایمان کے ہو نہیں سکتا اور تم ایمان والے کیسے بن سکتے ہو جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان و محبت لازم و ملزوم ہیں۔ ایمان سرچشمۂ محبت ہے۔ اس سے تمام خوبیاں پھوٹتی ہیں صبر و تحمل، رواداری، درگزری، خیر خواہی، باہمی تعاون، قربانی سب محبت کی مرہونِ منت ہیں۔ اور اگر دل میں محبت نہ ہو اس کی بجائے نفرت ہو تو پھر ان خوبیوں کے بجائے تمام برائیاں جنم لیتی ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ اگر محبت دنیا کی حکمران بن جائے تو عدلیہ کی ضرورت ختم ہو جائے۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے محبت کرنے اور محبت پھیلانے کے لئے چن لیا ہے۔ ان خوش نصیبوں میں سے ایک جناب محترم پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید (ستارہ امتیاز) بھی ہیں۔ کراچی یونیورسٹی کے فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز کے ڈین رہ چکے ہیں، ایک مذہبی اسکالر، محقق سماجی کارکن اور مصنف ہیں۔ مذہب اور مذہب کی بابت 12 سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔

زیرِ نظر کتاب کونسل فار ریسرچ ان ویلیوز اینڈ فلاسفی CVRP کی جانب سے بیروت (لبنان) میں منعقد کردہ سیمینار میں شرکت کا دعوت نامہ بنی جس میں پاکستان کے علاوہ نو ممالک جن میں انڈیا، رومانیہ، فلپائن اور تھائی لینڈ وغیرہ شامل تھے سے 13 مندوبین نے شرکت کی اور اپنے مقالات کے ذریعے، اپنے مذہب، ملک اور عالمی تناظر میں compassion and fogiveness کی اہمیت اور افادیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی۔ پروفیسر صاحب کی یہ 22ویں تصنیف اور آٹھواں سفرنامہ ہے۔ جو محبت اور رحمت کا سفر ہے۔ کتاب کا اسلوبِ بیان انتہائی سادہ، سلیس اور قدرتی رنگ لیے ہوئے ہے۔ کسی جگہ تکلف یا تصنع سے کام نہیں لیا گیا۔ ان کی تحریر کی روشنی میں ہمیں لبنان کی تاریخی اور قدیم تہذیبی روایات سے بھی آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ بعلبک کے کھنڈرات پر اظہارِ رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان تعمیرات کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ ان کی تعمیر کرنے والے انسان نہیں بلکہ کوئی اور مخلوق ہو گی۔ یا پھر اس دور کی اقوام کے پاس تعمیر کی وہ اعلیٰ ترین ٹیکنالوجی ہو گی جس سے ہم اب تک محروم ہیں۔ پروفیسر صاحب نے انتہائی نرمی، ملائمیت اور سادگی سے کئی مقامات پر لبنان اور پاکستان کا موازنہ بھی کیا اور قومی کمزوریوں کی جانب اشارہ بھی کیا ہے۔

بڑے لوگ

جستہ جستہ

کرنل محمد خان

کبھی آپ نے غور فرمایا کہ عہدہ بڑھنے کے ساتھ ایک عام پاکستانی میں کیا تبدیلیاں آتی ہیں؟ سب سے پہلے تو اسے دوسری شادی کی سوجھتی ہے۔ اچانک اس پر منکشف ہوتا ہے کہ وہ جو ایک مدت سے رفیقہ حیات چلی آرہی تھی، یک لخت رفاقت کے قابل نہیں رہی! بے چاری کی وضع کی سادگی جناب کے مشاغل کی رنگینی کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ اب وہ ایسی بیوی کے خواب دیکھنا شروع کر دیتا ہے جو پروردگار حسن ہو اور پیغمبر جمال۔ اور کوئی ایسی جنس نظر آجائے تو مزید جستجو میں رہتا ہے کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں....؟

شروع شروع میں تو ایسی یزداں شکار بیویاں فرنگ سے آتی تھیں لیکن بعد میں کچھ دنوں کے لیے بنات عرب و دختران عجم کی درآمد بھی فیشن بن گیا کہ اس طرح ایک اچھی خاصی میم بھی حبالہ عقد میں آجاتی تھی اور اسلامی اخوت کا تقاضا بھی پورا ہو جاتا تھا۔ یعنی خاصا رنگین ثواب دارین حاصل ہو جاتا تھا، لیکن بحمد للہ اب پاکستان ماڈرن بیویوں میں خاصی حد تک خود کفیل ہو گیا ہے، لہٰذا اب نئے عہدے کے اعلان ہونے کے ساتھ ہی ایک نئی بیوی کی پاکستان گیر تلاش شروع ہو جاتی ہے۔ تلاش اس لیے کہ ہر پاکستانی لڑکی بڑے صاحب کی دلہن بننے کی اہل نہیں۔ اس مرتبے پر فائز ہونے کے لیے سپیریر سروسز کی شرائط کی طرح۔ چند کوالیفی کیشنز کی ضرورت ہے اور اس ضمن میں پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ رنگ گورا ہو۔ کسی سانولے رنگ کی لڑکی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اول درجے کے افسر کے ساتھ شادی کا خیال دل میں لائے۔ یہ قواعد کی رو سے غلط اور آداب کی رو سے گستاخی ہے۔

گورا رنگ اس لیے لازم ہے کہ میم نہ سہی، میم کا دھوکہ ہوتا رہے۔ نیز چوں کہ دھوکہ اسی صورت میں کھایا جاسکتا ہے کہ گورا رنگ مستور نہ ہو، لہٰذا دوسری لازمی شرط یہ ہے کہ پردہ نہ کرتی ہو۔ لیکن یہ جزوی اور چادر کی بے پردگی نہیں جو برقع ترک کرنے سے پیدا ہوتی ہے، بلکہ یہ فعال بے پردگی ہے جس میں دوپٹہ اور آستینیں کم ہوتے ہوتے غائب ہو جاتی ہیں اور باقی ماندہ پیرہن کی تنگی اور تنگی مخلوط بدن کی اس وضاحت سے غمازی کرتی ہیں کہ تماشائی کو تصور پر بوجھ ڈالنے کے بجائے صرف آنکھ کھولنا باقی ہے۔

سر کے بال دراز ہوں یا کوتاہ، کوئی مضائقہ نہیں، لیکن ایسے نہ ہوں جیسے خدا نے لگا کر بھیجے تھے بل کہ قدرت کی تمام غلطیوں کی کسی چابک دست مشاطہ (مشاط ہو تو بہتر ہے) نے موبمو اصلاح کی ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ دلہن سوشل (Social) ہو۔ سوشل ہونا بڑی جامع اصطلاح ہے۔ اس میں مخلوط کھانوں اور کھیلوں میں شامل ہونے سے لے کر ناچنے

تک سب کچھ آتا ہے۔ یایوں کہیں کہ اگر کچھ باقی رہ جاتا ہے تو برائے نام ہی رہ جاتا ہے۔ اور آخر میں حسبِ توقع بیوی کو انگریزی بولنا اور موٹر چلانا بھی آتا ہو تو دیگر شرائط کو ذرا نرم بھی کیا جاسکتا ہے۔

بڑائی کی دوسری علامت یہ ہے کہ انسان سے صاحب بن جاتا ہے اور انہیں کوئی شیخ یا چودھری کے لقب سے پکارے، تو اس طرف دیکھتے ہی نہیں، صرف زیرِ لب بد زبانی کرتے ہیں، لیکن کوئی ایک مرتبہ صاحب کہہ دے تو انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں کہ پھر کب کہے گا۔ جب نوکر کو دھوبی سے یہ کہتے سنتے ہیں "نالائق آدمی، تم نے صاحب کا سوٹ خراب کر دیا...." تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے، خواہ سوٹ کا واقعی ستیاناس ہو گیا ہو۔ اگر بیرا کسی ملنے والے سے کہہ دے کہ صاحب سو رہے ہیں، تو یہ قیامت تک سوئے رہیں گے کہ ان کی صاحبی کا تذکرہ جاری رہے، لیکن جہاں دوسروں کے لیے یہ صاحب بہادر اور بیگم صاحبہ ہیں، خود آپس میں ایک دوسرے کو خاصے لغو اور بے معنی ناموں سے پکارتے ہیں۔ صاحب کا نام جمیل احمد ہے، تو بیگم جمی کہہ کر پکاریں گی اور بیگم صاحبہ شادی سے پہلے شمیم تھیں، تو صاحب شمی کے نام سے بلاتے ہیں۔

میاں بیوی بالاتفاق اس مغالطے میں مبتلا ہیں کہ ان ننھے منے بے معنی ناموں سے پکارنا پیار کی علامت ہے۔ اگر نہیں بھی، تو بہر کیف انگریز اور دیگر بڑے لوگ ایسا ہی کرتے ہیں، البتہ لڑائی ہو جائے، تو پھر ایک دوسرے کے نام خوب سنوار کر بلاتے ہیں اور معاملہ زیادہ گرم ہو جائے تو وہ اسے مسٹر اور وہ اسے محترمہ سے خطاب کریں گے۔ ناراضگی بڑھ جائے، تو وہ پچھلی بیوی والی بات نہیں ہوتی کہ آنکھوں میں آنسو بھر کر کہے "جب تک آپ راضی ہو کر کھانا نہیں کھائیں گے، میں روٹی کو ہاتھ نہ لگاؤں گی۔" بلکہ اب ابتدائی گالی گلوچ کے بعد بیگم صاحبہ کلب کی راہ لیتی ہیں اور صاحب سینما پہنچ جاتے ہیں اور اس وقت تک باہم راضی نہیں ہوتے جب تک بیرے، خانسامے اور جملہ ہمسائے ان کی خانہ جنگی سے تنگ آکر صلح نہ کرا دیں۔ وہ شرفا بھی کوئی شرفا تھے جن کی گھر کی بات حویلی سے باہر نہ جاتی تھی، بچارے اگلے وقتوں کے لوگ تھے۔

اور یہ گھر کے اندر باہر کی تمیز اگلے وقتوں کی بات ہے۔ وہ چھوٹے آدمی ہوتے تھے جن کے گھر کے دو واضح حصے ہوتے تھے۔ سامنے صحن اور بیٹھک یعنی مردانہ اور پیچھے زنانہ، لیکن صاحب بنتے ہی زنانہ حصہ منسوب ہو جاتا ہے۔ اس طرف فرصت کے وقت نوکر لوگ بیٹھ کر صاحب کی "کوئی ہے" کا انتظار کرتے ہیں۔ مردانے میں اب زنانہ التفات کی بدولت ہر وقت رونق رہتی ہے۔ بیٹھک وہی ہے، لیکن اب گول کمرہ کہلاتی ہے اور کسی زمانے میں اگرچہ مردوں کے لیے مخصوص تھی، مگر اب اس کے استعمال میں تذکیر و تانیث کی تمیز نہیں بلکہ اپنے اور غیر کا بھی امتیاز نہیں رہا۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

عہدہ بڑھنے کے ساتھ صاحب کے فرائض میں اضافہ ہونا چاہیے، لیکن ہوتا نہیں، البتہ صاحب کے آرام کے اوقات بہت طویل ہو جاتے ہیں۔ اب صاحب چائے بستر میں ہی پیتا ہے اور اس وقت تک نہیں اٹھتا جب تک خدام ادب آکر دس مرتبہ یاد نہ

دلائیں کہ آج اتوار نہیں۔ دفتر میں وقت پر پہنچنا ہتک سمجھتا ہے کہ پابندی وقت افسر کی شان نہیں، کلرک کی پہچان ہے اور جب دفتر جائے، تو دفتر میں داخل ہونے سے پہلے ایک چیز لازم اور لابدی ہے۔ یعنی کوئی چپراسی اور چپراسی نہیں، تو کوئی بشر یا فرشتہ دروازے پر سے چق اٹھائے تاکہ صاحب اندر قدم رکھے۔ اگر یچ صاحب کو اپنے ہاتھ سے چق اٹھانا پڑ گیا تو منسٹر میں قیامت آجائے گی اور چند نچلے درجے کے پاکستانیوں کا روزگار بند ہو جائے گا۔ لیکن پاکستانی چپراسی اس فرض میں شاذ ہی کوتاہی کرتے ہیں اور اسی لیے ملک کا کاروبار چل رہا ہے۔

اب دفتر کا کام شروع ہوتا ہے۔ صاحب بہادر سب سے پہلے وہ نوٹ بک کھولتے ہیں جس میں گھر سے ہی چند اہم پوائنٹ لکھ لائے ہیں۔ ان کی نوعیت کچھ اس قسم کی ہوتی ہے:

⊛..... رحمن اینڈ سنز کو ٹیلیفون کرو کہ بیگم صاحب کو لپ اسٹک پسند نہیں، ذرا گہرے شیڈ کی بھیجو۔

⊛..... پلازا سینما پر آخری شو کے لیے دو فری پاسوں کا انتظام۔

⊛..... شمی کے بھائی کو خط، مری کی دعوت۔

⊛..... رحمن مری جانے کے لیے چھٹی کی درخواست لیکن ہو سکے تو ڈیوٹی بہانہ۔

⊛..... وغیرہ وغیرہ۔

یہ اہم کام یکے بعد دیگرے ہونے شروع ہوتے ہیں۔ صاحب کے قریب فائلوں کا انبار لگ رہا ہے۔ جب آخری اہم پوائنٹ پر ٹِک لگ جاتی ہے، تو صاحب کا دل کڑا کر کے پہلی فائل کی طرف ہاتھ بڑھتا ہے لیکن اسی لمحے اچانک دروازے پر کوئی دستک دیتا ہے اور ایک اور ہنستا گنگناتا صاحب اندر داخل ہو جاتا ہے، چائے آجاتی ہے، قہقہے لگتے ہیں، گپیں چلتی ہیں۔ موضوع ایک تیسرا صاحب اور اس کی بیوی ہے۔ کلرک بیچارہ ہر پندرہ منٹ کے بعد جھانکتا ہے، لیکن صاحبان کے قہقہے اسے پیچھے دھکیل دیتے ہیں۔ خدا خدا کر کے دوسرا صاحب رخصت ہو جاتا ہے، تو چپراسی فائلوں کا ایک پلندہ صاحب کے پہلو میں رکھ دیتا ہے، لیکن آخر ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے۔ یہ بیگم صاحب کی طرف سے ہے، کچھ اس قسم کی گفتگو ہوتی ہے:

"تم ہو جی.....؟"

"ہیلو ممی۔"

"میری طبیعت ٹھیک نہیں۔"

"ابھی آتا ہوں۔ یہ ایک فائل....."

"فائل جائے بھاڑ میں۔"

"ضرور جائے۔"

اور صاحب نوٹ بک اٹھائے موٹر میں بیٹھ یہ جا وہ جا۔ رہیں فائلیں، تو وہ ایک مدت سے جمع ہو رہی ہیں، کوئی نئی بات نہیں۔ کار جہاں اگر اتنا ہی دراز ہے، تو صاحب کا انتظار کیا جا سکتا ہے۔

⊛

یہ ہے پاکستان

پاکستانی ثقافت اور ورثہ کی عکاسی کرتا ہے....

موہٹہ پیلس (قصر فاطمہ)

کراچی میں گو کہ ہمیں قدیم ترین عمارتیں تو دیکھنے کو نہیں ملتیں مگر یہاں انگریز راج کی بہت سی خوبصورت عمارتیں ہیں اور راجستھان طرز تعمیر بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ انہی عمارتوں میں ایک موہٹہ پیلس بھی ہے۔ یہ کلفٹن کے علاقے میں واقع ہے۔

موہٹہ پیلس ایک مارواڑی سیٹھ شیو رتن موہٹہ کی ملکیت میں تھا۔ وہ راجستھانی علاقے مارواڑ سے ہجرت کر کے کاروبار کے سلسلے میں کراچی آکر آباد ہو گیا۔ انہوں نے 1920ء کے آخر میں ایک محل کراچی میں بنوانے کا ارادہ کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے نامور مسلمان ماہر تعمیرات احمد حسین آغا سے رجوع کیا اور محل کی تعمیر شروع ہوئی۔ ابتداء میں اسے راجپوت محل کا نام دیا جو بعد میں موہٹہ محل کے نام سے مشہور ہوا۔ موہٹہ محل بنانے کا مقصد خاندان کے افراد کے لیے

موہٹہ پیلس کے پیچھے بنا ایک وسیع باغیچہ

موسم گرما کی رہائش کی فراہمی تھا۔ اس محل کا طرز تعمیر احمد حسین آغا کی ذہانت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

آغا نے عمارت کا نقشہ خاص راجستھانی انداز میں تیار کیا ساتھ میں برطانوی فن تعمیر کو بھی شامل کیا۔ عمارت پر استعمال ہونے والا خاص جودھ پور کا گلابی رنگ نہایت قیمتی پتھر لگوایا۔ جودھ پور کے پتھر کے علاوہ مقامی پیلا پتھر جو کہ گزری کے مقام سے لے کر تعمیر میں استعمال کیا۔ موہٹہ محل کا رقبہ 18،500 مربع فٹ ہے۔ محل کے آگے پیچھے، دائیں بائیں بلور کی چالیس کھڑکیاں اور باون روشن دان ہیں۔ محل کے چاروں جانب مثمن مینار ہیں، عمارت کی چھت پر پانچ گنبد بنے ہیں۔ اس محل میں ہر سہولت کا خیال رکھا گیا۔ تہہ خانے میں تیراکی کے لیے تالاب ہے۔ محل کے وسط میں وسیع باغیچہ ہے اور باغیچے کے درمیان میں فوارہ لگا ہوا ہے۔ محل کی فرشی منزل پر کمروں کو خالصتاً تفریح کے لیے بنایا گیا ہے جبکہ اوپر کی منزل کے تمام آرام دہ کمرے نجی استعمال کے لیے بنائے گئے۔ بالائی منزل تک جانے والا زینہ سنگ مرمر کا بنا ہے۔ بالائی منزل میں باہر کی جانب چبوترے ہیں جن پر دھوپ سے بچاؤ کے لیے سایہ کا بھی انتظام رکھا گیا ہے۔ موہٹہ محل کی در و دیوار پر فانوس عمارت کی خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔

شیو رتن موہٹہ نے اس محل کو صرف دو دہائیوں تک استعمال کیا۔ 1947ء میں تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے بعد وہ بھارت ہجرت کر گئے۔ محل خالی ہو جانے کے بعد اسے سرکاری طور پر دفتر خارجہ کے طور پر استعمال کیا گیا۔ کچھ عرصے بعد محل کو محترمہ فاطمہ جناح کے سپرد کر دیا گیا۔ یہ محل انہیں

موہٹہ پیلس 1948ء کی یادگار تصویر

موہٹہ پیلس میں نصب ملکہ وکٹوریہ کا مجسمہ، دوسری تصویر میں میوزیم کا اندرونی منظر پیش کیا گیا ہے

ان کے بھائی محمد علی جناح کی بمبئی والی جائیداد کے کلیم میں ملا اور محترمہ فاطمہ جناح موہٹہ محل میں منتقل ہو گئیں۔

محترمہ فاطمہ جناح کے اس محل میں رہائش پذیر ہونے کے بعد اس کا نام تبدیل ہو کر قصر فاطمہ رکھ دیا گیا۔ محل میں بابائے قوم قائد اعظم محمد علی جناح اور محترمہ فاطمہ جناح کے زیر استعمال بیش قیمتی نوادرات و متروکات سے سجایا گیا۔

اسی محل میں محترمہ فاطمہ جناح انتقال تک رہائش پذیر رہیں۔ قصر فاطمہ سے ملنے والی دستاویزات اور رسیدوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قائد اعظم اور محترمہ فاطمہ جناح اپنی زندگی میں باقاعدگی سے ٹیکس اور دیگر واجبات کی بروقت ادائیگی کے پابند تھے۔

1967ء میں محترمہ فاطمہ جناح کے انتقال کے بعد قصر فاطمہ قائد اعظم کی دوسری بہن محترمہ شیریں بائی کو مل گیا۔

شیریں بائی 1980ء میں انتقال کر گئیں تو خاندان کے دیگر افراد میں محل کی ملکیت کے بارے میں قانونی جنگ شروع ہو گئی اور کافی عرصے تک یہ قانونی جنگ جاری رہی بالآخر 1995ء میں حکومت سندھ نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔ محل کی دیکھ بھال کے لیے رقم مختص کر دی گئی اور اس کی حفاظت کے لیے باقاعدہ ایک بورڈ بنایا گیا۔ جس نے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ اسے کس طرح محفوظ کیا جائے اور استعمال میں لایا جائے آخر یہ فیصلہ ہوا کہ اسے عجائب گھر میں تبدیل کر دیا جائے، جو پاکستانی ثقافت اور ورثہ کی عکاسی کرتا ہو۔

1996ء میں موہٹہ محل کی تزئین و آرائش کے منصوبے پر کام شروع ہوا۔ سب سے پہلے اس کے ماند پڑتے اور پتھروں کے بدلتے رنگوں کو ان کے اصل رنگ میں لانے کا کام شروع ہوا۔ عمارت کا رنگ جو

تالپور خاندان کے نوادرات نمائش کے لیے رکھے گئے۔ عجائب گھر کو چالیس گیلریوں میں تقسیم کیا گیا۔ اس میں جو اشیاء رکھی گئی ہیں، ان میں یادگار تصاویر قائداعظم کے زیر استعمال، رول رائس، کار نمایاں ہے۔ دوسری گیلریوں میں ہتھیار، تصاویر، پارچہ جات اور مختلف لوگوں اور اداروں سے اکٹھے کیے ہوئے نوادرات نمائش کے لیے رکھے ہیں۔

عجائب گھر کی عمارت کے اندرونی اور بیرونی حصوں میں مجسمے بھی رکھے ہیں، ان مجسموں میں ملکہ وکٹوریہ کا ایک مجسمہ بھی شامل ہے۔ ان کے علاوہ برطانوی راج کی نمائندگی کرنے والی اشیاء بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ آج کا موہٹہ محل میوزیم کراچی اور پاکستان کے لیے فخر ہے جو اپنے طرزِ تعمیر کی شان و شوکت کے ساتھ کراچی کے ماتھے کا جھومر ہے۔
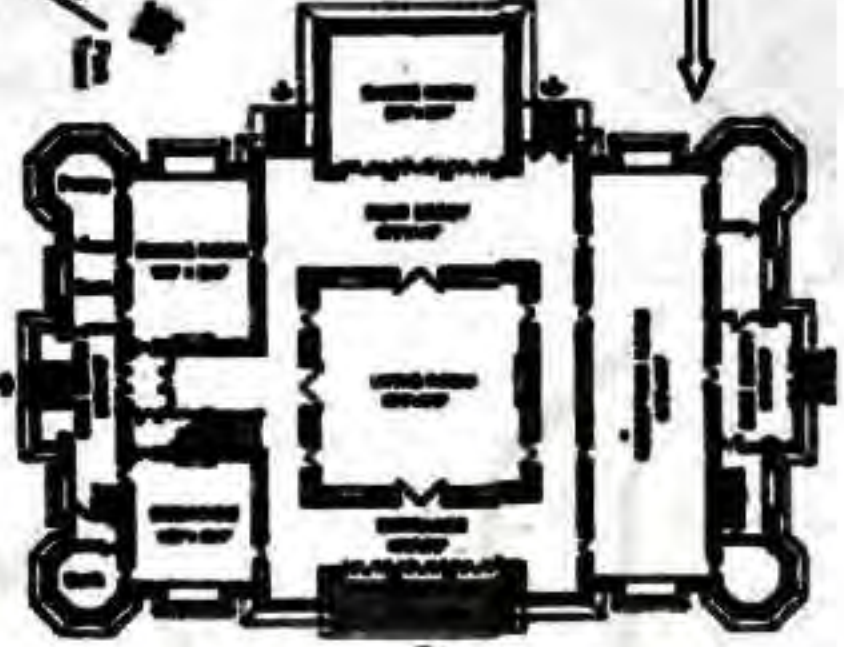
گلابی، پیلا رنگ مٹی اور گرد و غبار کی وجہ سے بہت تبدیل ہو چکا تھا۔ جسے اصل حالت میں لانا ضروری تھا۔ عمارت کے اصل رنگ میں ڈھالنے کے ساتھ ساتھ اس کے فرش، دروازے، کھڑکیوں اور چھتوں کو بہت احتیاط سے محفوظ کیا، جس سے محل اپنی اس حالت میں آگیا جو 1935ء میں احمد حسین آغا نے تعمیر کروایا تھا۔

موہٹہ محل عجائب گھر کو پندرہ ستمبر 1999ء میں عوام کے لیے کھولا گیا۔ یہاں خان آف قلات اور

بچوں کا
روحانی ڈائجسٹ
روبیسا خان۔ کراچی
حسان خان۔ کراچی
حسنین راحت۔ کراچی
اویس حسن خان۔ کراچی

عقلمند گدھا

ردا جبار۔ کراچی

جنگل کے بادشاہ ببر شیر نے چشمے کے کنارے والی چٹان کے نیچے گھنی جھاڑیوں سے جھانک کر دور تک پھیلے دھان کے لہلہاتے کھیت پر نظر ڈالی، بہت دور ایک درخت کے نیچے کوئی چیز ہلتی ہوئی نظر آرہی تھی، شیر نے آنکھوں کو ملتے ہوئے دوبارہ اس طرف دیکھا، یقیناً وہ کالا ہرن تھا، شیر رات سے بھوکا تھا۔ کالے ہرن کے لذیذ گوشت کے تصور ہی سے اس کے منہ میں پانی آگیا۔ جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہوئے اس نے ہرن کی طرف قدم بڑھائے....

دوسری طرف بانسوں کے جھنڈ میں ایک چیتا بھی ہرن پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ بھوک سے اس کے پیٹ میں بھی چوہے دوڑ رہے تھے۔ چیتے نے بھی ہرن کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

خطروں سے بے خبر ہرن نرم نرم گھاس کھانے میں مشغول تھا۔ کبھی کبھی وہ اپنی بادام جیسی آنکھیں گھما کر ادھر ادھر دیکھتا اور پھر گھاس کھانے لگتا۔

جانور خطرے کی بو سونگھ لیتے ہیں۔ ہرن کی بے چین آنکھیں ظاہر کر رہی تھیں کہ اس نے خطرے کی بو سونگھ لی ہے۔ اس نے کان کھڑے کر کے گردن گھما کر چشمے کی طرف دیکھا جہاں میدان میں ریچھ کے دو بچے کھیل رہے تھے، ابھی ہرن پہاڑ کی طرف رخ کرنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ مشرق اور جنوب سے شیر اور چیتے نے جھاڑیوں سے چھلانگ لگائیں اور دونوں تیر کی طرح ہرن کی طرف لپکے، ہرن لمبی لمبی چھلانگیں مارتا ہوا پہاڑوں کی طرف بھاگا۔

شیر اور چیتے کی رفتار کے مقابلے میں ہرن کی رفتار کم تھی، لیکن وہ اپنے ہلکے اور سڈول جسم کی وجہ سے ان دونوں کو غچے دیتے ہوئے بھاگ رہا تھا، اس بھاگ دوڑ میں ان تینوں نے میلوں کا فاصلہ طے کرلیا، آخر کار ہرن ایک چٹان پر چڑھ گیا، جو اتنی اونچی تھی کہ اس پر شیر اور چیتا نہیں چڑھ سکتے تھے، شیر اور چیتا چٹان کے نیچے زبانیں نکالے ہانپ رہے تھے اور ہرن کو للچائی نظروں سے دیکھ رہے تھے، جب سانسیں درست ہوگئیں تو شیر نے کہا۔ "یہ میرا شکار ہے پہلے میں نے تاکا تھا"۔

چیتے نے غصے سے جواب دیا۔ "یہ میرا شکار ہے، پہلے میں نے اسے تاکا ہے"۔

شیر دہاڑا" میں تم سے زیادہ طاقتور ہوں اس لیے اس شکار پر میرا حق ہے"۔

شیر اور چیتے کی تکرار سن کر ہرن نے اطمینان کا سانس لیا اور کہا "میرے محترم بادشاہوں! یہ میری خوش نصیبی ہوگی کہ میں آپ جیسے شاہی خاندان کے افراد کی غذا بنوں، لیکن پہلے آپ دونوں طے کر لیں کہ آپ میں سے کون میرا لذیذ گوشت نوش فرمائے گا"۔

ہرن کی یہ بات سن کر شیر اور چیتا دوبارہ تکرار کرنے لگے، اسی دوران ادھر سے ایک گدھے کا گزر ہوا تو ہرن نے جھٹ سے مشورہ دیا "میرے خیال سے آپ دونوں اس سلسلے میں گدھے صاحب سے مشورہ لے لیں، کیونکہ مشورہ دینے کے لیے عقلمند ہونا ضروری نہیں"۔

شیر نے کہا:

"چلو مجھے منظور ہے، وقت پڑنے پر گدھے کو بھی باپ بنانا پڑتا ہے"۔

چیتے نے گدھے کو [illegible] "او گدھے! ادھر آ....."

گدھا پہلے تو ڈرا کہ کہیں یہ دونوں اسے ہی ہڑپ نہ کر لیں، پھر ڈرتے ڈرتے دانت [illegible] ہوا ان کے قریب آیا اور جب اس نے پورا قصہ سنا تو خوشی سے مشورہ دیا "ہاں تو شیر صاحب آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ نے ہرن پر پہلے نظر ڈالی جبکہ چیتے صاحب کا دعویٰ ہے کہ ہرن کو دیکھ کر پہلے ان کی رال ٹپکی، کیوں کہ یہاں کوئی گواہ نہیں ہے اس لیے میرا مشورہ ہے کہ آپ دونوں اپنی اپنی جگہ تشریف لے جائیں اور جب میں ڈھینچوں ڈھینچوں شروع کروں تو آپ دونوں دوڑنا شروع کر دیں جو بھی پہلے یہاں پہنچ جائے گا وہی ہرن کو نوش فرمانے کا حق دار ہوگا"۔

شیر اور چیتا بھوک سے بے تاب تھے، لیکن دونوں کو اپنی تیز رفتاری پر ناز تھا اس لیے انہوں نے گدھے کی تجویز مان لی یہ طے ہو گیا کہ دونوں اپنی اپنی جگہ لوٹ جائیں گے اور اس دوران ہرن صاحب چٹان سے اتر کر نہا دھو کر ان میں سے ایک کی خوراک بننے کے لیے میدان میں جا کر کھڑے ہو جائیں گے اور جیسے ہی گدھے صاحب اپنی بے سری آواز میں رینکنا شروع کر دیں گے، دوڑ شروع ہو جائے گی۔

شیر اور چیتا اپنی اپنی جگہ واپس چلے گئے۔ جب کافی دیر تک گدھے کے رینکنے کی آواز نہ آئی تو دونوں کا ماتھا ٹھنکا پہلے تو انہوں نے ایک دوسرے کو گھورا، پھر چٹان کی طرف دوڑنا شروع کیا، جب وہ چٹان کے نزدیک پہنچے تو دیکھا وہاں چاروں طرف ویرانی اور سناٹا تھا۔ ہرن کا کہیں پتہ نہ تھا اور گدھا بھی غائب تھا۔

شیر نے غصے سے چیخ کر کہا۔ "اس گدھے کے بچے نے ہمیں دھوکا دیا"۔

چیتے نے سر جھکا کر افسوس سے کہا۔

"شیر صاحب! گدھا وہ نہیں بلکہ اس نے ہم دونوں کو گدھا بنا دیا"۔

❋

طوطوں کی رَٹ

ایک پرانے باغ میں بہت سے طوطے اکٹھے رہتے تھے، خوب کھاتے اور خوب مزے اڑاتے، سارے باغ میں انہی کا راج تھا، پہلے پہل جب یہ باغ میں آکر رہتے تھے تو بڑے پھرتیلے تھے، خوب اڑتے تھے، لیکن اس باغ میں رہ کر انہیں کھانے کو آسانی سے بہت کچھ ملا اب ان میں سستی اور کاہلی پیدا ہوگئی، طوطوں کی وہ پھرتی اور اڑنے کی مشق جاتی رہی۔

کچھ دن بعد ایک شکاری ان طوطوں کے پیچھے لگ گیا وہ آتا اور بہت سے طوطے پکڑ کر لے جاتا، اب ان کی تعداد گھٹنے لگی، شکاری سے چھٹکارا پانے کے لیے طوطے ایک جگہ جمع ہوئے اور سب نے سوچا کیا کہ اس مصیبت کو کس طرح ٹالا جائے۔ ایک طوطا بولا بھائیو، دراصل ہماری مصیبت کی جڑ یہ ہے کہ ہم میں علم نہیں ہے، ہم جانتے ہی نہیں ہیں کہ شکاری کے جال سے بچنے کی تدبیر کیا ہے، اگر ہم میں علم ہوتا اور ہم ان تدبیروں کو جانتے ہوتے جو شکاری کے پھندے سے بچنے کے لیے ضروری ہیں تو شکاری ہم میں سے ایک کو بھی پکڑ کر نہ لے جاتا۔

سب طوطوں نے علم حاصل کرنے کی تجویز منظور کرلی۔ کچھ طوطے اب بھی گردن لٹکائے کچھ سوچ رہے تھے، عقلمند طوطوں نے ان بیوقوفوں کا کوئی خیال نہ کیا، بلکہ فوراً ہی علم حاصل کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ پڑھنے پڑھانے کا بڑا چرچا ہوا، سب طوطوں کو پہلے شکاری کی پہچان پڑھائی گئی۔ پھر اس کے جال کی تشریح پڑھائی گئی کہ اگر شکاری آئے تو یا تو اس کے ڈالے ہوئے چارے کے قریب نہ جانا اور اگر جاؤ تو شکاری کو آتا دیکھ کر پھڑ پھڑا کر اڑ جانا، طوطوں نے اس تعلیم کو بڑے اچھے طریقے سے رٹ لیا، کچھ دنوں بعد شکاری پھر آیا طوطوں کو اپنا سبق یاد تھا، سب نے شکاری کو پہچان لیا، شکاری نے لاگ لگائی سب طوطوں نے سیکھے ہوئے علم کو چھوڑ کر اپنی عقل پر بھروسہ کیا اور سوچا کہ وقت پر اڑ جائیں گے، یوں سب طوطے شکاری کے ڈالے ہوئے چارے پر ٹوٹ پڑے، شکاری آیا اس نے اپنے قاعدے کے مطابق جال پھینکا بہت سارے طوطے پھنس گئے۔ طوطوں نے آدھا علم حاصل کیا تھا وہ یہ تو جان گئے تھے کہ شکاری کے جال میں پڑا ہوا دانہ انہیں پھنسانے کے لیے ڈالا جاتا ہے لیکن انہوں نے یہ بات نہیں سیکھی تھی کہ اس جال میں پھنسنے سے کیسے بچنا ہے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ وہ دانہ کھا کر جال کے پھندوں سے بچ کر اڑ جائیں گے لیکن ایسا سمجھنا ان کی غلطی تھی دراصل انہوں نے لالچ کیا اور اس جال میں پھنس گئے۔

❖

جویریا دانش۔ کراچی

ملا نصر الدین کی حاضر جوابی
ملا نصر الدین آفندی کی ذہانت کی کہانیاں، حکایتیں، اخلاقی محاوروں اور لطیفوں کے روپ میں مشرق وسطیٰ اور دیگر ممالک میں کافی دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں۔ ملا نصر الدین کی حاضر جوابی کی کہانیاں آپ نے بہت پڑھی ہوں گی۔ ملا نصر الدین کی باتوں سے کوئی جیت سکا ہے بھلا؟ ملا نصر الدین کی حاضر جوابی کا ایک اور مزیدار واقعہ پڑھئے۔ ہمارے معاشرے میں ایسے بہت سے لوگ مل جاتے ہیں جن کو اپنے علم پر بڑا غرور ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان سے بڑا جاننے والا کوئی نہیں۔ ایسے ہی ایک "عقل مند" کو ملا نصر الدین کس طرح "کم علم" ثابت کرتے ہیں، وہ آپ کو اس کہانی سے پتا چلے گا۔
میں نہیں جانتا!
ایک صبح فجر کے بعد ملا نصر الدین چہل قدمی کے لیے نکلے تھے کہ اسی وقت ---
اوہو! یہ رہا خود کو بہت بڑا چالاک اور عقل مند سمجھنے والا بندہ!
صبح بخیر یا ملا نصر الدین
صبح بخیر جناب!
جناب والا! آپ سے میرا ایک سوال ہے ---
ہاں ہاں پوچھو، ضرور پوچھو میاں۔ علم میں اضافہ ہوگا!
وہ کون سے تین لفظ ہیں جو "کم علم" لوگ اکثر و بیشتر ادا کرتے ہیں؟
میں نہیں جانتا!
بالکل درست کہا!!!
یہ کہتے ہوئے اس "عقل مند" بندے کو ہکا بکا چھوڑ کر ملا نصر الدین چلتے بنے

رنگ بھریں

راستہ تلاش کریں

عجیب و غریب دلچسپ معلومات

زرافہ دنیا کا سب سے طویل القامت جانور

زرافہ کا شمار دنیا کے سب سے لمبے جانوروں میں ہوتا ہے۔ یہ افریقہ کا جنگلی کرنے والا جانور ہے۔ زرافہ کی گردن اور ٹانگیں بہت لمبی ہوتی ہیں، ان ٹانگوں کی وجہ سے وہ بہت تیز دوڑ سکتا ہے اور لمبی گردن کی بدولت اونچے اونچے درختوں سے پتے بڑی آسانی سے کھا لیتا ہے۔ اس کی زبان بھی کافی لمبی ہوتی ہے۔ زرافہ کی کھال پر بڑے بڑے سیاہ دھبے ہوتے ہیں اور ان دھبوں کے درمیان باریک باریک دھاریاں ہوتی ہیں جو زیبرے کی دھاریوں سے ملتی جلتی ہیں۔ زرافہ کا چہرہ اونٹ کے چہرے سے مشابہ ہوتا ہے اور اس کی جلد کے دھبے چیتے کے دھبوں جیسے ہوتے ہیں۔

زرافہ کی نو مختلف اقسام پائی جاتی ہیں اور اس کی یہ اقسام اس کی جلد کے دھبوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ یعنی مختلف النوع زرافوں کے جسم کے دھبے مختلف ہوتے ہیں جو انہیں ایک دوسرے سے جدا رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔

زرافہ کے سر پر چھوٹے چھوٹے گول سینگ ہوتے ہیں جو عمر کے ساتھ بڑھتے بڑھتے پانچ انچ تک بڑے ہو جاتے ہیں۔ زرافہ کے یہ سینگ اس کا

مصوّر بنیں

موثر ہتھیار ہوتے ہیں جو لڑائی کے وقت اس کے سر کی حفاظت بھی کرتے ہیں اور دشمن کو پسپا بھی کرتے ہیں۔

نر زرافہ کا قد اور وزن مادہ زرافہ کی نسبت بہت زیادہ ہوتا ہے۔ نر زرافہ عام طور پر اٹھارہ سے بیس فٹ تک لمبا ہوتا ہے اور وزن سولہ سو کلو کے قریب ہوتا ہے جبکہ مادہ زرافہ کا قد سولہ فٹ اور وزن آٹھ سو تیس کلو ہوتا ہے۔ ایک صحت مند زرافہ جنگل کی آزاد فضا میں پچیس سے تیس سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔

زرافہ افریقہ کے جنگلوں میں گھومتا پھرتا ہے، جہاں اسے کھانے کے لیے اونچے اونچے ہرے بھرے درخت اور وسیع سرسبز میدان میسر آتے ہیں۔ زرافہ ایسا جانور ہے جو پانی کے بغیر کئی دن تک زندہ رہ سکتا ہے۔ وہ اپنی پیاس پتوں میں موجود نمی سے پوری کرلیتا ہے۔

+++

مسکرائیے....

....اسلم (ماجد سے): یار آج میرے گلے میں بہت درد ہے۔
ماجد: آج میرے سر میں درد ہے۔
اسلم: تو ٹھیک ہے میں تمہارا سر دبا دیتا ہوں اور تم میرا گلا دبا دو۔
(مرسلہ: ناعم صفدر۔ کراچی)

....استاد نے شاگرد سے پوچھا انگریزوں نے برصغیر میں پہلا قدم رکھنے کے بعد کیا کیا....؟
شاگرد: جناب انہوں نے دوسرا قدم رکھ دیا۔
(مرسلہ: فیضان علی۔ اسلام آباد)

....ایک کنجوس آدمی نے اپنی بیوی سے کہا: ہم رات کا کھانا باہر کھائیں گے۔
بیوی نے حیران ہو کر کہا کیا سچ مچ....؟
کنجوس آدمی نے جواب دیا: ہاں اس میں اتنا حیران ہونے کی کون سی بات ہے۔
بیوی نے پوچھا: ہم کسی ہوٹل میں جائیں گے....؟
کنجوس آدمی نے کہا: بھئی ہوٹل کی نہیں میں نے باہر لان کی بات کی ہے۔
(مرسلہ: کامران فرید۔ حیدر آباد)

....تین دوست پکنک منانے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ تینوں میں طے ہوتا ہے کہ تینوں دو دو چیزیں لے کر آئیں گے۔
پہلا دوست دو سیب لے آتا ہے، دوسرا دو مالٹے لے آتا ہے اور تیسرا دوست اپنے دو بھائیوں کو لے کر آتا ہے۔
(مرسلہ: محمد حیدر شاہد۔ راولپنڈی)

....افسر سپاہی سے: تم نے چور کیوں نہیں پکڑا۔
سپاہی: جناب وہ ایک مکان میں چلا گیا تھا۔
افسر: تم اس کے پیچھے کیوں نہیں گئے....؟
سپاہی: دروازے پر لکھا تھا "بغیر اجازت اندر آنا منع ہے۔"
(مرسلہ: نیہا جبار۔ کراچی)

....ایک آدمی سبزی والے کے پاس گیا اور بولا: پچھلے ہفتے جو تم نے آلو دیے تھے بہت اچھے تھے۔ ویسے ہی آلو دے دو۔
سبزی والا خوش ہو کر بولا: جناب فکر نہ کریں یہ اسی دن کے بچے ہوئے آلو ہیں۔
(مرسلہ: مہتاب خان۔ کوئٹہ)

....باپ بیٹے سے: بڑے ہو کر تم کیا بنو گے....؟
بیٹا: بعد کا تو پتہ نہیں مگر آج کل ماسٹر صاحب روز مرغا بناتے ہیں۔
(مرسلہ: طوبیٰ دانش۔ کراچی)

....ایک صاحب کا جوتا چھوٹا تھا، چلنے میں تکلیف ہو رہی تھی۔ ایک شخص نے پوچھا "جوتا کہاں سے لیا ہے؟" جلے بھنے تو پہلے ہی تھے۔ بولے "درخت سے توڑا ہے۔"
دوسرا بولا:
"بڑی جلدی کی آپ نے، ایک ہفتہ اور رک جاتے تو جوتا پورے ناپ کا ہو جاتا۔"
(مرسلہ: احسن ریاض۔ لاہور)

....ماں (بیٹے سے): اس دروازے پر انگلیوں کے گندے نشان تمہارے ہاتھ کے ہیں....؟
بیٹا: نہیں امی میں تو ہمیشہ پاؤں مار کر دروازہ کھولتا ہوں۔
(مرسلہ: ندیم احمد۔ کراچی)

محفلِ مراقبہ

مرکزی مراقبہ ہال سرجانی ٹاؤن کراچی میں جذبۂ خدمتِ خلق کے تحت جمعے کے روز خواتین وحضرات کو بلا معاوضہ روحانی علاج کی سہولت مہیا کی جاتی ہے۔ خواتین وحضرات کو جمعے کی صبح 7:45 بجے ملاقات کے لئے نمبر دیے جاتے ہیں اور ملاقات صبح 8 سے 12 بجے دوپہر تک ہوتی ہے اور ہفتے کی دوپہر 3:45 بجے نمبر دیے جاتے ہیں اور ملاقات 4 بجے سے شام 7 بجے تک ہوتی ہے۔ ہر ہفتے، بعد نمازِ جمعہ عظیمیہ جامع مسجد سرجانی ٹاؤن میں اجتماعی محفلِ مراقبہ منعقد ہوتی ہے جس میں درود شریف، آیت کریمہ کا ختم اور اجتماعی مراقبہ کے بعد دعا کی جاتی ہے۔ جمعے اور ہفتے کے علاوہ خواتین وحضرات ملاقات کے لئے زحمت نہ کریں۔ محفلِ مراقبہ میں دعا کے لئے اپنا نام، والدہ کا نام اور مقصدِ دعا تحریر کرکے ارسال کیجیے۔ جن خوش نصیبوں کے حق میں اللہ رحیم وکریم نے ہماری دعائیں قبول فرمائی ہیں وہ اپنے گھر میں محفلِ میلاد کا انعقاد کرائیں اور حسبِ استطاعت غریبوں میں کھانا تقسیم کریں۔

کراچی: احسن وقار۔ احسن عمران۔ احمد حسن۔ احمد سعدیہ۔ ارسلان۔ اسماعیل۔ اعجاز۔ افضل۔ اکرم الحق۔ الطاف حسین۔ ام اجمل۔ ام رابعہ۔ ام سلمٰی۔ امان الحق۔ امداد۔ انجم۔ انیس الحسن۔ ایس ایم جہانگیر الدین۔ ایمن۔ ایوب۔ آپا قمر۔ آمنہ انوار۔ بشریٰ مظہر۔ بشریٰ۔ بی بی کوثر۔ پروین کوثر۔ ثانیہ طارق۔ ثمینہ۔ ثناء فضل۔ ثوبیہ۔ جاوید۔ جاوید۔ جمال۔ جمیل احمد۔ جمیلہ لیاقت۔ جنید عثمان۔ جنید۔ جواد۔ جویریہ۔ حسن فضل۔ حسن۔ حسینہ۔ حنا انیس حنا۔ خاتون۔ خالد اکبر۔ خدیجہ۔ فراز۔ مظفر جمال۔ دانش شمیم۔ دلدار۔ دلشاد بی بی۔ رابعہ سعدیہ۔ رابعہ۔ راحیلہ۔ رخسار۔ رخسانہ انجم۔ رزاق احمد۔ رضوان علی۔ رضوان شاہد۔ رضیہ۔ رقیہ بی بی۔ روبینہ راؤ۔ ریاض۔ ریحان۔ ریشم بی بی۔ زاہد سرفراز۔ زاہدہ نسرین۔ زاہدہ حنا۔ زبیدہ بی بی۔ زکیہ بی بی۔ زین وقار۔ ساجدہ پروین۔ ساجدہ۔ سحر ش بخش۔ سرفراز احمد لودھی۔ سرفراز درانی۔ سعد مرزا۔ سعدیہ۔ سعیدہ شاہد۔ سلمٰی محبوب۔ سمیرا بی بی۔ سویرا مجید۔ سیمی۔ شاہدہ پروین۔ شاہدہ۔ شاہین۔ شفقت پروین۔ شفیق۔ شکیلہ۔ شائستہ۔ شمع پروین۔ شمیم حق۔ شمیم خالد۔ شہزاد پرویز۔ شہلا۔ شبنم۔ شیراز۔ صابرہ بی بی۔ صائمہ فیصل۔ صائمہ۔ صدف۔ طارق۔ طاہرہ۔ طیبہ۔ ظفر۔ عابد محمود۔ عابدہ پروین۔ عابدہ۔ عالیہ۔ عامر۔ عائشہ اکرام۔ عائشہ مظہر۔ عائشہ ندیم۔ عائشہ جاوید۔ عبدالرحمٰن۔ عبداللہ۔ عثمان۔ عدنان۔ عذرا۔ عرشیہ عطیہ نعمان۔ عرفان الحق۔ عروج۔ عریشہ جنید۔ عزیزہ۔ عشرت زاہد۔ علی حسن۔ علیزہ فاطمہ۔ علینہ جنید۔ علی۔ علی احمد۔ عمارہ الطاف۔ عمران۔ عمر۔ عندلیب۔ غنی۔ غفران۔ غلام محمد۔ فاران۔ فارحہ۔ فاروق۔ فاریہ۔ فاطمہ۔ فائزہ انیس۔ فائزہ۔ فرحان الحق۔ فرحان۔ فرحت۔ فرحیہ۔ فردوس۔ فرزانہ کنول۔ فریان۔ فرید احمد۔ فریدہ۔ فیصل رفیق۔ قاسم۔ قرۃ العین۔ قمر راؤ۔ قیصر محمود۔ کامران۔ کریم بی بی۔ کلثوم۔ کنول۔ کنیزہ۔ کوثر پروین۔ کوثر۔ لاریب۔ ماریہ۔ مبشرہ۔ مجتبیٰ۔ محسن طارق۔ محسن۔ محمد ارسلان۔ محمد حنیف۔ محمد علی۔ محمد فاروق۔ محمد یعقوب۔ مرتضیٰ کاشف۔ مریم منظور۔ مزمل بی بی۔ مزمل رسول۔ مسرت شاہد۔ مسرت جہاں۔ مسرت منظور۔ مسز کوثر خالد۔ مصباح قمر۔ مصباح علی۔ مظہر علی۔ مقبول بی بی۔ ممتاز احمد۔ ممتاز بیگم۔ منزہ۔ منور طارق۔ منیبہ بی بی۔ منیر احمد۔ اختر سلطان۔ اصفیہ۔ انعاس۔ امبر سلطان۔ امتیاز۔ انیسہ کریم۔ انجم طاہر۔ اور نگزیب۔ اویس احمد۔ آسیہ پروین۔ آصف عارفین۔ آفتاب غلام محمد۔ آفتاب قاضی۔ آمنہ۔ بابر امین خان۔ بسما اختری بیگم۔ بشریٰ ریحان۔ بشیر قاضی۔ بلال رضا۔ بلال احمد۔ تابندہ ناز۔ تبسم آصف۔ تبسم۔ تحسین شوکت۔ تسنیم بانو۔ تہمینہ شہزاد۔ ثمینہ اکرم۔ ثوبیہ یاسمین۔ جاوید۔ جمیلہ۔ جواد احمد۔ جواد علی۔ جویریہ۔ حسن علی۔ حسیب اشفاق۔ حسین۔ حفصہ۔ حمید۔ حمیدہ بیگم۔ حمیرا ناز عظمیٰ۔ حمیرا وسیم۔ حمیرا ناز۔ حنا نور۔ حنیفہ۔ خالدہ رشید۔

www.paksociety.com

نیم، نیم۔ رمیش یونس۔ روبینہ ثاقب۔ روبینہ عبدالحمید۔ روبینہ یاسمین۔ روشن لقاء۔ رکس پرویز۔ زبیدہ۔ زویا۔ زہرہ۔ ساجدہ۔ ساجدہ۔ سارہ مجید۔ سائرہ۔ سدرہ کرن۔ سدرہ۔ سرمدی بیگم۔ سعدیہ کنول۔ سعدیہ۔ سعد۔ سکینہ بیگم۔ سکینہ۔ سلیم اختر۔ سلیم بانو۔ سمیہ گل۔ سمیہ۔ سونیا۔ سہیل احمد۔ شازیہ عاطف۔ شازیہ قریشی۔ شاہدہ پروین۔ شاہدہ پروین۔ شاہدہ عثمان۔ شفقت طاہرہ۔ شگفتہ پروین۔ شمائلہ قاسم۔ شمس عروج۔ شمس۔ شمع نعمان۔ شمیم اختر۔ شہناز چوہدری۔ شہناز طاہر۔ شہناز کوثر۔ شہناز آپا۔ صائمہ ناہید۔ صائمہ صدف۔ صفورا تبسم۔ طارق حنیف۔ طاہر اکرام۔ طاہر محمد۔ طاہرہ نثار۔ طیب طاہر۔ طیب طاہر۔ عابدہ۔ عادل رحمن۔ عادل سلیم۔ عاصم رشید۔ عاصم رشید۔ عاصمہ نسیم۔ عاطف حسین۔ عاطف نواز۔ عامر شہزاد۔ عامر اقبال۔ عائشہ رحمان۔ عائشہ رحمان۔ عائشہ کرن۔ عائشہ محمد لطیف۔ عائشہ خان۔ عبدالحفیظ۔ عبدالرحیم۔ عبدالرشید۔ عبدالرزاق۔ عبدالغفار۔ عبداللہ۔ عبدالمجید صابری۔ عبید اللہ۔ عثمان ساجد۔ عثمان طاہر۔ عثمان۔ عدیل ارشاد۔ عظمیٰ آصف۔ عظمیٰ ناہید۔

عظمیٰ نسیم۔ عفت حنیف۔ عفت وسیم۔ عفت یاسمین۔ علی وقاص علی۔ عمر ادریس۔ عمر اسماعیل۔ عمر فاروق۔ عمران سرور۔ عمران سید عمران۔ غلام احمد۔ غلام جیلانی۔ غلام قادر۔ غلام مصطفیٰ۔ غلام مصطفیٰ۔ غلام نبی۔ فائزہ یاسین۔ فائزہ یاسین۔ فاطمہ نواز۔ فائزہ۔ فائزہ ارسلان۔ فائزہ کامران۔ فخر سلطان۔ فراز۔ فرحان۔ فرحت کوثر۔ فرح۔ فقیر حسین۔ فوزیہ یعقوب۔ فیاض۔ فیصل رشید۔ فیصل۔ قمر احمد۔ قمر انصاری۔ کاشف جبار۔ کاشف نواز۔ کامران۔ کرم نبی۔ کرن بلال۔ کرن۔ کشور سلطانہ۔ کلثوم یاسین۔ کلیم خان۔ کنول عطا محمد۔ کنول۔ کوثر انصاری۔ کوثر شمیم۔ کومل۔ لاذی ملک۔ لائبہ آصف۔ لبنیٰ۔ ماجدہ۔ ماہ جبین۔ مبشر اقبال۔ محبوب علی۔ محمد احمد۔ محمد ادریس۔ محمد اسماعیل۔ محمد اجمل۔ محمد امجد۔ محمد امین عابد۔ محمد اویس۔ محمد آصف۔ محمد تبسم۔ محمد اویس۔ محمد حارث۔ محمد حنیف۔ محمد رمضان۔ محمد زاہد۔ محمد سعید عباس۔ محمد شاہد۔ محمد شاہد۔ محمد شفیق گجر۔ محمد طلحہ۔ محمد عظیم شاہد۔ محمد عظیم۔ محمد علی صدیقی۔ محمد علی۔ محمد علی۔ محمد غلام

❁

بقیہ: جیتی جاگتی زندگی

خوبصورت تھیں.... اس بچے کی پیدائش کے بعد میرا جی چاہا کہ اسے ساجد کے سامنے لے جاؤں اور اسے بتاؤں کہ یہ بھی میرا ہی خون ہے۔ جو اوپر والے کی دین ہے یہ میرے شکر اور صبر کا صلہ ہے۔ یہ میری دعاؤں کا حاصل ہے مگر اسلم نے مجھے منع کر دیا۔ اور کہنے لگے.... "تم ساجد کو بھول جاؤ ماضی کو فراموش کر دو۔ مجھے تمہارے ماضی سے کوئی غرض نہیں ہے۔ مجھے تم سے اور تمہارے حال سے غرض ہے"....

میں خاموش ہو گئی۔

ساجد کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ اولاد کے لیے در در بھٹک رہا ہے کچھ عرصے بعد اس کی بیوی شیبا بھی اسے چھوڑ گئی ہے۔

❄

بقیہ: اس ماہ

سے "اپریل فول" کا آغاز ہوا.... مغربی ممالک میں یکم اپریل کو عملی مذاق کا دن قرار دیا جانے لگا۔ اس دن ہر طرح کی نازیبا حرکات کی چھوٹ ہوتی ہے، اور جھوٹے مذاق کا سہارا لے کر لوگوں کو بے وقوف بنایا جاتا ہے۔ یہ فضول اور بے مقصد دن ہمارے معاشرے میں بھی سرایت کرنے لگا ہے۔ یکم اپریل کے دن عموماً لوگ ایک دوسرے کو پریشان کرنے کے لئے جھوٹی افواہیں اڑا دیتے ہیں کسی شخص کو حیران کرنے کے لئے ایسی بات پھیلا دیتے ہیں جو بالکل جھوٹ پر مبنی ہوتی ہے۔ اس طرح سے دوسرے کو پریشانی و حیرانی میں مبتلا کر کے خود خوش ہوتے ہیں۔ اس دن عام لوگوں کے اس معمول کی وجہ سے یکم اپریل کو "فول ڈے" (بے وقوف بنانے کا دن) کہا جاتا ہے۔

بیسویں روحانی ورکشاپ

رپورٹ: منیب الدین   تصاویر: عبدالرحمان

سلسلہ عظیمیہ کے امام حضرت محمد عظیم برخیاء قلندر بابا اولیاءؒ کے چونتیسویں یوم وصال کے موقع پر قلندر شعور فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام ایک روزہ روحانی ورکشاپ بعنوان "سیرت طیبہ ﷺ کی رہنمائی میں سلسلہ عظیمیہ کی تعلیمات" 26 جنوری 2014ء مرکزی مراقبہ ہال، کراچی میں منعقد ہوئی۔ جس میں شریک خواتین و حضرات نے تبادلہ خیال کیا۔ اس موقع پر سلسلہ عظیمیہ کے سربراہ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب نے ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی کے ساتھ ورکشاپ کا وزٹ کیا، مختلف گروپس میں جا کر مذکرہ کو سنا اور شرکاء ورکشاپ کے دلجمعی اور ذوق و شوق کیساتھ نکات پر غور و فکر اور ڈسکشن کو سراہا....

ورکشاپ کے مہمان اعزازی سید سرمد علی، صدر اے پی این ایس نے ورکشاپ کی کارروائی کو سراہا اور کہا کہ "اس نشست میں مختلف ممالک، مختلف مذاہب اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے حضرات و خواتین کی شمولیت اور انہماک کو دیکھ کر انتہائی مسرت ہو رہی ہے۔"

صدر قلندر شعور فاؤنڈیشن، ورکشاپ آرگنائزر، روحانی ڈائجسٹ کے منیجنگ ایڈیٹر، ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی نے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ "قرآن علم کے حصول اور تحقیق کی تاکید کرتا ہے۔ تصوف کی تعلیمات بندہ کو خالق کے قریب کرتی ہیں اور بندہ بتدریج عرفان نفس سے عرفان الٰہی کی طرف قدم بڑھاتا ہے اور اپنی تخلیق کے مقصد کو پالیتا ہے۔"

روحانی ڈائجسٹ

ورکشاپ میں ہونے والی ڈسکشن کے معیار کا جائزہ لینے کے لئے آبزرونگ کمیٹی کے چیئرمین بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) شیر شاہ (ایسوسی ایٹ ڈین، NUST یونیورسٹی، اسلام آباد)، اور اراکین ڈاکٹر محمد اکرم رانا (پروفیسر اسلامک اسٹڈیز، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان) ، ڈاکٹر راشد حسین (پروفیسر / چیئرمین ڈیپارٹمنٹ آف فلاسفی سرگودھا یونیورسٹی) ، پروفیسر بہاؤ الدین (چیئرمین اسٹیٹسٹک ڈیپارٹمنٹ، سندھ ایگریکلچرل یونیورسٹی، حیدرآباد)، پروفیسر نسیم رشید (شعبہ اکنامکس، ایف جی ڈگری کالج، حیدرآباد) ، ڈاکٹر مظفر الدین (نیورو سرجن، کراچی)، ڈاکٹر ثمینہ عامر (ایسوسی ایٹ پروفیسر، لاہور)، انیس اختر (اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ آفیسر آف ایجوکیشن، میرپور خاص)، ڈاکٹر محمد طارق (چیف ڈینٹل سرجن ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ گورنمنٹ آف بلوچستان)، ڈاکٹر ریحانہ صادق (پشاور)، ڈاکٹر میاں مختار الحق (سائیکاٹرسٹ، پشاور)، محمد علی شاہ (انگلینڈ) اور عماد ملک (بحرین) شامل تھے۔

اس علمی نشست میں شامل غیر ملکی افراد کی سہولت کے لئے ورکشاپ کی کاروائی کو اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی، رشین اور عربی زبان میں بیان کیا جاتا رہا۔

ورکشاپ کے شرکاء خواتین وحضرات

سلسلہ عظیمیہ کے زیر اہتمام محفل میلاد النبی ﷺ
ور امام سلسلہ عظیمیہ حضرت قلندر بابا اولیاءؒ کے
ینتیسویں یوم وصال پر مرکزی تقریبات 27 جنوری
201، کو مرکزی مراقبہ ہال سرجانی ٹاؤن، کراچی میں
منعقد ہوئی۔

اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے حضرت خواجہ
مس الدین عظیمی نے کہا کہ، کائنات میں کوئی چھوٹی سے
ھوٹی بات یا بڑی سے بڑی بات ایسی نہیں ہے جس کی
رآن پاک میں وضاحت موجود نہ ہو۔

ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی نے کہا کہ ہم اس بات پر اللہ
عالی کو بہت شکر ادا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے
بیب حضرت محمد ﷺ کی امت میں پیدا فرمایا۔
حضرت محمد ﷺ کا امتی ہونا دنیا
کی ہر نعمت سے بڑی نعمت ہے
اور اللہ تعالیٰ ہمیں یہ نعمت عطا
فرمادی ہے اس کا جتنا بھی شکر
ادا کیا جائے وہ کم ہے۔

پاکستان کے ممتاز و معروف نعت خواں شفیق احمد، مکرم
علی خان اور راشد اعظم، سارا متین، نوارا مختار، شمہ، شمن،
جانِ عالم اور دیگر نعت خواں خواتین و حضرات نے نعتِ
رسول مقبول حضرت محمد ﷺ پیش کرنے کی سعادت
حاصل کی۔

قاری محمود احمد مدنی تلاوت کلام پاک جبکہ نظامت کے فرائض احتشام الحق اور منیب الدین نے ادا کیے۔

محفل میلاد کے شرکاء خواتین و حضرات

ہدیہ صلوٰۃ والسلام پیش کیا جا رہا ہے۔

روحانی ورکشاپ ... شرکاء کے چند تاثرات

☆.... ساتوں مرتبہ اس ورکشاپ میں شرکت کرکے بہت اچھا لگا۔ (میخائل جونیئر۔روس)

☆.... ہم بہت خوش ہیں کہ ہمیں یہاں ورکشاپ میں شرکت کا موقع ملا ہے، میرے نزدیک یہاں آنا خوش قسمتی ہے۔(یولیا کنازیو۔روس)

☆.... مجھے پروگرام میں شرکت کرکے خوشی ہوتی ہے، ایسا محسوس ہوجاتا ہے کہ ہم عظیمی صاحب کے سائے میں ہم روحانی فیض حاصل کر رہے ہیں۔(علینہ گریوا۔روس)

☆.... میرا تعلق ماسکو روس سے ہے یہاں آکر پاکستان کے بارے میں میرا ذہن تبدیل ہوا، پاکستانی لوگوں سے مل کر خوشی ہوئی۔(ڈیانا کلسو۔روس)

☆.... ہر مرتبہ ورکشاپ ہمارے لیے بہت فائدہ مند ہوتی ہے۔(مریدہ لیتھوا)

☆.... ورکشاپ ہمیں عظیمی صاحب کی تعلیمات کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ہم ان کے ممنون ہیں کہ یہ ہم جیسے لوگوں کو اپنا علم منتقل کر رہے ہیں۔(ولیر اییگو۔روس)

☆.... ہر سال یہاں آکر ہمیں موقع ملتا ہے کہ عظیمی صاحب کی تعلیمات کو سمجھیں۔ یہاں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی روحانی طاقت موجود ہے۔(تانیا گرشکو)

☆.... ہم لوگ جب یہاں آتے ہیں تو عظیمی صاحب کا ہم پر تصرف ہوتا ہے اور جب ہم واپس جاتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے اندر میں تبدیلی آئی ہے۔(خالدہ محمود۔روس)

☆.... ورکشاپ میں ہر سال لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہورہا ہے، انتظامات میں بھی بہتری آرہی ہے۔ اتنے اچھے انتظامات پر ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی کو دلی مبارکباد۔(علی اصغر۔گلاسگو)

☆.... ورکشاپ میں شرکت کی۔ بڑا متاثر کن اجتماع تھا بہت ہی عمدہ انتظامات تھے۔(محمد طارق۔کوئٹہ)

☆.... اس مرتبہ کے ورکشاپ کے انتظامات زیادہ منظم لگ رہے ہیں۔ (زاہد اقبال،بینکاک)

☆.... ماشاءاللہ ورکشاپ بڑی کامیاب رہی ہے۔ اس کے انتظامات بھی بہت عمدہ تھے۔(محمد علی شاہ۔لندن)

☆.... پروگرام کے انتظام پر میں ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور عظیمی صاحب کا خطاب بھی متاثر کن تھا۔(محمد شعیب۔حیدرآباد)

☆.... یہاں آکر مجھے بہت خوشی ہوئی اس تقریب کے انتظامات بہت اچھے اور مثالی تھے۔(بریگیڈیئر (ر) نصرت)

☆.... روحانی ورکشاپ میں شرکت کرکے پوری دنیا سے لوگ یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ان سے مل کر دلی راحت ملی۔(قاضی مقصود احمد۔راولپنڈی)

☆.... ہم یہاں سے ہر سال کوئی سبق لے کر جاتے ہیں جس پر پورا سال تفکر کرتے ہیں۔(پروفیسر طاہر۔چنیوٹ)

☆.... ہم گھر کو چھوڑ اس تقریب میں شرکت کے لیے آتے ہیں اور تازہ دم ہوکر روحانی فیض حاصل کرکے گھروں کو لوٹتے ہیں۔(شوکت علی۔سانگھڑ)

☆.... میں یہ سمجھتا ہوں کہ اتنے بڑے اجتماع میں اتنے بہتر انتظامات مشکل سے ہی نظر آئیں گے۔ یہاں پورا سسٹم نظر آرہا ہے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ہم باہر کی دنیا سے کٹ کر یہاں بیٹھیں ہیں۔(طاہر رشید۔مظفر آباد)

☆.... یہاں سے فیض حاصل کرکے ہم اپنے مراقبہ ہال کو بھی اسی طرز پر لانے کی کوشش کریں گے۔ (غلام ربانی۔ گجرات)

☆.... روحانی ورکشاپ کے ماشاءاللہ انتظامات اچھے تھے، موضوع ایسا چنا گیا جس سے ذہن کو جلا ملی، ورکشاپ کے موضوعات پر اتنا پر مغز کتابچہ تحریر کرنے پر ورکشاپ انتظامیہ اور خاص طور پر ڈاکٹر وقار یوسف عظیمی کا بہت شکریہ۔(میاں مشتاق احمد۔لاہور)

❀❀❀

ماسی کی بیٹی

☆☆☆

سوال: میں ایک غریب اور بے سہارا عورت ہوں۔ کم عمری میں شادی ہو گئی تھی۔ میری ایک بیٹی ہے۔ میرا شوہر نشہ کرتا تھا اور مجھے مارتا پیٹتا بھی تھا۔ کئی سال پہلے اس نے دوسری شادی کرلی اور مجھ سے اور اپنی بیٹی سے لاتعلق ہو گیا۔ اس وقت میری بیٹی کی عمر دس سال تھی۔ میں نہ تو زیادہ پڑھی لکھی تھی اور نہ ہی مجھے کوئی ہنر آتا تھا۔ والدین تھے نہیں.... بھائیوں نے دو تین ہفتے تو خبر گیری کی پھر وہ غریب بھائی بھی اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔

سر پر پڑی تو میں نے گزر اوقات کے لیے گھروں میں کام شروع کر دیا۔ میرا ایک خواب تھا کہ میری بیٹی اعلیٰ تعلیم حاصل کرے۔ تنگ دستی کے باوجود میں اپنی بیٹی کو اسکول بھیجتی رہی۔ آہستہ آہستہ میں نے کھانا بنانا بھی سیکھ لیا اور گھروں میں کھانا پکانے لگی۔ اس سے میری آمدنی میں خاصا اضافہ ہو گیا اور بیٹی کی اسکول کی فیس دینا آسان ہو گیا۔

میری بیٹی نے میٹرک میں اے گریڈ لیا انٹر میں اس کے نمبر اور بھی اچھے آئے۔ میں گھروں میں کام کرتی رہی اور اپنی بیٹی کو پڑھاتی رہی۔ میری بیٹی اب ایک اچھی یونیورسٹی میں گریجویشن کے آخری سال میں ہے۔ یونیورسٹی میں بھی ہر امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس ہو رہی ہے لیکن اپنی ان کامیابیوں کے باوجود اب وہ بہت اداس اور مایوس رہنے لگی ہے۔ اس کی اداسی کی وجہ یہ ہے کہ اس کی کوئی دوست نہیں ہے۔

یونیورسٹی میں داخلے کے بعد کئی لڑکیوں اور لڑکوں سے اس کی سلام دعا ہوئی لیکن جب انہیں پتہ چلا کہ یہ تو ایک ماسی کی بیٹی ہے تو ان لوگوں نے اس سے دور دور رہنا شروع کر دیا چونکہ پڑھائی میں بہت اچھی ہے اس لیے نوٹس لینے اور دوسری تعلیمی ضروریات کے لیے لڑکیاں اس کے پاس آتی ہیں۔ اس کی قابلیت کی خوب تعریفیں بھی کرتی ہیں۔ یہ خوشی خوشی ان لڑکیوں کے کئی کام کر دیتی ہے۔ کام مکمل ہو جانے کے بعد وہ لڑکیاں اس سے لاتعلقی اختیار کر لیتی ہیں۔ ایسا کئی بار ہو چکا ہے۔

ادھر میرے ساتھ بھی عجیب معاملہ ہے۔ میں بہت خوشی خوشی لوگوں کو بتاتی ہوں کہ میری بیٹی ایک اچھی

یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہے تو بجائے خوش ہونے کے اکثر عورتیں مسکراہٹ کے ساتھ کہتی ہیں

اوہو..... اچھا بھئی.....

میرا خیال تھا کہ میری بیٹی اچھی تعلیم حاصل کرے گی تو لوگوں میں ہماری عزت بڑھے گی۔ لوگ میری بیٹی کی حوصلہ افزائی کریں گے لیکن یہاں تو ایسا کچھ نہیں ہو رہا اور ہمیں لوگوں کی طرف سے لاتعلقی اور طنزیہ مسکراہٹوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

محترم ڈاکٹر صاحب.....! ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے.....؟

جواب: ایک عورت کا تن تنہا گھر داری کی ذمہ داریاں سنبھالنا اور اپنے بچوں کی اچھی پرورش اور تعلیم کا اہتمام کرنا نہایت مشکل کام ہے۔

آپ مبارک باد کی حق دار ہیں کہ اپنے شوہر کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں کے باوجود آپ نے اپنی بیٹی کی اچھی تعلیم کے لیے بہت زیادہ ایثار کیا۔

میری دعا ہے کہ آپ کی بیٹی کو مزید کامیابیاں ملیں۔ اس کا نصیب اچھا ہو۔ اسے عملی زندگی میں اعلیٰ مقام اور ازدواجی زندگی میں ڈھیروں خوشیاں ملیں۔ آمین

آپ کی بیٹی کو یونیورسٹی میں ہم جماعتوں کی لاتعلقی کا اور آپ کو اپنی بیگم صاحباؤں کی طنزیہ مسکراہٹوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ لاتعلقی اور طنزیہ مسکراہٹیں دراصل ان لوگوں کی اپنی تنگ دلی کا مظاہرہ ہیں۔

ایک غریب اور وہ بھی سنگل پیرنٹ عورت کی بیٹی ایک اچھی یونیورسٹی میں پڑھنے لگے، طبقاتی سوچ سے مغلوب بہت سے لوگوں کے لیے یہ بات تسلیم کرنا آسان نہیں ہے۔ بعض لوگوں کے طرز عمل کتنے عجیب ہوتے ہیں۔ ہم لوگ غریب کے بچے کو آگے پڑھنے میں کوئی مدد فراہم نہیں کرتے بلکہ کئی بار اس کا مذاق بھی اڑاتے ہیں لیکن یہی بچہ اپنی محنت سے معاشرے میں کوئی مقام بنالے تو پھر اس سے اپنا تعلق جوڑنے میں بھی دیر نہیں لگاتے۔

فی الحال آپ خاموش رہیں اور اپنی بیگم صاحباؤں سے اپنی بیٹی کی باتیں نہ کیا کریں۔ آپ فکر نہ کریں۔ اللہ کی مہربانی سے آپ کی بیٹی کل کسی اعلیٰ مقام پر ہوگی تو بہت لوگ اس کی کامیابیوں پر آپ کو مبارک باد دیا کریں گے۔ اس وقت لوگ آپ کے پاس آ کر آپ سے پوچھا کریں گے کہ آپ نے مشکل حالات میں اپنی بیٹی کو اعلیٰ تعلیم کس طرح دلوائی۔

سائے نظر آتے ہیں

☆☆☆

سوال: تقریباً تیس سال پہلے ہمارے والد نے انویسٹمنٹ کی غرض سے ایک مکان خریدا۔ والد کا خیال تھا کہ کچھ عرصہ بعد اسے بیچ دیں گے۔ اس وقت والد نے اپنے ایک کزن کو جو بہت غریب اور بے اولاد تھے، عارضی طور پر اس مکان میں رہنے کی اجازت دے دی۔ اس وقت والد کا کاروبار بہت اچھا تھا۔ شہر میں ان کی کافی جائیداد تھی۔ چند ماہ بعد والد نے یہ مکان بیچنے کا ارادہ کیا اور اپنے کزن سے مکان خالی کرنے کو کہا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ انہیں چار پانچ سال اس مکان میں رہنے دیا جائے۔ ہمارے والد نے انہیں کہا کہ چار پانچ سال تو نہیں البتہ مزید ایک سال آپ یہاں اور رہ لیں۔ یہ بات سن کر وہ کہنے لگے چلو دیکھیں گے تم یہ مکان بیچتے ہو یا خود یہاں آ کر رہتے ہو..... ان کی یہ بات ہمارے والد کو بہت عجیب سی لگی۔

اس بات کے چند ہفتوں بعد ہی ہمارے والد کا کاروبار کم ہونے لگا۔ ایک سودے میں انہیں بہت زیادہ نقصان ہوا۔ جسے بھرنے کے لیے انہیں اپنے کئی پلاٹ بیچنے پڑے۔ کچھ عرصہ بعد ایک اور بڑا نقصان ہوا۔ اس نقصان کو بھرنے کے

عظیمی ریکی سینٹر............تاثرات

(سید عاقب علی۔ کراچی)

تین، چار سال پہلے ٹریفک حادثے میں شدید زخمی ہو گیا تھا۔ میرے دائیں ہاتھ اور پاؤں میں حرکت ختم ہو گئی تھی۔ اس دوران کئی آپریشن بھی ہوئے اور فزیو تھراپی بھی کروائی۔ مگر ہاتھ پاؤں میں حرکت نہ آئی۔

ڈاکٹروں کے مشورے سے علاج جاری رکھا مگر چلنے پھرنے سے معذور رہا۔ پھر میں نے عظیمی ریکی سینٹر سے رابطہ کیا۔ یہاں میرے مسائل پر تفصیلی غور کے بعد ریکی کے سیشن لینے کا مشورہ دیا گیا۔ ریکی کے ابتدائی سیشن سے ہی مجھے بہت فائدہ ہوا۔ اب میں اپنے ہاتھ سے گلاس پکڑ سکتا ہوں اور پاؤں میں بھی حرکت پیدا ہونے لگی ہے۔ امید ہے جلد ہی مکمل صحتیاب ہو جاؤں گا۔

لیے ہمیں اپنا قدیم رہائشی مکان بیچنا پڑا اور ہم لوگ واقعی اس مکان میں آ گئے جسے والد نے انویسٹمنٹ کے لیے خریدا تھا۔

اس مکان میں رہائش اختیار کرنے کے بعد ہمیں کئی دوسرے مسائل کا بھی سامنا کرنا پڑا۔

یہاں آنے کے بعد میرے ایک بچے کو سانس کا مرض ہو گیا۔ ایک بھائی کو ڈپریشن ہونے لگا۔ ایک بھائی کو دمہ کی بیماری لگ گئی۔

کچھ عرصہ بعد چھت سے اور سیڑھیوں سے لوگوں کے بھاگنے دوڑنے کی آوازیں آنے لگیں۔ کبھی زینے پر کوئی سایہ سا چھپتا نظر آتا۔ کبھی بڑا سا سانپ رینگتا ہوا نظر آتا۔

کاروباری نقصانات، گھر کے تین افراد کی بیماری کے بعد اس نئی صورت حال سے ہم سب سخت پریشان تھے۔ بعد میں پتہ چلا کہ ہمارے والد کے کزن یعنی ہمارے رشتے کے تایا صاحب ہمارے مکان میں بیٹھ کر جنات کے لیے کوئی عمل کیا کرتے تھے۔ وہ عمل تین سال میں پورا ہونا تھا لیکن ان سے مکان واپس لے لینے کی وجہ سے ان کا وہ عمل ادھورا رہ گیا جبکہ کچھ لوگوں نے بتایا کہ اس مکان میں تو پہلے ہی سے اثرات تھے۔ ان صاحب کے یعنی ہمارے تایا کے آنے کے بعد ان اثرات میں مزید اضافہ ہو گیا اور محلے والوں کو بھی اس مکان سے خوف آنے لگا تھا۔

یہ سب باتیں ہمیں مکان میں شفٹ ہونے کے بعد معلوم ہوئیں۔

ہم تین بھائی شادی شدہ ہیں۔ پہلے تینوں اسی مکان میں رہتے تھے۔ پچھلے چھوٹے بھائیوں نے اپنی اپنی رہائش الگ کر لی ہے۔ الگ ہونے کے بعد وہ دونوں خوش ہیں۔ ایک بھائی کی بیٹی کو سانس کی تکلیف بھی خود ہی ٹھیک ہو گئی ہے۔

کئی لوگ کہتے ہیں کہ اب آپ لوگ بھی یہ مکان چھوڑ کر کہیں اور شفٹ ہو جائیں لیکن فی الحال ہم یہ مکان چھوڑ کر کسی دوسری جگہ مکان خریدنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا کیا جائے۔

جواب: بعض جگہیں رہائش یا کاروبار کے لیے غیر مناسب یا عام الفاظ میں "بھاری" ہو سکتی ہیں۔ ایسی جگہوں پر رہائش یا کاروبار کرنا متعلقہ لوگوں کے لیے تکلیف اور پریشانیوں کا سبب بن سکتا ہے۔ آپ کے مسئلہ پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس مکان میں صفائی اور ہوا کے گزر کا مناسب نظام نہیں ہے اگر کچھ انتظامات کر لیے جائیں تو توقع ہے کہ

اس مکان میں رہائش آسان ہوجائے گی۔ سب سے پہلے تو اس مکان میں ہوا کے مناسب گزر کا اور دن کے وقت سورج کی روشنی اندر آنے کے لیے مکان میں ضروری کام کروا لیئے جائیں۔ ہوا اور روشنی کے کاموں کے بعد مکان میں کسی جگہ پھلواری لگائی جائے۔

انڈور پلانٹس بھی لگائے جائیں۔ مکان کے مختلف کمروں میں اگر گہرے رنگ پینٹ ہوئے ہیں تو ان کی جگہ آف وائٹ یا ہلکے نیلے یا ہلکے سبز رنگ پینٹ کروالیں۔

مندرجہ ذیل خطوط کے جوابات حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب نے تحریر فرمائے ہیں۔

حالات کی ستم ظریفی

☆☆☆

سوال: میں اور میرے ماں باپ شوگر کے مریض ہیں۔ میری عمر پینتیس سال ہے۔ میرے والد ریٹائر ہوچکے ہیں اب گھر پر ہی ایک دکان کھول رکھی ہے جو نہ چلنے کے برابر ہے۔ میں ایک پرائیویٹ ادارے میں کام کرتی ہوں ۔ ہماری گزر اوقات بہت مشکلوں سے ہورہی ہے۔ میرا کوئی رشتہ بھی نہیں آیا۔

میری والدہ نے ایک دو جاننے والوں سے رشتہ کی بات بھی کی لیکن جب لڑکے والوں کو ہمارے حالات کا بتایا جاتا ہے تو خاموشی ہوجاتی ہے۔ ان سب مسائل نے مجھے ڈپریشن میں مبتلا کردیا ہے۔

مجھے اپنی شادی سے زیادہ گھر کے معاشی حالات اور والدین کی صحت کی فکر ہے۔

جواب: عشاء کی نماز کے بعد اکتالیس مرتبہ سورہ اخلاص گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور اچھی جگہ شادی کے لیے دعا کریں۔ یہ عمل کم از کم چالیس یا نوے روز تک جاری رکھیں۔

نماز کی پابندی کریں۔ وضو بے وضو یاحی یاقیوم کا ورد کریں۔

حسب استطاعت صدقہ بھی کردیں۔

کاش بیٹا گھر آجائے....

☆☆☆

سوال: میرا بیٹا جس کی عمر چوبیس سال ہے۔ پڑھا لکھا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک تو وہ اپنے والدین کا بہت فرمانبردار تھا۔ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کا خیال رکھتا تھا۔ ایک پرائیویٹ ادارے میں اس کی اچھی جاب تھی ۔ پتہ نہیں ہمیں کس کسی نظر لگی یا ہمارا ہی کوئی گناہ تھا جس کی ایسی سزا ملی کہ ہمارا سب کچھ برباد ہوگیا۔

چھ ماہ پہلے اس کے چند نئے دوست بنے۔ ان دوستوں کے کہنے پر میرے بیٹے نے ایک پیر صاحب کو اپنا سب کچھ مان لیا۔ ہر وقت ان کا دم بھرتا رہتا ہے۔ ہم سے ہر معاملے میں جھوٹ بولتا ہے۔ ہمیں گناہ گار سمجھتا ہے۔ ان کے پیر صاحب خود بھی نماز کے پابند نہیں ہیں اس لیے اس نے نماز چھوڑ دی ہے۔ اپنی آدھی تنخواہ اپنے پیر کے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے کہ یہ ان کا حق ہے۔ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں سے بہت سختی سے بات کرنے لگا ہے۔ یہی معاملہ ہمارے ساتھ بھی ہے۔ سنا ہے کہ وہ نشہ بھی کرنے لگا ہے۔

تین ماہ پہلے اس کے پیر صاحب کی دوسرے شہر منتقل ہوگئے۔ ہم سب نے سکون کا سانس لیا.... لیکن دو ہفتے بعد میرے بیٹے نے بتایا کہ اسے کمپنی کی طرف سے ٹریننگ کے لیے دوسرے شہر جانا ہے۔ ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا اور مطمئن

ہو گئے کہ اب ہمارا بیٹا مر گیا ہے۔ چند دن بعد یہ گھر سے چلا گیا.... وہ دن اور آج کا دن ہے ہمیں اس کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ اس کی کمپنی سے معلوم کیا تو انہوں نے بتایا کہ ہم نے اسے کسی ٹریننگ کے لیے نہیں بھیجا ہے۔ اس نے اپنا موبائل بھی بند کر رکھا ہے۔

ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ہمارا بیٹا ایسا بھی کر سکتا ہے۔ شدید غم و غصے کے باوجود ہمیں اس کی سلامتی کی خبر کا انتظار رہتا ہے۔ کچھ بھی ہو وہ ہماری اولاد ہے۔ زندہ اولاد کی جدائی سہنا بہت مشکل ہے۔ ہم نے اس کے دوستوں سے معلوم کروایا کہ اس کے پیر صاحب کس شہر میں ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہمیں پتہ نہیں ہے۔

کوئی عمل بتائیں کہ ہمارا بیٹا گھر واپس آجائے۔

جواب: پیری مریدی کے سلسلے میں تو فی زمانہ کچھ کہنا ناقابل تذکرہ ہے۔ پانچ وقت نماز کی پابندی کریں۔ تہجد کی نفلوں کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور بیٹے کا تصور کر کے پیشانی پر تین پھونکیں مار دیں۔ لگن، یقین اور سچے دل سے اگر یہ عمل کیا گیا تو انشاء اللہ مسئلہ حل ہو جائے گا اور بیٹا گھر آجائے گا۔

دل سے قبول کرلو....!!

☆☆☆

سوال: میری شادی کو پانچ سال ہو گئے ہیں۔ میری عمر تئیس سال ہے اور میرا ایک بیٹا ہے۔ شروع ہی سے شوہر اور سسرال والوں کا رویہ میرے ساتھ اچھا نہ تھا اسی ٹینشن زدہ ماحول میں میں امید سے ہو گئی۔ اللہ نے مجھے ایک بیٹا دیا۔ جب یہ بیٹا پیدا ہوا تو میرے دیور کا انتقال ہو گیا۔ میرے دیور کی دو لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔ میرے شوہر اور سسرال والوں نے مجھے مزید تکلیف دینے کے لیے فیصلہ کیا کہ وہ گھر میں موجود اپنی بیوہ بھابھی سے شادی کر لے تاکہ بیوہ اور بچوں کی کفالت ہو سکے۔ اس فیصلے سے میری بیوہ دیورانی بھی خوش تھی اس کا سلوک بھی میرے ساتھ دوسرے گھر والوں جیسا ہی تھا۔

میں نے اپنے شوہر کو خدا رسول کے واسطے دیئے ہاتھ جوڑے مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا جب میں نے دیکھا کہ یہ لوگ نہیں مانتے تو میں اپنے بیٹے کو لے کر اپنے گھر آگئی۔ عدت کے بعد میرے شوہر نے اپنی بیوہ بھابھی سے گھر میں ہی نکاح کر لیا تھا۔

نکاح کے تین ماہ بعد انہوں نے زور زبردستی مجھ سے میرا بیٹا چھین لیا مجبوراً مجھے بھی کچھ دنوں بعد ان کے گھر واپس آنا پڑا۔ میں نے تو ان حالات سے سمجھوتہ کر لیا ہے لیکن میرے سسرال والوں نے مجھے ابھی بھی دل سے قبول نہیں کیا۔

میرے شوہر اور سسرال والوں کا رویہ مزید خراب ہو گیا۔ میں سب کچھ اپنے بیٹے کے لیے برداشت کر رہی ہوں۔ کوئی دعا بتائیں کہ میرے شوہر اور اس کے گھر والوں کو اللہ ہدایت دیں اور وہ میرے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

جواب: دو شادیاں کرنا کوئی بات نہیں ہے۔ اگر شوہر انصاف کرے تو چار شادیوں کی بھی اجازت ہے۔ ایسے مسلمان علاقے بھی ہیں جہاں ایک شوہر والی بیوی کو خواتین برا کہتی ہیں اور ان کی گفتگو میں یہ فقرہ بھی ہوتا ہے کہ لے لو.... کس منہ سے بولتی ہے کہ تم شوہر کی اکیلی بیوی ہے۔

مسئلہ دوسری شادی کا نہیں.... مسئلہ یہ ہے کہ خدمت کون سی بیوی کرتی ہے اور گھر بستی کو کون اہمیت دیتی ہے۔ آپ اپنے شوہر سے بھرپور محبت کیجئے۔ یتیم بچوں کے سر پر ہاتھ رکھیئے۔ ان کو خود سے اتنا مانوس کر لیں کہ وہ اولاد کے قائم مقام ہو جائیں۔ ایثار اور قربانی سے جو کام ہو جاتا ہے وہ ضد اور نظر انداز کرنے سے نہیں ہوتا۔

پانچ وقت نماز کی پابندی کریں اور نماز کے بعد ایک تسبیح

اَللّٰہُ رَحِیمٌ اَللّٰہُ کَرِیمٌ

پڑھ کر دعا کریں۔

گھر کا بگڑا ہوا ماحول کیسے ٹھیک کیا جائے...؟

☆☆☆

سوال: ہماری سات بہن بھائی ہیں۔ چار بہنیں تین بھائی۔ ہمارے والدین میں آپس میں کبھی نہیں بنی۔ والد صاحب غصے کے تیز ہیں۔ موقع بے موقع امی کو ڈانٹتے رہے۔ کبھی ان پر ہاتھ بھی اٹھایا۔ امی بھی ہمارے والد کو ترکی بہ ترکی جواب دیتی رہیں۔

اس دوران بچے بھی پیدا ہوتے رہے اور لڑائی جھگڑے اور باہمی بے عزتیوں کے اس ماحول میں پرورش پاتے رہے۔ والدین کی یہ شدید لڑائیاں آج تو کچھ کم ہو گئی لیکن اب بہن بھائی ایک دوسرے سے لڑتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ سب ایک دوسرے کی شکل سے بیزار ہیں۔ ساتوں بہن بھائی کی آپس میں بات چیت بھی نہیں ہے۔ بس کوئی ضروری بات ہوئی تو سپاٹ لہجے میں جلدی سے کر لیتے ہیں۔ اگر چار پانچ منٹ تک بات ہو جائے تو اس کا انجام بحث اور لڑائی کی شکل میں ہی نکلتا ہے۔ دو بہنوں کی شادی ہو چکی ہے۔

دو سال پہلے بھائی کی شادی ہوئی۔ اس کی بیوی نے سسرال کا یہ ماحول دیکھا تو الگ ہو جانے کی ٹھان لی۔ وہ ہر روز ہمارے بھائی سے ہم سب کی خاص طور پر بہنوں کی شکایتیں لگاتی تھی۔ اپنی بیوی کی باتیں سن سن کر بھائی پر انکشاف ہوا کہ یہ گھر تو اب رہنے کے قابل نہیں رہا ہے۔ چند ہفتوں بعد وہ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر کرایہ کے مکان میں شفٹ ہو گیا۔

چند ماہ پہلے دوسرے بھائی کی شادی ہوئی۔ اس نے تو شادی سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ الگ رہے گا۔ شادی کے تیسرے ہفتے ہی وہ ایک فلیٹ میں شفٹ ہو گیا۔ اب اس گھر میں والدین کے ساتھ ہم دو بہنیں اور ایک بھائی رہتے ہیں۔ والد صاحب ہمارے چھوٹے بھائی کو نکما اور کام چور کہتے ہیں۔ جواب میں وہ بھی والد صاحب کو بہت کچھ کہہ دیتا ہے۔ ایک سنگین مسئلہ یہ ہے کہ بہن بھائیوں میں سے کوئی والد صاحب کی حمایت کرے تو والدہ اس سے ناراض ہو جاتی ہیں۔ کوئی والدہ کی حمایت کرے تو والد صاحب اسے اپنا مخالف سمجھتے ہیں۔ ماں باپ کے ان جھگڑوں میں ہمارے چھوٹے بھائی نے ہمیشہ ماں کی سائیڈ لی ہے اس لیے والد صاحب اس سے ہمیشہ ناراض ہی رہتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ اسے برا بھلا کہتے ہیں بلکہ دوسروں کے سامنے بھی اس کی برائیاں کرتے ہیں۔ ہماری ایک بہن والد صاحب کی بہت زیادہ سائیڈ لیتی ہیں۔ ان سے ہماری امی سخت ناراض ہیں اور انہیں برا بھلا کہتی رہتی ہیں۔

ماں باپ کے خراب تعلقات اور بہن بھائیوں کے باہمی جھگڑوں کی وجہ سے محلے والے ہمیں طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہیں اور رشتہ داروں میں ہمارا مذاق اڑایا جاتا ہے۔

مجھے کچھ نہیں آتا کہ ہمارے گھر کا بگڑا ہوا ماحول کس طرح ٹھیک ہو گا....؟

جواب: آپ کے گھریلو ماحول کی خرابی کی بنیاد غلط سوچ ہے۔ اس سوچ کا تعلق عورت کو کمتر، حقیر سمجھنے اور اپنی ذمہ داریوں سے فرار سے ہے۔

میرا اندازہ ہے کہ آپ کے والد صاحب اپنی شادی کے فوراً بعد سے ہی اپنی بیگم کے ساتھ عزت و احترام سے پیش نہیں آئے ہوں گے۔ بہت سے مرد گھر میں رعب جمانے کے لیے اپنی عورت کے ساتھ سخت رویہ رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔

محبت پابندیوں اور سختیوں میں نہیں بلکہ احترام اور آزادیوں میں پھلتی پھولتی ہے۔ گھر میں سختی کرنے سے بیوی اور اولاد پر مرد کا رعب تو قائم ہو سکتا ہے لیکن ایسا کرنے سے ان کے دلوں میں جگہ نہیں بن پاتی۔

والدین کی لڑائیاں اور ایک دوسرے پر الزام تراشیاں

گھر کے ماحول میں گھٹن کا سبب بنتی ہیں۔ ایسے ماحول میں پروان چڑھنے والے بچے شرمندگی، بیزاری اور احساس کمتری میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔

قوت فیصلہ، اعتماد اور برداشت کی کمی کی وجہ سے ایسے اکثر لوگ محنت سے بھی کترانے ہیں اور شکایتی انداز رویہ اختیار کر لیتے ہیں۔

اپنے بہن بھائیوں میں سے کسی کو آگے بڑھتا دیکھیں تو اپنے دل میں اس کے خلاف بغض پال لیتے ہیں۔

انسانی شخصیت کو کمزور کر دینے والے ایسے عوامل سے چھٹکارا پانے کے لیے ماحول میں تبدیلی لانا ضروری ہے۔ ماحول کی تبدیلی کے لیے اہل خانہ کے رویوں میں اور مختلف باتوں پر رد عمل کے انداز میں تبدیلیاں درکار ہیں۔

آپ کے والدین ایک دوسرے سے سخت ناراض اور شاکی ہیں۔ ان کی باہمی شکایتیں دور کرنا تو اب بہت مشکل ہے لیکن انہیں اولاد کی طرف سے اطمینان دلایا جا سکتا ہے۔ جو میاں بیوی آپس میں لڑتے رہتے ہیں ان میں سے اکثر اپنے بڑھاپے میں اپنی اولاد کی طرف سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ انہیں ڈر ہوتا ہے کہ ضعیفی کے دور میں ان کے بچے ان سے لاتعلق ہو جائیں گے۔

اس خوف اور گھبراہٹ میں بوڑھے والدین کئی غلط فیصلے بھی کر ڈالتے ہیں۔ ایسے والدین کی اولاد اگر گھر کا ماحول کچھ بہتر بنانا چاہے تو اولین قدم کے طور پر اپنے والدین کو یہ احساس دلانے کی ضرورت ہے کہ اولاد ان کا احترام کرتی ہے اور ان کی خدمت کرنا چاہتی ہے۔

آپ کے والد اور والدہ نے اولاد کو حامی اور مخالف گروپوں میں تقسیم کر لیا ہے لیکن اولاد کو کسی ایک کا ہونے کے بجائے دونوں کا یکساں احترام اور خیال کرنا چاہیے۔

مجھے اندازہ ہے کہ ان باتوں پر عمل کرنا آسان نہیں ہے لیکن تیس چالیس سال پرانی تلخیوں کو فراموش کر دینا بھی تو آسان نہیں ہوتا۔

رات سونے سے پہلے اکتالیس مرتبہ سورۃ قریش گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اپنے والدین کا تصور کر کے دم کر دیں اور ان کے مزاج میں نرمی اور اصلاح کی توفیق ملنے کی دعا کریں۔ کم از کم چالیس روز تک یہ عمل جاری رکھیں۔ ناغہ کے دن بعد میں پورے کر لیں۔

نروس ہوجاتی ہوں

☆☆☆

سوال: کوئی میرے گھر آتا ہے یا میں کسی محفل میں جاتی ہوں تو کسی سے بات کرتی ہوں۔ مجھ پر بہت گھبراہٹ طاری ہو جاتی ہے۔ اس گھبراہٹ میں میری آواز کانپنے لگتی ہے۔ الفاظ حلق کے اندر ہی رہ جاتے ہیں۔ میرے پورے جسم میں لرزا طاری ہو جاتا ہے اور ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔ اس نروس ہونے کی وجہ سے میں نے لوگوں سے ملنا جلنا بھی کم کر دیا ہے۔ ہر وقت اپنے کمرے میں رہتی ہوں۔ کہیں جانا ہو تو بیماری کا بہانہ بنا دیتی ہوں۔

جواب: رات تمام کاموں سے فارغ ہو کر باوضو بیٹھ کر 101 مرتبہ یااللہ گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر پانی پر دم کر کے پی لیں اور اپنے اوپر دم کر لیں۔

سرخ شعاعوں میں تیار کردہ پانی صبح اور شام ایک ایک پیالی پئیں۔

چلتے پھرتے وضو بے وضو کثرت سے اسمائے الٰہیہ یاقوی یاعزیز کا ورد کرتی رہیں۔

کہیں فیل نہ ہوجاؤں!!

☆☆☆

سوال: میں اسٹوڈنٹ ہوں۔ میرے پیپر ہونے والے ہیں۔ میں جب بھی امتحان کی تیاری کے لیے بیٹھتی ہوں تو میرے سر میں درد شروع ہو جاتا ہے۔ جمائیاں آنے

تھکی ہیں اور نیند محسوس ہوتی ہے۔ اگر خود پر جبر کر کے کچھ پڑھ لوں تو یاد نہیں رہتا۔

جواب: عشاء کی نماز کے بعد 300 مرتبہ

[illegible] O

تین تین مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر ایک ایک چمچی شہد پر دم کر کے چٹیں اور حافظہ میں بہتری پڑھائی میں دل لگنے اور امتحان میں کامیابی کے لیے دعا کریں۔

بہتر ہو گا کہ کسی آئی اسپیشلیٹ سے نظر بھی ٹیسٹ کروالیں۔

صبح اور شام ایک ایک چمچ اسپون شہد چٹیں۔

سارے ٹیسٹ کلیئر ہیں پھر بھی....؟

☆☆☆

سوال: ہم تین بہن بھائی ہیں۔ میرے بڑے بھائی کی شادی پانچ سال پہلے ہوئی تھی۔ اس کے ایک سال بعد میری بڑی بہن کی شادی ہوئی۔ بڑی بہن کے دو سال بعد میری شادی ہوئی تھی۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم دونوں بہنیں اور بھائی اولاد کی نعمت سے محروم ہیں۔ ہم سب نے ڈاکٹر سے رجوع کیا۔ ہمارے سارے ٹیسٹ کلیئر ہیں۔

ہم دونوں بہنیں اور بھائی ننھے بچوں کی قلقاریوں کو ترس گئے ہیں۔ پتہ نہیں یہ نظر بد ہے یا کچھ اور....

جواب: عشاء کی نماز کے بعد 101 مرتبہ سورہ علق (96) کی ابتدائی آیات

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ O خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ O

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر پانی پر دم کر کے میاں بیوی دونوں پئیں۔ یہ عمل نوے روز تک جاری رکھیں۔

غیر ذمہ دار شوہر

☆☆☆

سوال: میری شادی کو دس سال ہو گئے ہیں۔ میری دو بیٹیاں ہیں جن کی عمر سات اور پانچ سال ہے۔ میرے شوہر ایک ادارے میں جاب کرتے ہیں۔ میرے شوہر کی کمائی سے گھر کا خرچ پورا نہیں ہوتا۔ میرے بچے ٹوٹے پھوٹے جوتے چپل پہنتے ہیں۔ میرے بچوں کا کئی مرتبہ اسکولوں سے صرف اس وجہ سے نام خارج ہوا کہ فیس ادا نہ ہوئی۔ میرے بچے چھوٹی چھوٹی ضروریات کے لیے ترستے ہیں۔ میرا شوہر مجھے بھی کوئی جاب کرنے نہیں دیتا۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔ جب دوسروں کے بچوں کو دیکھتی ہوں تو اپنے بچوں کی ویران آنکھوں سے اپنی نظریں نہیں ملا پاتی لیکن میرے شوہر کو کسی بات کا احساس نہیں ہوتا۔

اب میں تیسری مرتبہ انجانے میں پھر حمل سے ہو گئی ہوں۔ اپنے حالات دیکھ کر سوچ رہی ہوں کہ میں اس حمل کو ضائع کروادوں....

میں سوچتی ہوں دو بیٹیاں اور میں جس عذاب میں ہیں یہ ایک نیا فرد کیوں اس میں گرفتار ہو۔

جواب: آپ کو اپنے سوال کا جواب اسی کالم میں بعنوان نامی کی بیٹی کو پڑھ کر مل جائے گا۔ آپ تو پڑھی لکھی خاتون ہیں۔ ایک ان پڑھ عورت کس حوصلہ و عزم کے ساتھ اپنے مقصد کے حصول میں کوشاں ہے یہ رہنمائی کی ایک مثال ہے۔

حمل ضائع کروا دینے سے کیا آپ کے شوہر کی بے حسی اور لاپرواہی ختم ہو جائے گی....؟ حمل ضائع کروانے کے بجائے آپ اپنے شوہر کی اصلاح کا سوچیں۔

رات سونے سے پہلے اکتالیس مرتبہ سورہ اخلاص گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر اپنے شوہر کا تصور کر کے دم کر دیں اور دعا کریں کہ انہیں اپنے فرائض سمجھنے

اور ذمہ داریوں کی درست ادائیگی کی توفیق ملے۔

یہ عمل چالیس روز یا نوے روز تک جاری رکھیں۔

چلتے پھرتے وضو بے وضو کثرت سے اسمائے الٰہیہ یَاوَلِیُّ یَاتَصِیْرُ کا ورد کرتی رہا کریں۔

رنگ گورا ہوسکتا ہے....؟

☆☆☆

سوال: میرا رنگ سانولا ہے۔ میں بی ایس سی کی اسٹوڈینٹ ہوں۔

عید کے بعد میری خالہ کی بیٹی کی شادی ہے۔ خالہ کے سسرالی رشتے دار اور خالہ کے سب بچے گورے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ عید تک میرا رنگ بھی خوب گورا ہوجائے اور میں شادی کی اس تقریب میں اعتماد کے ساتھ شرکت کرسکوں۔

جواب: رنگ گورا کرنے کے لیے قدرتی اجزاء پر مشتمل ایک نسخہ مندرجہ ذیل ہے۔

چار چمچ ملتانی مٹی، دو چمچ شہد، دو چمچ دہی، ایک چمچ لیموں کا رس۔ ان سب اجزاء کو اچھی طرح مکس کرلیں۔ رات کو چہرہ اچھی طرح دھونے کے بعد چہرے پر اچھی طرح ہلکے ہاتھ سے ملیں۔ آدھے گھنٹے بعد چہرہ نیم گرم پانی سے دھوئیں۔

رنگ گورا کرنے کے لیے پالک بھی مفید ہے۔ اس مقصد کے لیے پالک کا عرق نکال لیا جائے۔ ایک پیالی عرق میں ایک یا دو دانے سیاہ مرچ (موٹی موٹی کُٹی ہوئی) پندرہ منٹ کے لیے رکھ دیں۔ اس کے بعد باریک چھنی میں چھان کر پئیں۔ یہ عمل چند روز تک جاری رکھیں۔

کھانوں میں سبزیاں اور پھل زیادہ استعمال کریں۔ روزانہ آٹھ سے دس گلاس پانی پئیں۔ دودھ بھی روزانہ پئیں۔ انشاءاللہ چند ہفتوں میں رنگت خوب نکھر آئے گی۔

ہر ماہ شدید درد

☆☆☆

سوال: میری بیٹی کی عمر انیس سال ہے۔ پچھلے تین سال سے اسے ہر ماہ شدید درد کی شکایت ہوجاتی ہے۔ درد کی شدت کی وجہ سے ایک یا دو دن تو اسے کالج سے چھٹیاں کرکے گھر پر آرام کرنا پڑتا ہے۔ اسے پانی کی شکایت بھی ہے۔ اکثر کمر میں اور پنڈلیوں میں درد رہتا ہے۔ اسے کبھی چکر بھی آتے ہیں۔

جواب: مذکورہ علامتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسے اندرونی ورم اور سیلان کی شکایات ہیں۔ لڑکیوں اور خواتین میں اندرونی اعضا کے ورم کی وجہ سے ہر ماہ شدید درد اور مہینے میں کمی کی شکایت بھی ہوسکتی ہے۔ اندرونی ورم دور کرنے کے لیے ہربل ٹیبلیٹ سوئل کیور کا استعمال بہت مفید پایا گیا ہے۔

سیلان الرحم کی تکلیف میں عظیمی لیبارٹریز کی ہربل ٹیبلیٹ انسیلان کا استعمال مفید ہے۔

آپ اپنی صاحبزادی کو ہربل ٹیبلیٹ سوئل کیور دو دو عدد صبح نہار منہ اور شام اور ہربل ٹیبلیٹ انسیلان دو دو عدد دوپہر اور رات کھانے سے پہلے دے سکتی ہیں۔ ان تکلیف میں زیادہ چکنائی والی غذاؤں، انڈہ، مچھلی اور کھٹی چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔

معدے میں گرانی رہتی ہے

☆☆☆

سوال: میری عمر تیس سال ہے۔ مجھے گزشتہ تین سال سے معدہ میں بھاری پن رہتا ہے۔ صبح ناشتہ کرنے کو دل نہیں کرتا۔ کبھی ناشتہ کرنے کے بعد مجھے قے بھی ہوجاتی ہے۔ دن میں بھی کھل کر بھوک نہیں لگتی۔ زبردستی تھوڑا بہت کھا پی لیتی ہوں۔

جواب: معدے میں گرانی، تیزابیت کے لیے ایک

نسخہ تحریر کیا جارہا ہے۔

سونف 3 گرام، اجوائن 3 گرام، پودینہ 7 گرام (یہ ایک وقت کی خوراک ہے۔) تینوں اجزاء کا سفوف بنا کر رکھ لیں۔ اب ایک گلاس پانی میں ایک چمچ ادرک کا رس، ایک چمچ لیموں کا رس ملا کر صبح نہار منہ اس سفوف کی ایک خوراک کھا کر ادرک اور لیموں سے تیار کیا ہوا پانی پی لیں۔

اسی طریقہ سے رات کھانے سے آدھے گھنٹہ پہلے یہ خوراک لیں۔

کھانوں میں چکنی، کھٹی اور ثقیل اشیاء سے پرہیز کریں۔ عام طور پر گیارہ روز یہ عمل کرنا کافی ہوتا ہے۔

چکن پاکس کے نشانات

☆☆☆

سوال: میری بیٹی جس کی عمر چودہ سال ہے اسے کچھ ماہ پہلے چکن پاکس نکلی تھی۔ اس کے نشانات اس کے ہاتھ، پیروں اور چہرے پر نظر آتے ہیں جس کی وجہ سے چہرہ بدنما لگتا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ کوئی دیسی نسخہ بتا دیجئے کہ یہ نشانات ختم ہو جائیں۔

جواب: ایک چمچ پسی ہوئی ہلدی کو آدھی چھٹانک دہی میں ملا لیجئے اب اس پیسٹ کو دن میں کسی وقت چہرے پر لگالیں۔ آدھے گھنٹے لگا رہنے دیں پھر چہرہ دھولیں۔

رات سوتے وقت چہرے پر زیتون کے تیل سے کچھ دیر مساج کریں۔

غصے سے نجات

☆☆☆

سوال: میرے بڑے بھائی جو شادی شدہ ہیں ان کو غصہ بہت جلد آجاتا ہے۔ ان کے غصے کی وجہ سے گھر کا ہر فرد سہا سہا رہنے لگا ہے۔

جواب: صبح نہار منہ اکتالیس مرتبہ سورہ الفرقان (25) کی آیت نمبر 63

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا O

گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر پانی، چائے یا شربت پر دم کر کے پلائیں۔

اگر دم کر کے پلا نہ سکیں تو رات سونے سے پہلے پڑھ کر تصور کر کے دم کریں اور دعا کریں۔ یہ عمل کم از کم ایک ماہ تک جاری رکھیں۔

کمزور اور ضدی بچی

☆☆☆

سوال: میری بیٹی کی عمر ڈھائی سال ہے۔ وہ ضد اور غصہ بہت کرتی ہے۔ ہر وقت روتی رہتی ہے۔ دودھ کے علاوہ اور کچھ کھاتی پیتی نہیں ہے جس وجہ سے وہ بہت کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ بچی کو کوئی بیماری نہیں ہے۔

جواب: شام کے وقت اکیس مرتبہ سورہ کوثر تین تین مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھ کر بچی پر دم کر دیں اور دعا کریں۔ یہ عمل ایک ماہ تک جاری رکھیں۔

❄